

إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ  
وَمَا تَكُفِيْتَنِ إِلَّا اللَّهُ (القرآن)

[www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)

# اصلاح شیعہ

اہل تشیع کے اپنے مذہب سے تصادم کی تاریخ

عربی

ڈاکٹر موسیٰ الموسوی

اُردو

ابوسعُود آل امام

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

\*\*\* توجہ فرمائیں! \*\*\*

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب.....

عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ

لوڈ (UPLOAD) کی جاتی ہیں۔

متعلقہ ناشرین کی اجازت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔

دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات کی

نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

\*\*\*

**تنبیہ**

\*\*\*

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر

تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں

ٹیم کتاب وسنت ڈاٹ کام

[webmaster@kitabosunnat.com](mailto:webmaster@kitabosunnat.com)

[www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا  
مؤمنو! اللہ سے ڈرو اور بات سیدھی کیا کرو۔

# اصلاحِ شیعہ

اہل تشیع کے اپنے مذہب کے تصادم کی تاریخ

شیعہ کے اپنے عقائد و اعمال سے انحراف کے تاریخی پس منظر  
علمی و تنقیدی جائزے اور قابل عمل اصلاحی تجاویز پر مشتمل یہ کتاب  
ایک بلند پایہ شیعہ محقق عالم کی تصنیف ہے جس کا مطالعہ شیعہ و سنی  
عوام و خواص سب کے لئے یکساں مفید ہے۔

عربی

ڈاکٹر موسیٰ الموسوی

اردو

ابو مسعود الصامی

یہ کتاب مفت تقسیم کے لئے ہے۔

265.4

181 م

6778

25

کتاب : الشیعہ والتصحیح

مؤلف : ڈاکٹر موسیٰ موسوی

ترجمہ : اصلاح شیعہ

مترجم : ابو مسعود آل امام

طبع : اول

تاریخ : فروری ۱۹۹۰ء

رجب ۱۴۱۱ھ

تعداد : پندرہ ہزار

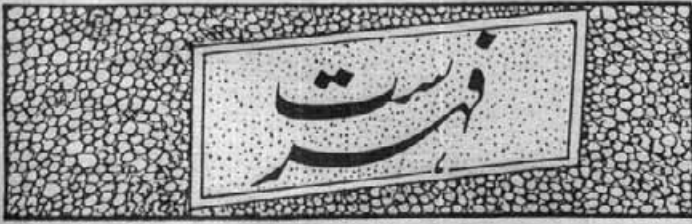




## الاہداء

یہ کتاب ہے سلام، انسانے اور عقلے کا دفن کرتے  
ہے۔ میرے اس کے ذمے لے کے رضا، مدد اور مغفرتے  
کا طلبے گا ہوں۔

میرے مخاطبے ہر مکانے و زمانے کے شیعہ میرے،  
میرے یہ کتابے ہر اُسے شخصے کے نامے جو ندے تصحیح و  
اصلاح پر کانے دھرے اور اسے کے اصولے و مقاصد  
کے لئے جدوجہد کرے۔“



۱۱	۱ — امامت و خلافت
۹۵	۲ — تقیہ
۱۱۰	۳ — امام مہدی
۱۴۱	۴ — غلو
۱۶۱	۵ — قبورِ ائمہ کی زیارت
۱۴۳	۶ — عاشورا و محرم کے روزنامے
۱۸۳	۷ — اذان میں تیسری شہادت
۱۸۹	۸ — متعہ (عارضی نکاح)
۲۰۱	۹ — خاکِ کربلا پر سجدہ
۲۰۹	۱۰ — دہشت گردی
۲۲۱	۱۱ — نماز جمعہ
۲۲۷	۱۲ — تحریفِ قرآن
۲۳۷	۱۳ — جمع بین الصلّاتین
۲۴۱	۱۴ — رجعت
۲۵۱	۱۵ — بداء
۲۶۱	۱۶ — تحریک اصلاح کا جائزہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# مؤلف کا تعارف

ڈاکٹر موسیٰ الموسوی الامام الاکبر سید ابوالحسن الموسوی الاصفہانی کے پوتے ہیں۔  
 ۱۹۳۰ء میں بمقام ”صحف اشرف“ پیدا ہوئے اور وہیں یونیورسٹی میں مروجہ تعلیم مکمل کی،  
 اور ”اجتہاد“ کے موضوع پر فقہ اسلامی میں ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔  
 ۱۹۵۵ء میں پٹھان یونیورسٹی سے اسلامی قانون میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔  
 ۱۹۵۹ء میں پیرس یونیورسٹی سے فلسفہ میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی۔  
 ۱۹۶۰ء سے ۶۲ء تک بغداد یونیورسٹی میں اقتصاد اسلامی کے پروفیسر رہے۔  
 ۱۹۶۸ء سے ۶۸ء تک بغداد یونیورسٹی میں اسلامی فلسفہ کے پروفیسر رہے۔  
 ۱۹۶۳ء سے ۶۴ء تک ہالہ یونیورسٹی جمہوریہ جرمنی میں، اطرابلس یونیورسٹی لیبیا میں،  
 مہان استاذ (VISITING PROFESSOR) رہے۔  
 ۱۹۶۵ء سے ۶۶ء تک ہارڈورڈ یونیورسٹی امریکہ میں استاذ باحث  
 (RESEARCH PROFESSOR) کی حیثیت سے کام کیا۔  
 ۱۹۶۸ء میں لاس انجلس یونیورسٹی میں مہمان استاذ ہو کر گئے۔  
 ۱۹۶۹ء سے مغربی امریکہ میں ”المجلس الاسلامی الاعلیٰ“ کے منتخب صدر نشین  
 ہیں۔



موصوف کی اب تک نو عربی کتب طبع ہو چکی ہیں۔

آپ بڑے بلند پایہ شیعہ محقق ہیں، ایرانی انقلاب کا انہوں نے نہ صرف قریب سے مشاہدہ کیا بلکہ اس کے لئے بھرپور جدوجہد بھی کی۔ آیت اللہ خمینی کے ساتھ ان کے قریبی روالبط رہے۔ جلاوطنی کے ایام میں انہوں نے نہ بار بار ان کی دست گیری کی، ڈھاکس بندھائی اور ان کے کام آئے خمینی کے مقتول بیٹے مصطفیٰ خمینی کے ساتھ ان کے خصوصی تعلقات تھے۔

مؤلف نے اپنی دیگر تصانیف میں خمینی کی شخصیت سے بھی پرودہ اٹھایا ہے۔ ڈاکٹر موسیٰ موسوی کی تمام کتب قابل مطالعہ ہیں اور اپنے اپنے موضوع پر جدت کا رنگ لے ہوئے۔ قارئین کرام اس کتاب میں ایک منصف مزاج، عدل پسند، روشن خیال، صاحب علم و نظر شیعہ محقق کے قلم سے تشیع کی تصویر اور شیعہ کا اپنے مذہب سے ”محرین سلوک“ اور اس پر عمل کا انداز ملاحظہ فرمائیں گے۔

اللہ کرے شیعہ حضرات کو اس کتاب کے مطالعہ سے نور ہدایت نصیب ہو اور حقائق و خرافات میں تمیز کی توفیق ارزانی ہو۔ واللہ هو الموفق۔

مستحب

۹ / رجب ۱۴۱۰ھ  
۶ / فروری ۱۹۹۰ء



# مُقَدِّمَةٌ

## سخنہائے گفنی

بِسْمِ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَالصَّلَاةُ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ اُمَامَعِدٍ،  
میری پیدائش ایک ایسے گھر میں ہوئی جو شیعہ قیادت کا مرکز تھا وہیں  
پرورش پائی اور جوان ہوا "غیبت کبریٰ" سے لے کر آج تک تاریخ تشیع میں سب سے  
بڑے دینی قائد و پیشوا کے پاس تعلیم و تربیت حاصل کی یہ تھے ہمارے جدِ امجد  
الامام الاکبر السید ابوالحسن الموسوی جن کے بارے میں کہا گیا ہے،

" اُنْسَى مِنْ قَبْلِهِ وَاَتَعَبَ مِنْ بَعْدِهِ " (۲)

" اپنے سے پہلے لوگوں کو فراموش کر دیا اور بعد والوں کو عاجز کر دیا "

شیعہ اور تشیع کے متعلق قیل و قال سے بھرپور اس ماحول میں اور جس  
میں حالات و واقعات صدیوں پر محیط شیعہ اور اہل سنت کے مابین فرقہ وارانہ اختلاف  
کے متعلق خود بول رہے ہوں مجھے شیعہ اور دیگر اسلامی فرقوں کے درمیان المناک اختلافات  
سے سخت تکلیف ہوتی تھی میں ان اختلافات کے قبیح و مذموم نتائج کا براہ راست قریب  
سے مشاہدہ کر رہا تھا۔

(۱) غیبت کبریٰ سے مراد شیعہ امامیہ کے بارہویں امام المہدیؑ کا غائب ہو جانا ہے جو ۳۲۹ھ

میں لوگوں کی نفروں سے اوجھل ہو گئے تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو فصل "الامام المہدی"

(۲) یہ قول مرحوم امام شیخ محمد حسین کاشف الغطاء کا ہے۔

نیز میری پرورش ان پر عزم اور جرأت مندانہ اقدامات کے سائے میں ہوئی تھی جو میرے جد امجد الامام الاکبر شیعہ اور اہل سنت کے مابین عظیم تر اتحاد کی منزل تک پہنچنے کے لئے ان دونوں گروہوں کے درمیان تعلقات مضبوط کرنے کی راہ میں موجود مشکلات پر قابو پالینے کے لئے کر رہے تھے، ان کی یہ ماسعی عالم اسلام میں مسلط استعماری سیاسی چالوں کے ساتھ متصادم تھیں جن کی پشت پناہی جامد عظیمیں متعصب افراد اور وہ لوگ کر رہے تھے جن کا مفاد اسی فرقہ پرستی سے وابستہ تھا یہیں سے مجھے اس کام کی اہمیت اور تقدس کا بیک وقت احساس و شعور ہونے لگا۔

میرا یقین مزید محکم اس وقت ہوا جب مجھ پر کھلنے لگا کہ میرے والد محترم (جنہیں نجف اشرف میں حضرت علیؑ کے مقبرہ کے احاطہ میں مغرب اور عشاء کے درمیان مذہبی لبادہ اوڑھے ہوئے ایک مجرم نے لیے بیہوشی سے ذبح کر دیا جیسے قصاب جانور ذبح کرتا ہے جب کہ وہ محراب میں نماز ادا کر رہے تھے) کی شہادت بھی درحقیقت سامراجی سازش کا نتیجہ تھی جو جد امجد سید ابوالحسن کو ان کے اصلاحی اقدامات سے باز رکھنے کے لئے کی گئی لیکن سید ابوالحسن نے صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ مصیبت برداشت کی اور اپنے جگر گوشہ اور محبوب ترین ہستی کے قاتل کو معاف کر کے اللہ تعالیٰ سے اللہ کی امید رکھی اور مسلمانوں کو ایسا سبق دیا جو شیعہ کی تاریخ میں ناقابل فراموش ہے اور انہوں نے ثابت کر دیا کہ مصائب و آلام کی آندھیاں ایک مصلح کے دل کو متزلزل اور دشواریاں اس کے سرم کو کمزور نہیں کر سکتیں اور بغض و عناد اور جذبہ انتقام اس کی شخصیت پر اثر انداز نہیں ہو سکتا بلکہ وہ سر بلند چٹان کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہ کر اس عقیدہ کا دفاع کرتا رہتا ہے، جسے وہ فرد معاشرہ میں مضبوط بنیادوں پر قائم کرنا چاہتا ہے۔

اس سب کچھ کے بعد مجھ میں شیعہ کے بعض عقائد و اعمال میں اصلاح کرنے کا فکری پیدا ہونا طبعی امر تھا، خاص طور پر ان عقائد و اعمال میں جو شیعہ کے دیگر اسلامی فرقوں کے

ساتھ اختلاف کا سبب بنے اور جو بذاتِ خود روحِ اسلام اور صحیح منطق سے متصادم ہیں اور میرے خیال میں یہی امور ہیں جنہوں نے شیعہ مذہب کی شکل بگاڑ کر اس کو پوری اسلامی دنیا بلکہ تمام عالم میں بدنام کر دیا ہے۔

اس کے ساتھ ہی میرا خیال ہے کہ صرف اسباب گنوا دینا اس مشکل کا حل نہیں ہے بلکہ عملی حل پیش کرنا ضروری ہے جس کے متعلق میں تمام انماہِ عالم سے مطالبہ کر سکوں کہ اگر وہ دنیا و آخرت کی ایک ساتھ بھلائی چاہتے ہیں تو اس کی پابندی کریں۔ شیعہ اور دیگر اسلامی فرقوں کے مابین اختلاف پر غور و فکر کے دوران میں اس قطعی نتیجے پر پہنچا کہ ان کے درمیان جب اختلافِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت یا حضرت علیؑ کا کسی دوسرے کے مقابلے میں خلافت کا زیادہ حق دار ہونا نہیں ہے کیوں کہ میں دیکھتا ہوں کہ زیدی شیعہ جو کروڑوں سے زائد آبادی پر مشتمل فرقہ ہے حضرت علیؑ کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کا زیادہ حق دار ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں لیکن ان کے اہل سنت کے درمیان انہی کی محبت اور یگانگت کی نفاذ قائم ہے لہذا ثابت ہوا کہ شیعہ اور دیگر اسلامی فرقوں کے مابین تنازع کا بنیادی سبب مسئلہ خلافت نہیں بلکہ خلفاء راشدین کے متعلق شیعہ کا رویہ اور ان پر طعن و تشنیع کرنے کی روش بد ہے۔ یہی وہ امر ہے جس سے زیدی شیعہ اور بعض دوسرے فرقے محفوظ ہیں اگر اسامیہ شیعہ بھی زیدی شیعہ کی روش پر اکتفا کر لیتے تو یہ چپقلش کم موجباتی اور اختلافات کے نفاصلے سمٹ جاتے لیکن شیعہ نے خلفاء راشدین کی تنقیص اور توہین شروع کر دی جس سے فتنہ برپا ہوا۔

میں رات دن اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا تھا کہ مجھے علم و بصیرت مرحمت فرمائے اور مجھے قوت و توفیق عطا کرے کہ میں اصلاح و تصحیح کا پیغام، جس کا مجھے زمانہ جوانی کے دنوں ہی سے شوق و شغف تھا کامل طور پر ادا کر سکوں۔ میری ان نیک دعاؤں کا نتیجہ اس کتاب (اصلاحِ شیعہ - شیعہ اور تشیع کے مابین معرکہ آرائی) کی صورت میں



برآمدہوا جسے ہر جگہ اور ہر زمانے کے شیعہ حضرات کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔

یہ پکار شیعہ کے نام ہے جس کا بنیادی محرک اللہ تعالیٰ اسلام کے دائمی پیغام 'مسلمانوں کی قوت و شوکت اور احترام انسانیت پر غیر مشروط ایمان و ایقان ہے۔

یہ پکار عظیم تر اصلاح کے طریقوں کی طرف دعوت ہے جس کا مقصد شیعہ اور دیگر اسلامی فرقوں کے مابین گہری اختلاف کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنا ہے۔

یہ پکار اللہ کے نام کی دہائی ہے تاکہ شیعہ اس گہری نیند سے بیدار ہوں جس میں وہ بارہ صدیوں سے مستغرق ہیں۔

یہ مسلمانوں کی آپس کی معرکہ آرائی کی المناک اندوگیں داستان ہے جو آج تک جاری ہے یہ شیعہ کے نام عقل و ایمان کی آواز ہے تاکہ وہ اپنے وجود سے اس گردوغبار کو جھاریں جس میں وہ ساہا سال سے اٹے ہوئے ہیں اور یک لخت اٹھ کھڑے ہوں اور کسی سستی اور کاہلی کا مظاہرہ نہ کریں۔ اور نہ ہی اس مذہبی قیادت کے فیصلوں کا انتظار کریں جس نے انہیں 'نکری' اجتماعی اور دینی زندگی میں پیمانہ نگاری سے دوچار کر دیا ہے اس طرح میرا عقیدہ اور میرا احساس فرض مجھے مجبور کرتا ہے کہ میں لاکھوں شیعہ بھائیوں سے یہ کتاب پڑھنے کی پُر زور اپیل کروں۔

مؤلف



# امامت و خلافت

شیعیت اور شیعہ کے مابین پہلا معرکہ اس وقت برپا ہوا جب انہوں نے تشیع کے معنی میں تحریف کرتے ہوئے حضرت علیؓ اور اہلبیت کی محبت کی بجائے خلفائے راشدین کی مذمت اور براہ راست ان پر اور بالواسطہ حضرت علیؓ اور ان کے اہل بیت پر نکتہ چینی کا نام تشیع رکھ دیا۔

پچوتھی صدی ہجری تک خلافت کا تصور	:	ا
شیعہ اور شیعیت	:	ب
انحراف	:	ج
اصلاح	:	د

### خلافت کے بارے میں شیعہ امامیہ کا عقیدہ

جس قدر میں نے شیعہ شیعیت اور فرقہ امامیہ کے عقائد پر غور کیا مجھے یقین ہوتا چلا گیا کہ شیعہ اور تشیع میں بڑا بعد ہے بعض اوقات تو یہ فاصلہ واضح ترین تضاد کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ جب صاف نظر آنے لگتا ہے کہ شیعہ مذہب شیعہ فرقہ سے الگ کوئی دوسری چیز ہے اور ایسے ہی تشیع اور اہل تشیع کے مابین پلٹے جانے والے اختلاف کا بنظر عمیق مطالعہ کرنے سے مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ ان اختلافات کے پیدا ہونے اور پروان چڑھنے کے تین زمانے ہیں۔

عصر اول میں اس اختلاف کی ابتدا ہوئی یہ وہ زمانہ تھا جب غیبت کبریٰ کے بعد فکری کشمکش ظہور پذیر ہوئی۔ یہیں سے عصر ثانی کا راستہ ہوا جس میں ایک طرف شاہ اسماعیل صفوی کے ہاتھ پر ۹۰۵ھ میں دولت صفویہ کا ظہور ہوتا ہے اور دوسری طرف ایران میں شیعہ اسیٹ قائم ہو جاتی ہے اور یہیں سے معرکہ آرائی کا تیسرا اور آخری دور شروع ہوتا ہے جس میں شیعہ مذہب اور اہل تشیع کے جدید افکار کے درمیان وہ معرکہ آرائی

شروع ہوئی جس کا مشاہدہ ہم تاحال کر رہے ہیں، یہی وہ افکار ہیں جنہوں نے شیعہ معاشرے کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا ہے اور ان پر خطر اور اندوہناک نتائج تک پہنچا دیا ہے جنہیں زمین و آسمان بھی برداشت کرنے سے قاصر ہیں۔

ہم اپنے اس اصلاحی رسالہ میں وضاحت کی خاطر ضروری سمجھتے ہیں کہ اہل تشیع کے انکار حقیقی صورت میں پیش کر دیں پھر راہِ حق کی نشاندہی بھی کر دیں تاکہ قاری دلائل کی روشنی میں کسی واضح نتیجہ تک پہنچ سکے۔

امامیہ شیعہ کے مذہب کا بنیادی پتھر امامت ہے اور یہی حال مذہب زیدی اور اسماعیلی کا بھی ہے<sup>(۱)</sup> اور وہ تمام مسائل اسی کی فروع ہیں جو ان فرقوں کے دیگر اسلامی فرقوں کے ساتھ بحث و جدل کا باعث ہیں۔

شیعہ امامیہ کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلافت حضرت علیؓ کے پاس تھی اور ان کے بعد بارہویں امام محمد بن حسن العسکری ملقب بہ مہدی تک حضرت علیؓ کی اولاد میں رہی اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی مقامات میں اشارہ اس کا ذکر کیا تو کئی دیگر مقامات پر واضح طور پر بیان کر دیا ان میں سے سب سے مشہور مقام و موقع "غدیر خم" ہے جہاں آپ نے حجۃ الوداع سے واپسی پر حضرت علیؓ کے لئے بیعت لی اور فرمایا:

من كنت مولاه فهذا علي مولاه اللهم وال من والاه  
و عاد من عاداه

جس کا میں مولا ہوں سو یہ علیؓ بھی اس کا مولیٰ ہے اے اللہ!

<sup>(۱)</sup> زیدیہ کا عقیدہ ہے کہ امامت زید بن علی بن حسین بن علیؓ کی اولاد میں جاری ہے جب کہ اسماعیلیہ ہی عقیدہ اسماعیل بن جعفر بن محمد العداوق کے پاس سے میں رکھتے ہیں۔



جو عملی سے موالات رکھے تو اس کا وال بن اور جو اس سے  
عداوت رکھے تو بھی اس سے عداوت رکھے۔

یہ سن ۸ ہجری ۱۸ ذی الحجہ کا واقعہ ہے اور شیعہ جہاں کہیں پلٹے جاتے ہیں  
اس دن ہر سال جشن مناتے ہیں اور اسے عید غدیر کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

دیگر اسلامی فرقوں کی رائے یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم الرفیق  
الاعلیٰ کے پاس تشریف لے گئے اور آپ نے کسی کو اپنے بعد خلیفہ مقرر نہیں کیا بلکہ معاملہ  
مسلمانوں کے باہمی مشورے پر چھوڑ دیا اور آپ نے مندرجہ ذیل دو آیتوں میں کتاب اللہ کی  
نفس پر عمل کرتے ہوئے ایسا کیا :

۱۱ وَ أَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ

اور وہ اپنے کام آپس کے مشورے سے کرتے ہیں (۱)

۱۲ وَ شَاوَرَهُمْ فِي الْأُمْرِ

(۱ سے نبی) اپنے کاموں میں ان سے مشورہ لیا کرو (۲)

فریقین (شیعہ و اہل السنہ) کے مابین اختلاف کا خلاصہ یہی ہے  
ہر فرقہ کی اپنی اپنی آراء اور اپنے اپنے دلائل ہیں جب کہ فریقین کے علمائے اس موضوع  
پر سینکڑوں مختصر اور طویل کتب بھی تالیف کی ہیں اور یہ کتب اپنی طوالت اور کثرت  
کے باوجود حصول مقصد کے لئے کارآمد ثابت نہیں ہوئیں نہ تو شیعہ نے خلافت کے بارے  
میں اپنا عقیدہ چھوڑا اور نہ ہی اہل السنہ اپنی ان آراء سے دستبردار ہوئے جنہیں وہ  
قابل اتباع سمجھتے تھے اور اس سے بڑھ کر مشکل یہ پیش آئی کہ یہ فکری اختلاف اس حد تک

(۱) شوریٰ ، ۳۷

(۲) آل عمران ، ۱۵۹



بہت بچ کر رک نہیں گیا بلکہ عصر رسالت کے بعد چند سال گزرتے ہی اس اختلاف نے بڑی خطرناک شکل اختیار کر لی اگر یہ اختلاف اسی حد تک رہتا تو مسئلہ آسان تھا۔

عالم اسلام نے اپنی طویل تاریخ میں کسی اور وجہ سے اتنی مشکلات مصائب کا سامنا نہیں کیا، جتنا خلافت اور اس میں اختلاف سے متعلقہ فردی مسائل کی وجہ سے کیا ہے۔

جیسا کہ ہم اس کتاب کے مقدمہ میں سرسری اشارہ کر آئے ہیں کہ یہ فکری اختلاف علمی بحث اور اختلاف سے آگے بڑھ گیا تھا بلکہ اس وقت اس نے بڑی تند و تیز اور

تکلیف دہ صورت اختیار کر لی جب شیعہ نے خلفاء راشدین اور بعض اہمات المؤمنین کے بارے میں جرح و قدح شروع کر دی اور ایسے درشت لہجے اور سخت اسلوب میں جو کسی عام

مسلمان کی طرف سے دوسرے مسلمان کے لائق شان بھی نہیں۔ کجا یہ کہ کسی اسلامی فرقے کی طرف سے ایسے جیسے اور آپ کی ازواجِ مطہرات کے بارے میں صادر ہوں جبکہ مسلمانوں کے دلوں میں اصحابِ رسول کی بڑی

تقدیر و منزلت ہے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواجِ مطہرات کو خود ذاتِ باری تعالیٰ نے اہمات کے لقب سے تعبیر کیا ہے۔ اس مقام پر ظاہر ہوا کہ فریقین کے عقیدہ و طرزِ فکر میں نمایاں فرق ہے،

اس لئے کہ تمام اسلامی فرقے حضرت علیؑ کے ساتھ بھی ان سے پہلے خلفائے راشدین کی طرح ہی محبت و تکریم کا دم بھرتے ہیں، اہل بیت کا احترام کرتے ہیں اور نماز میں صبح و شام ان پر

درود پڑھتے ہیں اس کے برعکس خلفائے ثلاثہ کے متعلق شیعہ کا موقف دوسرا ہے جو درشتی سنگدل اور بدزبانی پر مبنی ہے۔ نتیجتاً دیگر اسلامی فرقوں کے علماء کی طرف سے اپنے

قابلِ عزت و احترام خلفائے کرام کے ذمہ میں بھی شدید ردِ عمل ظاہر ہوا۔ چنانچہ اہل السنہ کے مؤلفین اور علماء نے شیعہ کے رد میں چھوٹی بڑی کتابیں تالیف کیں جن میں کہیں شیعہ کو

کفر کا طعنہ دیا اور کہیں انہیں دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا اس طرح فریقین کا مذہبی کتب کا بیشتر حصہ مسئلہ خلافت و امامت کی بحث پر صرف ہوا اور تاحال اہل قلم لکھنے میں مشغول

ہیں اور مسلسل کتابیں نشر ہو رہی ہیں گویا کہ مصائبِ مسائل میں گھری ہوئی اس دنیا میں

مسلمانوں کے تمام طبقوں کو مسئلہ خلافت کے علاوہ کوئی بھی مشکل درپیش نہیں۔ لیکن سب سے بڑھ کر حیرت اس طریقے پر ہوتی ہے جو شیعہ نے اس مسئلہ کے حل کیلئے اختیار کیا ہے جو حضرت علیؓ اور ان کی اولاد۔ جنہیں شیعہ اپنا امام قرار دیتے ہیں۔ کی سیرت کے بالکل برعکس ہے اسی لئے میں حیرت و دہشت میں گم ہو جاتا ہوں جب دیکھتا ہوں کہ شیعہ نعرہ تو حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کی محبت کا لگاتے ہیں مگر ان کی سیرت طیبہ کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔

میں چاہتا ہوں کہ اس موقع پر اپنی ک زبان اور ان کے عقائد کے دائرے میں رہ کر گفتگو کروں تاکہ ان کے خلاف حجت قائم ہو سکے چنانچہ میں یہ وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھے اس وقت دو متضاد امر درپیش ہیں ایک تشیع یعنی اصل شیعیت دوسرے شیعہ اور یہیں سے میں نے نتیجہ اخذ کرنا شروع کیا کہ غیبت کبریٰ کے بعد شیعہ اور شیعیت کے درمیان براہ راست جو تصادم ہوا۔ غیبت کبریٰ کے بعد سے آج تک تمام انحرافات کا سبب ہی تھا اور ہے اور ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ یہی انحراف شیعہ اور دیگر اسلامی فرقوں کے درمیان اختلاف کا سبب ہے جن میں سے ہر ایک کی تفصیل کے لئے اس کتاب میں الگ الگ فصل خاص کر دی گئی ہے۔

### عہد نبوی میں خلافت کا تصور

جب ہم عصر نبوی اور آپ کی وفات کے بعد خلافت کی عمومی صورت پر گہری نظر ڈالتے ہیں تو اس یقینی نتیجے تک پہنچتے ہیں جس میں قطعاً دو راہیں نہیں ہو سکتیں کہ آنحضرتؐ کی وفات کے فوراً بعد استحقاق خلافت کے لئے اولویت اور افضلیت کا مسئلہ سامنے آ گیا تھا چنانچہ ایک طرف حضرت عباس بن عبدالمطلب۔ جب کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز و تکلیف میں مشغول تھے۔ حضرت علیؓ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں:-

أَعْطِنِي يَدَكَ لِأُبَايِعَكَ حَتَّى يَقُولَ الْقَوْمُ عَمَّ رَسُولَ اللَّهِ  
بَايَعَ ابْنَ عَمِّ رَسُولِ اللَّهِ “

ہاتھ آگے کیجئے میں آپ کی بیعت کروں تاکہ لوگ کہیں کہ نبی  
صلی اللہ علیہ وسلم کے چھلانے آپ کے چھازار کے ہاتھ پر بیعت  
کر لی ہے “

اور امام علیؑ جواب میں فرماتے ہیں :

وَهَلْ يَطْمَعُ فِيهَا طَامِعٌ غَيْرِي ثُمَّ إِنِّي لَا  
أُرِيدُ أَنْ أَبَايَعَ مَنْ وَرَاءَ رَتَاجٍ “

کیا میرے علاوہ بھی کوئی اس کی توقع رکھتا ہے نیز میں خفیہ  
طریقے سے بیعت لینا بھی نہیں چاہتا

اور دوسری طرف مسلمان سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کے  
بارے میں غور کرنے کیلئے جمع ہیں۔

انصار ہاجرین سے کہتے ہیں۔

مِنَّا أَمِيرٌ وَ مِنْكُمْ أَمِيرٌ “

ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر تم میں سے ہوگا۔

اگر حضرت عمرؓ معاملے کو یہیں ختم کر کے حضرت صدیقؓ کی بیعت نہ کر لیتے

تو قریب تھا کہ حاضرین میں فتنہ پیدا ہو جاتا سوا اس کے بعد باقی تمام مسلمانوں نے بھی ابوبکر رضی اللہ  
عنه کی بیعت کر لی۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ قبیلہ مخزوم کے سردار ناراض ہو کر اجتماع  
سے چلے جاتے ہیں کیوں کہ وہ خود کو دوسروں کی نسبت خلافت کا زیادہ حق دار سمجھتے تھے۔

حضرت علیؓ کچھ وقت تک بیعت سے باز رہے مگر انہوں نے نئے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیقؓ  
کی بڑا ورثت بیعت کر لی البتہ استحقاق خلافت کے مسئلہ میں اپنی اولیت کا نظریہ ان کے دل



میں جاگزیں رہا اور فاطمہ الزہراء آپ کے بعض ساتھی اور بنی ہاشم بھی ان کے ہم خیال رہے حتیٰ کہ حضرت عمر نے حضرت علی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت عباس سے کہا:

أما والله إن كان صاحبك أولى الناس بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم إلا أنا خفناه

علی اشین، حدیث السنن و جبہ بنی عبدالمطلب

اللہ کی قسم بلاشبہ تمہارے صاحبِ خلافت کے تمام لوگوں

سے زیادہ حق دار تھے لیکن ہمیں ان کی کم عمری اور بنی

عبدالمطلب سے گہری محبت کا ڈر تھا۔

دوسری بار ہم حضرت عمر کو بستر مرگ پر حضرت علی کی طرف اشارہ کر کے

فرماتے ہوئے سنتے ہیں:

والله لو وليتموه أمركم لحملكم على المحجة

البيضاء

اللہ کی قسم اگر تم اسے امیر مقرر کر لو تو تمہیں روشن

شاہراہ پر چلائے گا۔ (۲)

یہیں سے کہنا ممکن ہے کہ حضرت علی کی طرف داری یعنی تشیع کا وہ معنی جس

کی طرف ہم اشارہ کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ظاہر ہوا اور تیسری صدی

ہجری تک قائم رہا جب کہ تشیع سے مراد یہ تھا کہ امام علی رضوہم کی نسبت خلافت کے اولیٰ

حقدار ہیں لیکن مسلمانوں نے آیت کریمہ:

(۱) شرح منہج البلاغہ ج ۱ ص ۱۲۴

(۲) شرح منہج البلاغہ ج ۱ ص ۶۴

” دأمرهم بشورى بينهم “

” وہ اپنے کام آپس کے مشورے سے کرتے ہیں۔ “<sup>(۱)</sup>

کے پیش نظر احکام قرآن کی پیروی کرتے ہوئے حضرت ابو بکرؓ کو خلیفہ چن لیا اور امام علیؓ بھی دیگر لوگوں کی طرح اس انتخاب پر راضی ہو گئے اور حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کر لی اور ایسے ہی دوسرے خلفاء عمرؓ بن الخطاب اور عثمانؓ بن عفان کے متعلق بھی ان کا یہی موقف تھا چنانچہ آپ نے دونوں کی بیعت کی اور اخلاص کے ساتھ ان کو مشورے اور رائے دیتے رہے۔

### شیعییت دوسری صدی ہجری میں

دوسری صدی ہجری میں ابتداء سے شیعی فکر نے ایک فقہی مذہب کی شکل

اختیار کرنا شروع کر دی جو اہل بیت کا مذہب تھا اس مذہب نے بھی اسی زلزلے میں شہرت پائی جب کہ دوسرے بڑے اسلامی فقہی مذہب کی تاسیس ہو رہی تھی جیسے مالکی، شافعی، حنفی، حنبلی اور اہل بیت کا مکتب فکر شیعہ امامیہ کے چھٹے امام، امام صادق کے مدرسہ کی صورت میں رونما ہوا اہل بیت کے مذہب کو بھی، یہی تصور تقویت دے رہا تھا کہ جب امام علیؓ کسی دوسرے کی نسبت زیادہ حقدار ہیں تو ان کی اولاد اور اسی نسبت سے ان کے پوتے امام جعفر بن محمد صادق جن کا شمار اپنے زمانے کے بڑے فقہاء میں ہوتا تھا مسائل اور امور دین میں دوسرے فقہاء کی نسبت اتباع کیے جانے کے زیادہ حق دار ہیں۔ اس طرح جعفر کا فقہی مذہب امام جعفر صادق کے عہد میں وجود میں آیا جو کہ فقہ اور دیگر علوم کے بلے میں اس وقت مدینہ منورہ میں اپنے شاگردوں کو محاضرات اور درس دیتے تھے۔ یہاں اس طرف اشارہ کرنا بھی ضروری ہے کہ حضرت علیؓ اور ان کے اہل بیت کے حق میں گروہ بندی کے رجحان نے حضرت امام حسینؓ کے قتل کے بعد بیک وقت شکل اختیار کر لی اس حادثہ نے عالم اسلام میں سخت رد عمل پیدا کیا جس کا براہ راست نتیجہ پے در پے انقلابات کی صورت میں برآمد ہوا۔ دولت امویہ اور اس کے بعد آل مروان

کی حکومت کا سقوط اور خلافت عباسیہ کا قیام بھی انہیں انقلابات کے اثرات میں جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ حضرت علیؓ اور اہل بیت کی حمایت کے نام پر پے در پے انقلاب رونما ہوئے انہیں میں سے مختار ثقفی کی شورش، مصعب بن زبیر کی معرکہ آرائی، اور زید بن علی بن حسین کی معاذ آرائی ہے جو بالآخر ان کی ادران کے ساتھیوں کی شہادت پر منتج ہوئی ایسے ہی وہ شورش جس کے نتائج سے بنو عباس نے فائدہ اٹھایا اور خلافت بنی امیہ کو مشرقِ اسلامی میں ہمیشہ کیلئے نابود کر دیا، وہ بھی اولادِ علیؓ اور اہلبیت الرسولؐ کی حمایت کے نام پر ہی اسکی دعوت دیتے تھے لیکن ایک مشہور واقعہ کی وجہ سے ان کا جھکاؤ عباسیوں کی طرف ہو گیا یہ واقعہ کتب تاریخ میں مذکور ہے۔ ائمہ شیعہ عباسی خلفاء کے عہد میں مسلمانوں کے ہاں بڑی عزت و احترام سے بہرہ ور تھے۔ ایسے ہی خلافت کے بارے میں ان کے زیادہ اور اولین عقدار ہونے کا تصور بھی بہت سے لوگوں کے ہاں پایا جاتا تھا۔ سو اگر عام مسلمانوں کی رائے یہ نہ ہوتی کہ اہل بیت خلافت کے زیادہ عقدار ہیں تو مامون عباسی امام علی الرضا کو اپنا ولی عہد منتخب نہ کرتا یہ الگ بات ہے کہ علی الرضا مامون ہی کے زمانے میں وفات پا گئے اور خلافت بنو عباس ہی میں رہ گئی اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام علیؓ اور ان کے اہل بیت کی جماعت کا رجحان جو اس وقت کے اسلامی معاشرہ میں مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتا رہا اس کے پرجوش حامی موجود تھے۔ ان تمام مقدمات سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ تیشع کے افکار و بھرت کے بعد پہلی تین صدیوں میں موجود تھے اس دور کے شیعہ انکار کا خلاصہ درج ذیل چند نقاط میں مختصر ہے۔

اولاً یہ کہ حضرت علیؓ اور ان کی نسبت خلافت کے زیادہ حق دار تھے لیکن مسلمانوں

اور خود حضرت علیؓ نے خلفاء راشدین کی بیعت کر لی پھر حضرت عثمانؓ کے بعد مسلمانوں نے

حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لی سو حضرت ابوبکرؓ سے لیکر حضرت علیؓ تک تمام خلفاء راشدین کی خلافت کے شرعاً درست ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔



**ثانیاً :** امویوں کے لئے اہل باعداوت جو حضرت امیر معاویہؓ کے حضرت علیؓ کے ہاں سے  
میں موقوفہ حادثہ کربلا میں حضرت حسینؓ کے قتل، زہام آستدار خلیفہ اموی حضرت عمر بن عبدالعزیز  
کے ہاتھ آنے تک تقریباً پچاس برس تک اموی خلفاء کے برسرِ منبر حضرت علیؓ کو بُرا بھلا کہنے کی وجہ  
سے تھا، نیزہ اموی عمر بن عبدالعزیز نے حضرت علیؓ کے خلاف زبان درازی سے منع کر دیا تھا۔

**ثالثاً :** شرمی احکام اور فقہی مسائل میں اہل بیت کو مرجع سمجھنا۔

**رابعاً :** اہل بیت عموماً اور حضرت حسینؓ کی اولاد میں سے ائمہ کرام خصوصاً امویوں  
اور عباسیوں کی نسبت خلافت کے زیادہ حق دار ہیں۔

### شیعی فکر میں انحراف کی ابتداء

سن ۳۲۹ ہجری میں امام ہدی کی غیبت کبریٰ کے باقاعدہ اعلان کے  
بعد شیعی فکر میں چند عجیب و غریب امور در آئے جو شیعہ اور تشیع کے درمیان اختلاف کا نقطہ  
آغاز ثابت ہوئے، دوسرے نفلوں میں ان کو عہد انحراف کا آغاز بھی کہا جاسکتا ہے۔

فکری انحراف کے ہاں سے ان امور میں سے اولین امر ان آراء کا ظہور تھا  
کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت حضرت علیؓ کا حق تھا اور یہ حق نصِ الہی کے ساتھ  
ثابت ہوتا ہے اور یہ کہ چند کے علاوہ باقی صحابہ رسول نے ابوبکرؓ کو خلیفہ مقرر کر کے اس کی مخالفت  
کی جیسا کہ اس زلزلے میں چند دیگر آراء کا ظہور ہوا جن کا منشاء یہ تھا کہ کمیل اسلام کے لئے ایمان  
بالامت ضروری ہے حتیٰ کہ بعض شیعہ علما نے تین اصول دین، توحید، نبوت اور معاد  
کے ساتھ امامت اور عدل کا اضافہ بھی کر دیا، جب کہ بعض دوسرے علما کا خیال تھا کہ یہ عقیدہ  
امامت و عدل، اصول دین میں سے نہیں بلکہ اصول مذہب میں سے ہے اور کچھ ایسی روایات  
سنانے آئیں جنہیں ائمہ شیعہ سے نقل کیا جاتا ہے اور ان میں خلفاء راشدین اور بعض ازواجِ مطہرات  
پر طعن و تشنیع ہوتی ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ غیبت کبریٰ کے بعد اچانک اسلامی معاشرے

میں جو چند عجیب و غریب آراء شہرت پذیر ہوئیں ان کا ہمیں حضرت علیؑ اور اہل بیت کے حواریوں میں کہیں بھی پتہ نہیں چلتا ہے حتیٰ کہ خلافت معاویہؓ بن ابی سفیان میں جب کہ وہ برسرِ منبر حضرت علیؑ کو برا بھلا کہنے کا حکم دیتے تھے، نیز قتلِ حسینؑ کے بعد جب اسی کا انتقام لینے کے لئے شورشیں ظاہر ہو رہی تھیں، ایسے ہی ان ادوار میں جب کہ شیعیت کی تند ویز آندھی خلافت امویہ کی کڑوڑ کر خلافت عباسیہ کے لئے راہ ہموار کر رہی تھی۔ ان آراء کی نشر و اشاعت اور انہیں سادہ لوح فرزند ان شیعہ کی عقلوں میں راسخ کرنے میں شیعہ مذہب کے بعض علماء اور رُوایانے اپنا کردار ادا کیا اور اس زمانہ میں تقیہ کا تصور عام ہوا جو شیعہ کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ جو کچھ دل میں ہو اس کے برعکس ظاہر کریں۔ ان نوپید عقائد کو عام لوگوں میں پھیلنے نیز سخت گیر حکمرانوں کی گرفت سے محفوظ کرنے کیلئے انہیں چھپانے رکھنا ضروری تھا۔ شیعہ رُوایانے ان عجیب و غریب روایات کو عموماً ائمہ شیعہ اور خصوصاً امام باقرؑ صادقؑ کی طرف منسوب کیا تاکہ ان نامانوس آراء کے لئے دینی بنیاد مہیا ہو جائے اور ان میں کسی قسم کے شکوک و شبہات پیدا کرنے کا جواز باقی نہ رہے اور ان روایات کی صحت ثابت کرنے، ان کے مضامین پر غور کے بغیر جوں کا توں قبول کرنے کے لئے اس زمانہ میں ائمہ شیعہ کی عصمت کا نظریہ ظاہر ہوا تاکہ ان انوکھی روایات میں سے کچھ کو مزید تقدس مہیا ہو جائے اور وہ ہر قسم کے بحث و جدل اور مناقشہ و اعتراض سے بالاتر قرار پائیں اور اس طرح انہیں ایک اور مضبوط بنیاد مہیا ہو جائے۔ شیعہ مذہب کی ترتیب و تدوین کے ساتھ براہِ راست تعلق رکھنے والی ان نامانوس اور خانہ ساز آراء میں سے ہر ایک کا ذکر ہم نے متعلقِ فصل میں کیا ہے۔ ان فصول میں ہم ان آراء کا تجزیہ کریں گے۔ اب ہم بحثِ خلافت و امامت کی طرف لوٹتے ہیں تاکہ ان تبدیلیوں کا جائزہ لے سکیں جو شیعہ مذہب کے علماء و رُوایانے عیدتِ کبریٰ کے بعد کی ہیں۔

پہلو تھی اور پانچویں صدی ہجری کے دوران شیعہ علماء نے جو کتابیں لکھی ہیں

ان میں شیعہ راویوں کے واسطے سے آنیوالی روایات میں انصاف کے ساتھ مسلسل غور کرنے والا شخص اس نہایت تکلیف دہ نتیجہ تک پہنچے گا کہ بعض شیعہ راویوں نے اسلام کو بدنام کرنے کے لئے جو جدوجہد کی ہے یقیناً وہ آسمان وزمین کے برابر بوجھل ہے۔ مجھے تو یہ خیال آتا ہے کہ ان لوگوں کا مقصد روایات سے لوگوں کے دلوں میں شیعہ عقائد راسخ کرنا نہیں تھا بلکہ ان لوگوں کا مقصد اسلام اور اس کے ساتھ تعلق رکھنے والی ہر چیز کو بدنام کرنا تھا اور جب ہم ان روایات پر گہری نظر ڈالتے ہیں جو ان لوگوں نے ائمہ شیعہ سے روایت کیں اور ان بحثوں پر جو خلافت کے موضوع پر اور تمام اصحاب رسول پر مکہ چینی پر انہوں نے پھیلائی اور عصر رسالت اور اسلامی معاشرے کو جو نبوت کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہا تھا وہ بالا کرنے کیلئے پھیلائی تاکہ یہ ثابت کر سکیں کہ حضرت علیؑ اور ان کے اہل بیت خلافت کے زیادہ حق دار تھے اور یہ کہ وہ غفلت شان اور علو مرتبت کے حامل تھے، تو ہم دیکھتے ہیں کہ ان راویوں نے۔ اللہ انہیں معاف کرے۔ حضرت امام علیؑ اور ان کے اہل بیت کے ساتھ اس سے بھی بڑھ کر بدسلوکی کی ہے جو انہوں نے خلفاء اور صحابہ کے بارے میں روایات بیان کر کے کی ہے اور اس طرح ان کی ہر چیز کو غلط انداز میں پیش کرنے کی ابتدا اہل بیت سے ہوئی ہے اس طرح ابتداء اہل بیت اور بالآخر صحابہ کرام سے متعلق کسی بھی چیز کو غلط انداز میں پیش کرنے کا اثر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور آپ کے عہد مبارک پر جا پڑتا ہے۔

اس مقام پر مجھ پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور میں حیرت میں گم ہو جاتا ہوں اور میرے ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے، کیا ان شیعہ راویوں اور محدثین نے اہل بیت کی محبت کے پردے میں اسلام کی عمارت گرنے کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر اٹھالی ہے؟ ان روایات سے وہ کیا چاہتے ہیں؟ جو انہوں نے ائمہ شیعہ کی طرف منسوب کی ہیں جب کہ وہ اساطین اسلام اور فقہاء اہل بیت تھے۔ ائمہ کی طرف منسوب ان روایات سے کیا مقصد؟



ہے جب کہ وہ امام علی اور ابراہیل بیت کی سیرت کے منافی ہیں اور ان میں سے بہت سی روایات مقل رسا اور فطرت سلیم سے بھی متصادم ہیں۔

اور مجھے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ شیعہ روایت و محدثین اور ان کے علاوہ فقہا شیعہ ائمہ شیعہ کے بارے میں بدزبانی اور ان کے نام پر روایات وضع کرنے میں اس وقت بہت آگے نکل گئے جب رسی طود پر امام کی فیبت کبریٰ کا اعلان کر دیا گیا۔ امام ہدی سے ان کا یہ قول منقول ہے:

”من ادعی رویتی بعد الیوم فکذبہ  
 آج کے بعد جو شخص مجھے دیکھنے کا دعویٰ کرے اسے چھوٹا  
 قرار دو“

اس طرح وہ تمام راستے بند کر دیئے گئے جن کے ذریعے امام سے رابطہ قائم کیا جاسکتا تھا اور اس کی طرف نیز اس کے آباؤ اجداد میں سے آئمہ کرام کی طرف منسوب روایات کے بارے میں پوچھا جاسکتا تھا اس طرح تیشع اور اسلام دونوں کے بارے میں کسی بڑے وقت کا انتظار کرنے والوں کے لئے میدان خالی چھوڑ دیا گیا۔ انہوں نے لایعنی مباحث پیدا کئے اور فضول سائل اور موٹنگائیوں میں پڑ گئے پھر ان کے قلموں نے جو کچھ ان کے جی میں آیا لکھا۔

میں صاف گوئی سے کام لینے ہوئے مسئلے کی مزید وضاحت کرتا ہوں اور مسئلہ خلافت سے ابتداء کروں گا تاکہ ہمیں پتہ چل سکے کہ شیعہ روایت نے صحابہ کرام اور خلفاء کے حق میں جو کچھ روایت کیا ہے وہ امام علیؑ اور ابراہیلؑ کی سیرت سے واضح طور پر متصادم ہے اس کے بعد ہم اس کا بھی جائزہ لیں گے کہ ان روایت اور بعض علماء شیعہ نے اپنی آراء کو زور دار بنانے اور امام علیؑ اور ابراہیلؑ کی سیرت کے صریح اور واضح موقف کو اٹھنے کیلئے جو ان کی طرف منسوب روایات کے منافی ہیں ان کے بعد کس طرح تحریف کر کے امام موصوف اور ابراہیلؑ کی سیرت کے موقف کے برعکس کر دیا اور ایسی پرتوجہ صورت میں جس کا ظاہر خوبصورت اور باطن گھناؤنا ہے۔

۱۱ سیرۃ الائمہ الاثنی عشر ج ۳ ص ۵۷۰ ہاشم المسین۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مقصد صرف یہ تھا کہ اپنی آراد کو اپنے حسبِ منشاء ثابت کریں۔

## خلافت کے بارے میں حضرت امام علی کا موقف

ہم تھوڑی دیر پہلے بتا چکے ہیں کہ ابتداء میں تشیع کا معنی حضرت علیؑ اور اہل بیت کی محبت تھا اور یہ کہ وہ خلافت کے اولین حق دار ہیں اور ان کے بعد ان کی اولاد حق دار ہے اور میرا خیال ہے کہ کوئی شخص بھی ایسا نہ ہوگا جس کو اس عقیدے کے اسباب و دواعی کا علم نہ ہو، کیوں کہ امام علیؑ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ہوش سنبھالا، وہیں پرورش پائی، وہ خود اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں،

رسول اکرمؐ سے میری قریبی رشتہ داری، خصوصی مقام اور تعلق کو آپ جانتے ہیں میں بچہ تھا تو آپ نے مجھے گود لیا، مجھے سینے سے لگاتے، اپنے بستر پر اپنے ساتھ لٹاتے، آپ کا بدن مبارک میرے جسم کو چھتا، آپ کی خوشبو مجھے آتی، آپ خود کوئی چیز چباتے اور میرے منہ میں ڈالتے، آپ نے مجھے کبھی جھوٹ بولتے اور برائی کرتے نہیں پایا<sup>(۱)</sup>

امام علیؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں اپنا مقام و مرتبہ بیان کرتے

ہوئے مزید فرماتے ہیں :

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال غار حرا میں عبادت کیلئے گوشہ نشینی اختیار کرتے میں آپ کو دیکھتا تھا میرے سوا آپ کو کوئی نہیں دیکھتا تھا اس وقت ہمارے گھر

کے علاوہ کہیں مسلمان نہ تھے جس میں رسول اللہ ﷺ  
 خدیجہ اکبریؓ اور تیسرا شخص میں تھا۔ میں وحی و رسالت  
 کے نور سے آنکھیں روشن کرتا، نسیم نبوت سے  
 لطف اندوز ہوتا، جب وحی نازل ہوتی تو میں نے بیخ  
 سنی - میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! یہ بیخ کیسی ہے؟

آپ نے فرمایا یہ شیطان ہے اپنی عبادت سے یاروس  
 ہو چکا ہے جو میں سنتا ہوں تو بھی سنتا ہے، جو میں  
 دیکھتا ہوں تو بھی دیکھتا ہے، مگر تو نبی نہیں ہے  
 البتہ تو وزیر ہے، تو بھلائی پر ہے۔

آئیے ایک مرتبہ پھر امام موصوف کا ارشاد سنئے ہیں :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو آپ  
 کا سر مبارک میرے سینے پر تھا، آپ کی جان میرے ہاتھوں  
 میں نکلی، میں نے وہی ہاتھ اپنے چہرے پر پھیرنے  
 آپ کے غسل کی ذمہ داری بھی مجھے ہی سونپی گئی  
 اور فرشتے میرے معاون تھے، گھر اور صحن میں  
 ایک شہد، برپا تھا، ایک گروہ اتر رہا تھا اور ایک  
 گروہ چڑھ رہا تھا، ابھی تک میرے کانوں میں وہ  
 آواز گونج رہی ہے کہ فرشتے آپ کی نماز جنازہ پڑھ  
 رہے ہیں تا آنکہ ہم نے آپ کے جسد پاک کو آپ کی  
 آرمگاہ میں دفن کر دیا، زندگی میں یا موت کے بعد  
 مجھ سے زیادہ آپ کا حق دار کون ہے؟ اب تم اس



کاروشنی میں علی وجہ البصیر فیصلہ کر لو۔<sup>(۱)</sup>  
 ایسے ہی ایک مرتبہ حضرت علیؑ نے اپنی ذات کے بارے میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں اپنے مقام و مرتبہ کا ذکر کرتے ہوئے عثمان بن حنیف جو ان کی طرف سے والی بصرہ تھے کے نام ایک خط میں فرمایا،

أنا من رسول الله كالصنو من الصنو والذراع  
 من العضد “

میرا رسول اللہ سے وہی تعلق ہے جو ایک ہی جڑ سے  
 پھوٹنے والے شاخوں کا آپس میں، اور کلائی کا بازو  
 سے ہوتا ہے۔

مزید برآں امام موصوف فاطمہ الزہراءؑ کے شوہر نامدار، حنین کے آباؤ  
 مسلمانوں کے بطل جلیل ہیں۔ بالغ ہونے سے پہلے بچپن میں ہی آپ نے اپنے خون پسینے سے  
 اسلام کی خدمت کی اور دل و زبان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور رسالت محمدیہ کا دفاع  
 کیا، اور آپ کا شمار اسلام کے اولین داعیوں میں ہوتا ہے۔ مشیت ایزدی سے آپ کی  
 شہادت بھی وہیں ہوئی جہاں آپ کی ولادت ہوئی تھی آپ بیت اللہ میں پیدا ہوئے تھے  
 اور مسجد میں شہادت پائی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے جہاد کی روشن تصویر اور اسلام میں ان کی قدر و  
 منزلت مکمل طور پر تب واضح ہوگی جب ہم اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کی روایت کردہ  
 متواتر احادیث میں مذکور اس محبت سے واقف ہوں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت  
 علیؑ سے تھی اور یقینی علم سے بہرہ ور ہوں چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؑ

کا نکاح اُن سے آسمانی حکم کے مطابق کیا اور دوسرے حضرات سے جنہوں نے یہ رشتہ طلب کیا فرمایا ،

إِنَّمَا أَنْتَظِرُ فِيهَا الْقَضَاءَ  
مجھے اس کے متعلق آسمانی فیصلے کا انتظار ہے۔

جب آسمانی حکم نازل ہوا تو حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کا مبارک عقد منحل میں آیا۔ اور غزوہ خندق میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے متعلق ایسے بظاہر شان و شوہرت کے فضائل میں وارد جملہ احادیث کے مساوی ہمیں حقیقت یہ ہے کہ ان جاوداں و نذر افشاں کلمات کا ایک ایک حرف تمنغہ کی حیثیت رکھتا ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے سینہ پر سجایا، بلاشبہ وہ ایسا تمنغہ ہے کہ جس نے جہاد، اخلاص، فدائیت اور ایمان کو انسانی اور خصوصاً عظیم لوگوں کی تاریخ میں ابدی و سرمدی مقام سے سرفراز کر دیا ہے۔

یہ دو جملے جو زبان نبوت سے تقریباً گنٹھ بھر یا اس سے تھوڑے سے زیادہ وقت میں جاری ہوئے جب کہ حضرت علیؓ مشرکین کے جنگی ہیرو اور دشمن اسلام عمرو بن عبدود کے مقابلے میں نکلے جو ایک لکڑی کئی آدمیوں بلکہ گروہوں سے مقابلہ کیا کرتا تھا۔ نبی اکرم نے فرمایا:

اللَّهُمَّ بَرِّزْ إِسْلَامَ كُلِّهِ إِلَى الشِّرْكِ كُلِّهِ

اے اللہ! پورا اسلام پورے شرک کے مقابل اُترا ہے۔

اور حضرت علیؓ کی تلوار کے وار سے عمرو بن عبدود لاشہ بن کر گیا تو فرمایا:

ضربة علي يوم الخندق أفضل من  
عبادة الثقلين<sup>(۱)</sup>

خندق کے روز علیؓ کی شمشیر زنی جن وانس کی عبادت  
سے بھاری ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ کی حیات طیبہ کا مطالعہ کرنے والا اس حتمی نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ کے درمیان تعلقات عام رشتہ داروں کے تعلقات سے کہیں زیادہ قوی تھے۔ یہ ایسے مربوط و مضبوط روحانی تعلقات تھے کہ ان کی جڑیں آسمان پر اور شاخیں نبی اکرمؐ اور ان کے ہم زاد حضرت علیؓ کے دلوں میں پھیلیں، اس لئے جب ہم حضرت علیؓ میں نبی اکرمؐ کی سیرت کا پرتو پاتے ہیں تو کچھ تعجب نہیں ہوتا۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھئے جب انہوں نے رسالت پر اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

واللہ لو وضعت الشمس عن یمینی  
والقمر عن یساری لأتولُّ هذا العمل  
ما فعلت۔

اللہ کی قسم اگر تم میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں  
ہاتھ پر چاند رکھ دو کہ میں اس کام سے باز آ جاؤں  
میں پھر بھی نہ رُکوں گا۔

اسی طرح علیؓ کو دیکھئے انہوں نے اللہ پر اپنے ایمان کا ذراع کر تمہارے کہا:

فواللہ لو أعطیت الأقالیم السبعة  
وما تحت أفلاکھا أن أعصى اللہ فی  
نملة أسلبھا جلب شعيرة ما فعلت

اللہ کی قسم اگر مجھے ساتوں آسمانوں کی حکومت دیدی  
جائے کہ میں اللہ تعالیٰ کی صرف اس قدر نافرمانی کر دوں  
کہ چوٹی کے منہ سے جو کا دانہ پھینوں میں ہرگز ایسا  
کرنے پر تیار نہیں ہوں۔



مذکورہ بالا فضائل و روایات کی بنا پر حضرت علیؑ کا خود کو دوسروں کے بالمقابل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ بننے کا اولین حقدار سمجھنا طبعی امر ہو گا یہ بھی طبعی امر ہو گا کہ ایک فرزند یہ اعتقاد رکھے اور اس کے لئے جوش و جذبہ کا مظاہرہ کرے اور اس انداز فکر کے حامی و مددگار بھی موجود ہوں، جیسے یہ بھی طبعی امر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تلبی رجحانات اور زبان مبارک سے نکلے ہوئے کلمات سے ہم حضرت علیؑ کو آپ کی وفات کے بعد خلیفہ بننے کی خواہش کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

## امام علیؑ خلفاء کی بیعت کی شرعی حیثیت کو تسلیم کرتے ہیں

لیکن کیا اس سب کچھ کا یہ مطلب ہے کہ اور یہی بات خلافت کے متعلقات اور اس مسئلہ کے تمام فروعات میں بنیادی پتھر اور مقطع کی حیثیت رکھتی ہے) کہ اس مسئلہ میں کوئی آسمانی حکم موجود ہے جو حضرت علیؑ کی بطور خلیفہ تعیین کرنا ہو یا یہ صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی خواہش تھی؟ حضرت علیؑ خود فرمایا کرتے تھے کہ اس مسئلہ میں کوئی واضح آسمانی نص موجود نہیں ہے۔ ان کے ساتھی اور ان کے معاصرین کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ عینت کبریٰ کے زمانہ تک یہی اعتقاد قائم رہا، یہی وہ زمانہ ہے جس میں شیعہ کے عقائد میں رد و بدل شروع ہوا اور ان کو بالکل الٹ کر رکھ دیا گیا۔

ہم ایک بار پھر کہتے ہیں کہ ان دو الگ الگ عقیدوں میں بڑا فرق ہے۔ حضرت علیؑ خلافت رسولیٰ کا دوسروں کی نسبت زیادہ حق رکھتے تھے لیکن مسلمانوں نے کسی دوسرے کو منتخب کر لیا۔ ۲۔ خلافت حضرت علیؑ کا آسمانی حق تھا لیکن ان سے چھین لی گئی۔

آئیے حضرت علیؑ کی زبانی سنیں وہ پوری وضاحت اور کامل صراحت کے ساتھ مسئلہ پر گفتگو فرماتے ہیں اور خلفاء کے انتخاب کے شرعی ہونے پر مہر تصدیق ثبت فرماتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ خلافت کے مسئلہ میں نص موجود نہیں ہے۔ فرماتے ہیں:

بلاشبہ جن لوگوں نے ابو بکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کی بیعت کی تھی انہی لوگوں نے میری بیعت کی ہے اور اسی شرط پر کہ ہے جس پر ان کی بیعت کی تھی اس لئے کسی حاضر کو تردد کا اور کسی غائب کو انکار کا حق نہیں ہے۔ اور بلاشبہ مشورہ مہاجرین و انصار کا حق ہے اگر یہ حضرات کسی پر اتفاق کر لیں اور اسے امام بنا دیں تو یہ اللہ کی رضا کی دلیل ہوگی اور اگر کوئی شخص ان پر طعنہ زنی کرے اور نیا راستہ اختیار کرتے ہوئے ان کے احکامات سے روگردانی کرے تو ان کا حق ہے کہ مسلمانوں کا راستہ چھوڑنے کے سبب اس سے جنگ کریں۔<sup>(۱)</sup>

قبل اس کے کہ میں حضرت علیؓ کے اپنے پیش رو خلفاء کے متعلق موقف کے بارے میں گفتگو کروں اور اس مسئلہ پر تفصیل سے روشنی ڈالوں اور حضرت علیؓ کے دیگر اقوال سے شواہد پیش کروں جو حقیقت کے بے نقاب کرنے اور اصل واقعہ پر روشنی ڈالنے میں انتہائی اہمیت کے حامل ہیں، یہ ضروری ہے کہ نبی اکرمؐ کی شخصیت کے دو پہلوؤں میں فرق واضح کر دیا جائے۔

(۱) ذاتی خواہشات۔

(۲) آسمانی پہلو، جس کے متعلق آپ اللہ کے حکم اور وحی کی بنیاد پر دو ٹوک بات کرتے تھے۔

## احکام الہی اور نبی کی ذاتی خواہشات میں فرق

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے ان دو مختلف پہلوؤں میں فرق سمجھ لینے کا ان دونوں حیثیتوں کے واضح تصور تک ذہن کی رسائی میں بڑا حصہ ہے جب ہم یہ جان لیں کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ان اقوال و اعمال میں جو حکم خداوندی سے ہوتے اور ان اقوال و اعمال میں جو ان سے ذاتی حیثیت میں صادر ہوتے اور ان کا آسان سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا پوری کوشش سے فرق سمجھاتے تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور آپ کی ذات گرامی کی عظمت حقیقی طور پر جان سکیں گے، چنانچہ جب قرآن کریم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ان واضح آیات میں گفتگو کرتا ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۗ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ  
عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۙ

اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں۔  
یہ (قرآن) تو حکم خدا ہے جو ان کی طرف بھیجا جاتا ہے،  
ان کو نہایت قوت والے نے سکھایا ہے۔

تو کوئی شک نہیں کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ آپ جب قرآن کی تلاوت کرتے ہیں اور مسلمانوں تک آیات الہیہ اور ان پر نازل شدہ احکام ان تک پہنچاتے ہیں تو آپ کا یہ کلام محض وحی پر مبنی ہوتا ہے اور آپ اللہ کا کلام سناتے ہیں جو آپ کے قلب اطہر پر نازل ہوا تھا۔ اسلام اور حضرت محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ پر نازل شدہ قرآن پر ایمان کے صحیح ہونے کے لئے یہ شرط ہے۔

قرآن نے تو حکم الہی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی پسند و خواہش کے درمیان بنیادی فرق بیان کرنے کے لئے ان آیات میں کہ جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم



کو کسی امر پر تنبیہ کی گئی یا ایسے امور جن سے منع کیا گیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کرنا چاہتے تھے اس مقام کو انتہائی واضح اور دو ٹوک انداز میں پیش کیا ہے آئے ان آیات بینات کی تملوات کریں۔

(۱) يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ (۱۱)

”اے پیغمبر! جو ارشادات اللہ کی طرف سے تم پر نازل ہوئے ہیں سب لوگوں کو پہنچا دو اور اگر ایسا نہ کیا تو تم اللہ کا پیغام پہنچانے میں تاخر رہے یعنی پیغمبری کا فرض ادا نہ کیا، اور اللہ تم کو لوگوں سے بچائے رکھے گا“

(۲) وَاذْكُرْ رَبَّكَ إِذَا أَنْسَيْتَ (۱۲)

اور جب اللہ کا نام لینا بھول جاؤ تو یاد آنے پہلے لو

سَنُقَرِّبُكَ فَلَا تَنْسَى ۗ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ (۱۳)

اِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهَنَّمَ وَمَا يُخْفَى (۱۳)

ہم تمہیں پڑھائیں گے اور تم فراموش نہ کرو گے مگر

جو اللہ چاہے وہ کھل بات کو بھی جانتا ہے اور چھپی کو بھی

وَلَا يَحِزُّكَ الَّذِينَ يَسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ (۱۴)

اور جو لوگ کفر میں جلدی کرتے ہیں ان کی وجہ سے

غمگین نہ ہونا۔

(۵) وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَخَفِضْ جَنَاحَكَ  
لِلْمُؤْمِنِينَ. (۱۱)

اور ان کے حال پر تأسف نہ کرنا اور مؤمنوں سے خاطر  
اور تواضع سے پیش آنا

(۶) مَا كَانَ نَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسَدٌ  
حَتَّى يُثْغِرَ فِي الْأَرْضِ. (۱۲)

پیغمبر کو شایان نہیں کہ اس کے قبضے میں قیدی  
رہیں جب تک (کافروں کو قتل کر کے) زمین میں  
کثرت سے خون نہ پہلے۔

(۷) عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذْنَتْ لَهُمْ حَتَّى يَتَّبِعَنَ  
لَكَ الَّذِينَ مَدَقُوا أَوْ تَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ (۱۳)

اللہ تمہیں معاف کرے کہ تم نے پیغمبر اس کے کہ تم  
پر وہ لوگ بھی ظاہر ہو جائیں جو سچے ہیں اور وہ بھی  
تمہیں معلوم ہو جائیں جو جھوٹے ہیں ان کو اجازت  
کیوں دی۔

(۸) مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا  
لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أَوْلِيَا قُرْبَىٰ  
مِنَ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ  
الْجَحِيمِ. (۱۴)

پیغمبر اور مسلمانوں کو شایان نہیں کہ جب ان پر  
 ظاہر ہو گیا کہ مشرک اہل دوزخ ہیں تو ان کے لئے  
 بخشش مانگیں گو وہ ان کے قرابت دار ہی ہوں۔  
 (۹) وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَ  
 أَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ  
 وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ  
 وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ  
 (۱۱)

اور جب تم اس شخص سے جس پر اللہ نے احسان کیا  
 اور تم نے بھی احسان کیا یہ کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو  
 اپنے پاس رہنے دے اور اللہ سے ڈر اور تم اپنے  
 دل میں وہ بات پوشیدہ کرتے تھے جس کو اللہ ظاہر  
 کرنے والا تھا اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے حالانکہ  
 اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرو۔  
 يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ  
 لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ الَّذِينَ وَاجِبٌ عَلَيْكَ وَاللَّهُ غَفُورٌ  
 رَحِيمٌ (۲)

اے پیغمبر! جو چیز اللہ نے تمہارے لئے جائز کی ہے تم  
 اس سے کنارہ کشی کیوں کرتے ہو؟ کیا اس سے اپنی  
 بیبیوں کی خوشنودی چاہتے ہو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔



(۱۱) عَبَسَ وَتَوَلَّىٰ أَن جَاءَهُ الْأَعْيَىٰ رَمَىٰ يَدَيْكَ  
لَعَلَّهُ يَسْزُكِيَهُ أَوْ يَذْكَرُ فَتَنْفَعَهُ  
الذِّكْرَىٰ أَمَّا مِن اسْتَغْنَىٰ فَأَنْتَ  
لَهُ تَصَدَّىٰ وَمَا عَلَيْكَ إِلَّا لِيَذْكَرَهُ  
وَأَمَّا مِن جَاءَكَ يَسْعَىٰ وَهُوَ يَخْشَىٰ  
فَأَنْتَ عَنْهُ تَلَهَّىٰ كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ

(۱۱)

(محمد مصطفیٰ) ترش رو ہوئے اور منہ پھیر بیٹھے کہ  
ان کے پاس ایک نابینا آیا اور تم کو کیا خبر شاید وہ  
پاکیزگی حاصل کرنا یا سوچتا تو سمجھانا اسے فائدہ دیتا۔  
جو پرواہ نہیں کرتا اس کی طرف تم توجہ کرتے ہو،  
حالانکہ اگر وہ نہ سنوے تو تم پر کچھ (الزام) نہیں،  
اور جو تمہارے پاس دوڑتا ہوا آیا اور (خدا سے) ڈرتا  
ہے اس سے تم بے رخی کرتے ہو۔ دیکھو یہ (قرآن)  
نصیحت ہے۔

(۱۲) قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرْسَىٰ  
إِلَىٰ الْوَحْيِ إِنَّمَا الْهَيْكَةُ إِلَهٌ وَاحِدٌ (۳)

کہہ دو میں تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں (البتہ) میرا طرف

وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود وہی ایک معبود ہے

إِنَّكَ مَعِيَّتُكَ وَإِنَّهُمْ مُّعِيَّتُونَ (۳)

(۱۳)

اے پیغمبر تم بھی فوت ہو جاؤ گے اور یہ بھی مر جائیں گے۔

ان آیات بینات میں تدبر کرنے والا علم الیقین کی حد تک جان لے گا کہ قرآن حکیم قطعی انداز میں تاکید کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرشتے یا آسمانی مخلوق نہ تھے یا اس کائنات کے دائرے اور اس کے تقاضوں سے ماوراء نہیں تھے وہ عام انسانوں کی طرح ایک انسان تھے، کھلتے پھرتے، سوتے جاگتے، بیمار ہوتے، صحیاب ہوتے، پسند و ناپند کرتے، نکاح کرتے، آپ کے بچے پیدا ہوئے جیسا کہ کائنات کا دستور ہے تو جس قسم کے طبعی اثرات افراد ذریعہ انسانی پر ہوتے ہیں یہ امر بہت واضح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس پہلو کو زور دار انداز میں صرف اس لئے بیان کیا گیا ہے تاکہ لوگوں پر واضح اور ثابت ہو جائے کہ آپ سے کسی نعل یا قول کے صادر ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ وحی، کلام الہی، یا حکم آسمانی ہے۔

البتہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا وہ پہلو جس کا تعلق رسول ہونے کے سبب اللہ تعالیٰ سے ہے تو اس کی تاکید تو بذاتِ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی کیا کرتے تھے چنانچہ جب وحی نازل ہوتی تو آپ کا تبیین وحی کو بُلّتے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کو مدن کر لیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا مطالعہ کرنے والے پر واضح ہو جاتا ہے جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پوری محنت سے کوشش فرماتے تھے کہ آپ کی شخصیت کا آسمانی پہلو اور زمینی پہلو الگ الگ رہیں اور یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی جرات، رسالت میں صداقت، ربّ کریم کے لئے اخلاص اور آپ کی شخصیت کی عظمت کے لئے عظیم دلائل میں سے ہے اور یہ ایسے خصائل ہیں کہ جن میں کرہ ارض کے عظیم انسانوں میں سے کوئی عظیم انسان حتیٰ کہ رسولوں میں سے کوئی رسول بھی آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ وہ عظیم اور واضح کردار جو آپ ادا کر رہے تھے تاکہ اس سیرتِ حبیبہ کا نمونہ پیش کر سکیں جو آپ کو آپ کے پروردگار کی طرف سے بطور خاص عنایت کی گئی تھی۔

سو آپ بشر تھے، کھانا کھاتے، بازار میں چلتے پھرتے، لیکن آپ بائیں ہمد بشر ذریعہ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کے لئے پیغامبر بنا کر مبعوث فرمایا،

پس جب وہ آیات اتریں جن میں اللہ تعالیٰ نے آپ پر عتاب کیا، ہوتا تو آپ کامل طور پر قوی و امین کی حیثیت سے لوگوں پر پڑھتے اور جب وہ آیات نازل ہوتیں جن میں آپ کی مدح کی گئی ہوتی تو بھی تابع فرمان بندے بن کر رہے چنانچہ آپ نے مسلمانوں پر آیات عتاب تلاوت کرتے ہوئے اپنی ذات کی تعقیص محسوس نہیں کی جیسے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے قلب اطہر پر نازل ہونے والی ان آیات کی تلاوت کے وقت کسی نخوت و تکبر کا اظہار نہیں کیا جن میں آپ کی شاندار کی گئی ہے۔

اس طرح عتاب و تنبیہ کی آیات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی قوت عطا کرتی ہیں جو مدح و ثنا کی آیات کی قوت سے کم نہ ہوتی، اور اس میں تعجب کی کوئی وجہ نہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسے خطابات سے نوازا گیا جو ان سے پہلے اولوالعزم رسولوں پر بھی نازل نہیں کئے گئے۔

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (۱)

اور اخلاق تمہارے بہت عالی ہیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم کردار نے اپنی آسمانی اور زمینی حیثیت میں فرق کرتے ہوئے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ آپ اس حد تک پہنچے جس کا کوئی انسان زیادہ سے زیادہ تصور کر سکتا ہے چنانچہ جب آپ صلاوات کے وقت ایک بدوی پر بیعت طاری ہو گئی تو آپ نے فرمایا

هَوْنٌ عَلَيْكَ إِنَّمَا أَنَا بِنِ امْرَأَةٍ

تَأْكُلُ الْقَدِيدَ -



فاطر جمع رکھو میں تو اس عورت کا بیٹا ہوں جو خشک  
گوشت کھایا کرتی تھی۔

ذاتی ذات میں یہ روحانی عظمت آفاقی ارض و سما سے اس وقت  
گزرتی اور عظیم ترین منظر میں اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب سوچ کو اس دن گہن لگا جس  
دن آپ کے فرزند ابراہیم نے وفات پائی اور لوگوں نے کہا کہ فرزند رسول صلی اللہ علیہ وسلم  
کی وفات کے سبب سوچ بھی گہنا گیا ہے آپ نے لوگوں کی یہ بات سنی تو منہ پر چڑھے۔  
مسلمانوں سے بایں الفاظ خطاب فرمایا :

إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَاتَانِ مِنْ  
آيَاتِ اللَّهِ لَا تَنْكُفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ  
وَإِنَّمَا هِيَ إِبْرَاهِيمَ بِقَضَاءِ  
وَقَدَرٍ مِنَ اللَّهِ۔

سوچ اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے  
نشانیوں میں کسی کے مرنے کے سبب انہیں گہن  
نہیں لگتا اور ابراہیم تو صرف اللہ کی قضاء و  
قدر سے فوت ہوا۔

اور اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تقدیس کے مظاہر کو اپنی ذات سے  
دور رکھتے تھے اور اپنے گرد ایسا ہالہ نبنتے دیتے تاکہ اپنے پروردگار کے سامنے اپنی  
جمدیت کا ثبوت دیں اور یہ کہ آپ ایک بشر ہیں اور خود اپنی ذات کے لئے بھی کسی  
نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں۔

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا  
إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ (۱۱)

کہہ دو کہ میں تو اپنے نقصان اور فائدے کا بھی اختیار  
نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عبودیت کے اظہار اور عبادت میں اس  
حد تک بڑھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ آیت نازل فرمائی :

طه ١١ مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ

طہ (سے محمد) ہم نے تم پر قرآن اس لئے نازل نہیں  
کیا کہ تم مشقت میں پڑ جاؤ۔

## عہدِ رسولؐ میں حریتِ فکر اور اجتماعیت

سیرتِ نبویؐ کی تکمیل کرنے والا ایک پہلو ایک دوری چیزیں بھی دمک رہا  
ہے اور وہ آزادیِ فکر اور اجتماعیت ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے  
اصحاب اور مسلمانوں کو عطا فرمائی۔ حقیقت یہ ہے کہ جب انسان عہدِ نبویؐ اور اس میں  
ان فکری اور اجتماعی آزادیوں کا مطالعہ کرتا ہے جو اپنے اپنے اصحاب اور مسلمانوں  
کو عطا کی تھیں تو اُس کا سررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے سامنے ممنونیت اور  
احترام سے جھک جاتا ہے۔ یہ وہ پہلو ہے جس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ طریقہ  
تکمیل کو پہنچتا ہے جس پر آپ محمد رسول اللہ اور محمد بن عبد اللہ کی شخصیتوں میں فرق کرنے  
کے لئے کار بند تھے، اگر تاریخ کا مطالعہ کرنے والے اور اہل تحقیق عہدِ رسالت کا جائزہ  
لیتے اور آپ کی اجتماعی سیاست کے اس پہلو کا تجزیہ کرتے تو ان کے لئے عہدِ رسالت  
اور آپ کی وفات کے بعد کی تاریخ کے بہت سے پیچیدہ مقامات کو سمجھنا آسان ہو جاتا  
اور مسلمانوں کے درمیان بہت سے فکری و مذہبی اختلافات بھی ختم ہو جاتے جو کبھی خونریزی

اور کبھی سب و شتم اور بُرے ناموں کے تباہی پر منتج ہوتے رہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت کے زمانہ ظہور و اشاعت یہاں تک کہ اپنی حیات طیبہ کے آخری روز تک اپنے صحابہ اور ائمہ المسلمین کو ایسی فکری و مذہبی اور اجتماعی آزادی اور مساوات مرحمت فرمائی تھی جو ہم کسی دوسرے زمانہ اور کسی دوری امت حتیٰ کہ عہد حاضر میں آزادی اور جمہوریت میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ سمجھی جانے والی اقوام میں بھی نہیں دیکھتے اور میں نہیں سمجھتا کہ جمہوریت و مساوات کی قدیم و جدید تاریخ میں کوئی ایسی مثال بھی ملے گی کہ کسی قوم کا سردار، امت کا بانی اور فکری قائد اپنے اصحاب کے ساتھ ایک دائرہ کی شکل میں اس طرح بیٹھ جائے کہ اس کی نشست کے آگے پیچھے کوئی حاشیہ نشین نہ ہو اور اس مجلس میں ہر فرد نشست میں رسول اللہ کے برابر ہو یہاں تک کہ کوئی اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آتا تو آپ کو اصحاب کرام میں سے پہچان بھی نہ سکتا اور اسے پوچھنا پڑتا کہ تم میں محمد کون ہیں اور صحابہ آپ کی طرف اشارہ کرتے اس عہد کے لئے یہی فخر کافی ہے کہ عصر حاضر میں بادشاہوں اور سربراہوں کے اجتماع کیلئے گول میز کانفرنس کا نظریہ جمہوری پر وٹو کول والوں نے رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے لیا ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی آدمی سے مصافحہ کرتے تو ازراہ کرم اس کے ہاتھ کو تھامے رکھتے تا وقتیکہ وہ خود نہ چھوڑ دیتا اور بیساکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ، آپ زمین پر بیٹھ کر کھانا کھا لیتے، عام آدمی کی طرح بیٹھتے، اپنے جوتے خود مرمت کر لیتے، اپنے کپڑے پر بیوند لگا لیتے، بغیر زین کے گدھے پر سواری کر لیتے اور اپنے ساتھ بھی کسی کو بٹھا لیتے اور شاید اس جمہوریت و آزادی کی روشن ترین تصویر وہ ہے کہ جب بعض افراد اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے



اور قائدِ بانی کے ادب کے دائرے سے باہر قدم رکھنے گتے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے صبر و حلم کے ساتھ مسکراتے ہوئے برداشت کر لیتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں مسلمانوں کو تنبیہ کرتے ہوئے آیات نازل فرمائیں، لیکن قرآنی آیات نے اس پر بھی لوگوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میل جول سے بالکل ہی منع نہیں کر دیا بلکہ انہیں صرف ملامت کی اور ان کی آدابِ زیارت سے لاعلمی کا ذکر کیا۔ حدودِ احرام سے باہر قدم رکھنے والوں کو صلہ کرنے کی ترغیب دی جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی چیز کو حرام قرار نہیں دیا۔ آئیے بل کر یہ آیات پڑھیں :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدِمُوا فِي يَدَيْ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ كَقَوِّ صَوْتِ النَّسِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ  
كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ إِنَّ الَّذِينَ يُغْنُون  
أَمْوَالَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَى لَهُمْ مَغْفِرَةٌ  
وَ أَجْرٌ عَظِيمٌ إِنَّ الَّذِينَ يَنَادُونَكَ مِنَ الْمَسْجِدَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ  
وَ كَذَلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مَا يَفْعَلُونَ وَإِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ

مومنو! کسی بات کے جواب میں، اللہ اور اس کے رسول سے پہلے نہ بول اٹھا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ سنتا، جانتا ہے، اے اہل ایمان! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کرو جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو (اس طرح) ان کے رُوبرو زور سے نہ بولا کرو، ویسا نہ ہو کہ قبیلے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو جو لوگ اللہ کے پیغمبر کے سامنے دلی آواز سے بولتے ہیں اللہ نے ان کے دل تھوڑے کھلے آڑھ لے لیے ہیں ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے۔ جو لوگ تم کو مجسروں کے باہر سے آواز دیتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں اور اگر وہ مہر کے رہتے یہاں تک کہ تم خود نکل کر ان کے پاس آتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا۔ اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔“

(۲) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ  
فَقَدْ مَوَّابِينَ يَدْعِي نَجْوَاكُمْ صَدَقَةٌ  
ذَلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطَهْرُ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا  
فِيئَانَ اللَّهِ عَفْوَ رَاحِيَةً . «

مومنو! جب تم پیغمبر کے کان میں کوئی بات کہو تو بات کہنے سے پہلے دسا کین کو، کچھ خیرات دے دیا کرو یہ تمہارے لئے بہت بہتر امد پاکیزگی کی بات ہے اگر خیرات تم کو سیتا نہ ہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

میرا خیال ہے کہ اس فصل میں ایک دوسرے واقعہ کا ذکر کرنا بھی نہایت ضروری ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پیش آیا اور آپ کی زوجہ محترمہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے براہ راست متعلق تھا اور وہ تھا واقعہ انک۔

واقعہ انک کا بغیر مطالعہ کرنے والے کے سامنے تعبیر اور اظہار رائے

میں اس آزادی کی کامل تصویر واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے جس سے اس وقت کے مسلمان بہرہ ور تھے اس زلزلے کی تاریخ کا جو شخص بھی مطالعہ کرتا ہے علم الیقین کی حد تک جان جاتا ہے کہ۔

انک کی افواہ جب مدینہ میں پھیلی اور لوگوں کی مجلسوں کا موضوع بن گئی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں میں بھی وہ امنوس ناک باتیں پہنچتی تھیں، لیکن آپ سے کوئی

ایسا قول یا حکم صادر نہیں ہوا جس سے یہ ظاہر ہو کہ آپ اپنے اصحاب یا اہل مدینہ پر ناراض ہیں اس میں کچھ شک نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اتہام کے جھوٹا ہونے کا یقین

تھا جو ام المومنین اور آپ کی اُس زوجہ محترمہ پر لگایا گیا تھا جو حضرت غدیر کے بعد آپ کو سب سے بڑھ کر عزیز تھیں اور جو آپ کے غار کے معاحب اور سب سے قریبی ساتھی کی بیٹی تھیں، لیکن آپ نے اس مسئلہ میں اپنی قائدانہ حیثیت و صلاحیت کو استعمال کرنا پسند نہ فرمایا اور نہ یہ پسند فرمایا کہ لوگوں کے اظہار رائے پر قدغن لگادیں۔ تاریخ میں

ادنیٰ اشارہ بھی نہیں ملتا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے اس مسئلہ میں گفتگو سے باز رہنے کو کہا ہو یا اس قسم کی گفتگو پر اعتراض کیا ہو یا آپ نے ایسا رویہ اپنایا ہو جس

سے یہ ظاہر ہو کہ آپ اس قسم کی سرگوشیوں اور علانیہ گفتگو پر ناراض ہیں یا آپ نے ان لوگوں کے خلاف تفتیش کا حکم دیا ہو جن پر افواہ پھیلانے کا شبہ تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے بدترین دشمن یہودیوں کے گردہ منافقین اور ان لوگوں کی شکل میں موجود تھے جو آپ اور آپ کے گرد و پیش افراد کی ٹوہ میں رہتے تھے۔ آپ نے ان دشمنوں کی موجودگی کو

بھی اہل مدینہ کو ایسی باتوں سے روکنے کا ذریعہ نہیں بنایا کہ وہ اس معاملہ میں رعایت برتیں



اور زخموں پر نمک پاشی نہ کریں بلکہ سب کے برعکس واقعہ انک میں پورے صبر سے کام لیا حتیٰ کہ علی بن ابی طالب زید بن حارثہ اور دیگر چند صحابہ سے مشورہ کیا کہ اس معاملہ کو کس طرح چلانا چاہیے لیکن یہ مشورہ اتہام تراشنے والوں کے متعلق نہیں تھا بلکہ ام المومنین کے متعلق تھا۔

اور باوجودیکہ حضرت عائشہؓ ان کے والد اور ان کے خاندان کے لئے یہ مصیبت شدید تھی، وہ بیمار پڑیں کمزور ہوئیں اور صاحبِ فراش ہو گئیں اجتماعی اور انجانے شو سے ان کا دل ان باتوں کے تصور ہی سے خون خون ہو جاتا تھا جو افواہ ساز اڑ رہے تھے لیکن یہ سب کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اجتماعی آزادیوں پر پابندی لگانے یا لوگوں کو خاموش رہنے اور ان باتوں میں دخل نہ دینے کی تلقین کا باعث نہیں سکا جو اہل مدینہ کی مجلسوں میں گردش کر رہی تھیں۔

اس مقام پر مشیت الہی اور حکمت بالغہ کا جلو ہوا اور اس نے عزت بخرج کرنے والوں اور ان تہمتوں پر جو لوگ ایک دوسرے پر بن دلیل اور شہادت و ثبوت کے لگاتے تھے آسانی پابندی لگا دی اور اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اجر پر یہ آیات نازل فرمائیں:

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِذْكَ عُصْبَةٌ  
مِنْكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم بَلْ هُمْ خَيْرٌ  
لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ مَا اكْتَسَبَ مِنَ  
الْإِثْمِ وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ  
لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ

جن لوگوں نے بہتان باندھا ہے تم ہی میں سے ایک  
جماعت ہے اس کو اپنے حق میں برانہ سمجھنا بلکہ وہ  
ہتھالے لئے اچھا ہے ان میں سے جس شخص نے گناہ  
کا جتنا حصہ لیا اس کے لئے اتنا وبال ہے اور جس نے  
ان میں سے بہتان کا بڑا بوجھ اٹھایا ہے اس کو  
بڑا مذاب ہوگا۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ کے دامن کو الزامات سے بری قرار  
دیا اور اللہ تعالیٰ نے ایسی گفتگو کی آزادی پر پابندی لگا دی جس سے کسی کی عزت مجروح ہوتی  
ہو اور اس کی توہین ہوتی ہو۔

یہاں پر ہم جو نتیجہ اخذ کرنا چاہتے ہیں وہ اس واقعہ سے بھی اہم ہے  
وہ یہ ہے کہ آیا ایک ایسا معاشرہ جو آزادی رائے اور گفتگو (صحیح ہو یا غلط) میں اس حد  
کو چھوڑنے لگتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کی بھی پرواہ نہیں کرتا جس نے  
انہیں گمراہی و ہلاکت سے نجات دلائی اور ان کی دنیا و آخرت کی بھلائی کی طرف رہنمائی  
فرمائی یہاں تک کہ اس معاشرہ میں لوگوں کے حقوق کے متعلق آداب سکمانے کے لئے آیات  
آنہیں کیا نبی کے لئے ممکن تھا کہ وہ اس قسم کے معاشرہ کو کسی ایسے کام پر لگا دیتے جسے  
وہ ناپسند کرتا ہو سوائے اس کے کہ ایسا کرنے کا حکم اللہ کی جانب سے ہو اور اس کی کتاب اللہ  
میں تصریح موجود ہو۔ تب تو تمام فکری آزادیاں احکام الہی کے سامنے ہوا ہوتی ہیں  
اور ہر فرد اور پورا معاشرہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے سامنے ایسے تابع فرماں اور  
اطاعت گزار بندے بن کر رہتے کہ کسی کو آپ کے اوامر بجالانے اور منہیات سے  
دست کش ہونے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہوتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ بھی ممکن تھا کہ مسلمانوں میں سے ایک ایسا معاشرہ

تشکیل دیتے جو آپ کے شخصی ارادے کی تکمیل کرتا اور آپ جب بھی اس کے مطابق حکم دیتے اس سے انحراف نہ کرتا لیکن اس طرح کا حکم آپ کے پیغام کے منافی ہوتا جو آپ کی تشریف آوری کا مقصد تھا اور وہ تھا اللہ وحدہ کی بندگی کے سوا تمام عبادات اور اس کے متعلق رسوم و رواج کا خاتمہ کرنا اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ اسلام کے آتے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام جاہلی رسوم و افکار کو ختم کر دیا تھا جن کے اہم ترین مظاہر میں سے آدمی کا آدمی کو پوجنا اور انسان کا اپنے جیسے انسان کی اطاعت کرنا تھا اس طرح اسلام نے لوگوں کو ذہنی اور جسمانی غلامی کے اندھیرے سے روشنی اور آزادی کی طرف نکالا اسی لئے تو تشکیلی اسلامی معاشرہ اس نئے دین میں حیات اور عزت انسانی کا پورا سامان دیکھتا تھا۔

یہی آسمانی پیغام تھا جس نے اس طبقاتی معاشرہ کو جو بندہ و موالی پر مشتمل تھا ایسا معاشرہ بنا دیا جس میں اللہ کے حضور تمام انسان برابر تھے، عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہ تھی۔ ماسوائے فضیلت تقویٰ کے:

﴿۱﴾  
**رَبُّنَا أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتَقَاتُمْ**  
 اور اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا  
 وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے

بتوں اور مختلف معبودوں کی عبادت سے نکلنے، قریشی سرداروں کے تسلط سے خلاصی پانے اور اکیلے ایک اللہ کی عبادت میں داخل ہونے کے منجملہ نتائج میں سے وہ آزادی بھی تھی جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر انعام فرمائی تھی اور جس کی بدولت جدید اسلامی معاشرہ حریت فکر اور آزادی اظہار سے بہرہ مند ہوا تا وقتیکہ وہ اس آزادی سے فائدہ اٹھا کر ایسے افعال کے مرتکب نہ ہوں جو غضبِ الہی اور اللہ کی ناراضی کا موجب بنیں اور جب اسلامی معاشرہ نے ان حدود سے تجاوز کرنا چاہا جو آزادی اظہار کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی تھیں تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود اس



سے منع نہیں کیا کہ مبادا ان کے اذہان میں قوم کے اکابر اور ساواوات کے لئے کامل طاعت کا تصور دوبارہ ابھر آئے اس کی بجائے آپ نے آسمانی حکم اور وحی کے نازل ہونے کا انتظار کیا اور امر الہی نے آکر مسلمانوں پر اخلاق فاضلہ کی پابندی لازم کر دی اور بے حیائی کی اشاعت نہ کرنے کا حکم دیا۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ  
فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي  
الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ . ۱۱

اور جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی (یعنی تہمت و بدکاری کی خبر) پھیلے ان کو دنیا اور آخرت میں دکھ دینے والا عذاب ہوگا۔  
جیسا کہ انہیں حکم دیا کہ مسلمانوں کی عزت و حرمت کا پاس کریں اور عزت مجروح کرنے والے کلام اور تکلیف دہ سب و شتم سے باز رہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُوا قَوْمٍ قَدِمُوا  
عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ  
نِسَائِهِمْ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا  
أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ  
الِاسْمُ الْمَسْرُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَمْ  
يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ يَا أَيُّهَا  
الَّذِينَ آمَنُوا احْتَسِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ  
إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ رَاسٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا

يَنْتَبِ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُّحِبُّ أَحَدَكُمْ أَنْ  
يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ  
وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَحِيمٌ ۝ (۱)

” مومنو! کوئی قوم کسی قوم سے تسخر نہ کرے ممکن ہے  
کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں  
سے (تسخر کریں) ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی  
ہوں اور اپنے (مومن بھائی) کو عیب نہ لگاؤ  
اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو۔ ایمان لےنے  
کے بعد ہر نام رکھنا گناہ ہے اور جو توبہ نہ کریں  
وہ ظالم ہیں۔ اسے اہل ایمان بہت گمان کرنے  
سے احتراز کرو کہ بعض گمان گناہ، میں اور ایک  
دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو اور نہ کوئی  
کسی کی فیتہ کرے، کیا تم میں سے کوئی اس  
بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی  
کا گوشت کھائے؟ اس سے تو تم ضرور نفرت  
کرو گے (تو فیتہ نہ کرو) اور اللہ کا ڈر رکھو  
بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

اس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعمت پوری شان قدسیت

وجلال کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے کہ وہ اپنی امت اور صحابہ کے لئے وہی چاہتے ہیں جو  
اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔

اور اب میں خلافت کے موضوع کی طرف پلٹتا ہوں اور کہتا ہوں کہ جب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہتان طراز گروہ کی جانب سے لگائے گئے اندوہناک ترین الزام سے یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان کی زوجہ محترمہ اس الزام سے کامل طور پر بری ہیں ان کا دفاع خود نہیں کیا کہ مبادیہ لوگوں کے زمانہ جاہلیت کی روایات اور سربر آوردہ سرداروں کی بے قاعدہ اطاعت و فرما برداری کی طرف لوٹ جانے کا سبب بن جائے تو یہ امر معقول نہیں ہے کہ امت کو ایسے خلیفہ کو پسند کرنے پر مجبور کر لیا جو انہیں بذاتِ خود پسند ہے جب کہ اس سلسلہ میں حکم الہی موجود نہ تھا۔ اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی طور پر رغبت رکھتے بھی تھے کہ علیؑ ہی ان کے بعد خلیفہ ہوں جیسا کہ فریقین کی صحیح اسانید کے ساتھ مروی احادیث سے معلوم ہوتا ہے تو بھی آپ نے امت کو انہیں اولین خلیفہ کے طور پر قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا بالکل اس طرح جیسے کہ انہوں نے اپنی عزیز ترین زوجہ پر بہتان طرازی کے حادثہ میں لوگوں کو باز رہنے کا حکم نہیں دیا اسی طرح جب لوگ اپنی آوازیں آپ کی آواز سے بلند کرتے اور آپ کی موجودگی میں آپس میں سرگوشیاں کرتے تو آپ نے از خود لوگوں پر واجب نہیں کر دیا کہ ان سے اس طریقہ سے پیش نہ آئیں جو حضور کی مجلس کے شایان نہ ہوں تاکہ آیات کریمہ نازل ہوئیں جن میں لوگوں کو نبیؐ کے آداب ملحوظ رکھنے کا حکم دیا گیا تھا جس نے لوگوں کو ایسی کھلی آزادی دے دی تھی کہ بعض لوگوں نے اسے نامناسب اور غیر موزوں انداز میں استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔

ایک بار پھر ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک اور اس آزادی پر گہری نگاہ ڈالیں جس سے نو تشکیل یافتہ اسلامی معاشرہ اس حد تک بہرہ مند تھا کہ سب حدیں تجاوز کر گیا اور ایسے خطرناک مرحلہ پر پہنچ گیا کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غضبناک کر دیا کیوں کہ یہ میدانِ جنگ میں قائدِ الہی کی اطاعت کے متعلق ان روایات کی خلاف ورزی تھی جنہیں ہمیشہ مدنظر رکھا جاتا تھا اور ان کی پابندی کی جاتی تھی۔

تمام اہل سیر کا اتفاق ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت



میں مبتلا ہوئے۔ اسامہ بن زید بن حارثہ کو بلایا اور فرمایا :

اپنے باپ کی شہادت گاہ کی طرف جاؤ اور دشمنوں  
کو گھوڑے تلے روند ڈالو میں تمہیں اس لشکر کا قائد  
بنانا ہوں اللہ تعالیٰ تمہیں فتح سے بہکنا کرے تو  
قیام مختصر کرنا، اپنے جاسوس پھیلا دینا اور دیکھ بھال  
کرنے والوں کو آگے بھیج دینا۔

مہاجرین و انصار میں سے کوئی قابل ذکر شخصیت نہ تھی جو اس لشکر میں  
شامل نہ ہو ان میں ابو بکرؓ تھے، عمرؓ تھے، لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنا چاہی کہ  
اس نوحمر لڑکے کو مہاجرین و انصار کے جلیل القدر

افراد پر امیر مقرر کیا جا رہا ہے ؟

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہوئے سر پر پٹی باندھے ہوئے نکلے،

چادر اوڑھے منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا :

لوگو ! یہ کیا بات ہے جو اسامہ کے امیر بنائے جانے  
کے متعلق مجھ تک پہنچی ہے اگر تم آج اس کی امارت  
میں نکتہ چینی کر رہے ہو (تو کوئی نئی بات نہیں)  
تم پہلے اس کے باپ کی امارت پر بھی معترض تھے اللہ  
کی قسم وہ بھی امارت کا حقدار تھا اور اس کے بعد اس  
کا بیٹا بھی اس کا اہل ہے یہ دونوں میرے نزدیک  
محبوب ترین افراد میں سے ہیں۔ اس کے ساتھ چھا  
سلوک کرنے کے متعلق میرا حکم سن لو یہ تمہارے بہترین  
افراد میں سے ہے۔

اس طرح ہم واضح طور پر دیکھتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب الہی  
اس سے بہت عظیم تھا کہ ان لوگوں کو منرادیتے جو اس قیادت پر اعتراض کر رہے تھے جو آپ  
نے لشکر کے لئے پسند فرمائی تھی اور یہاں تک بڑھے کہ قائد اعلیٰ کے اختیارات میں نخل ہوئے  
جو بیک وقت اللہ کے رسول امت کے محسن، شرف کے بانی اور عظیم عسکری قائد تھے جیسا  
کہ امام علیؑ ان کے متعلق فرماتے ہیں :

كنا اذا احمر البأس اتقينا برسول  
الله فلم يكن منا اقرب الى العذبه  
جب گھمان کا رن پڑتا تو ہم رسول اللہ کی آڑ میں  
اپنا بچاؤ کرتے تھے اس لئے کہ دشمن کے نزدیک  
اُن سے زیادہ کوئی نہ ہوتا۔

ایسا عظیم پیغمبر ہوتے ہوئے بھی اسامہ کی قیادت پر اعتراض کرنے والوں  
میں سے کس کو اس خطرناک غلطی پر ڈانٹنا، نہ جھڑکا اور نہ انہیں فسق یا دائرہ اسلام سے  
خارج ہونے کے القاب دیئے زیادہ سے زیادہ ان کی فہمائش کے آخر میں فرمایا :

استوصوا به خيرا فان له من خياركم  
اس کے ساتھ اچھی طرح پیش آنے کے متعلق میرا  
حکم سن لو کہ یہ تمہارے بہترین افراد میں سے ہے۔

یہ سب اس لئے تھا کہ آپ مسلمانوں پر واضح کر دیں کہ اسامہ کا انتخاب  
حکم الہی سے نہیں ہوا اور اس انتخاب کا تعلق وحی کے ساتھ بھی نہیں بلکہ یہ ذاتی انتخاب  
ہے جس کی بنیاد اسامہ کی اہلیت اور اس بات پر ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لشکر  
اسلام کے قائد کے طور پر انہیں پسند کرتے ہیں اور ان کی کہی ہوئی بات پر حضور علیہ السلام  
کی ناراضی، آخرت میں جو ابدی یا عذاب کا سبب نہ ہوگی اسی لئے آپ نے خطاب کا اختتام

ان اسباب کو شمار کرنے پر فرمایا جو اس نوجوان قائد کے انتخاب کے پیچھے کار فرما تھے اور مسلمانوں کو اس امر کے زیرِ قیادت چلنے کا حکم دیا۔

اس مقام پر ہم ایک روایت ذکر کرتے ہیں جسے ابن عباسؓ نے خلیفہ ثانی عمرؓ سے نقل کیا ہے اور جو احکامِ اہلی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی پسند و ناپسند کے متعلق صحابہ کے طرز عمل کے متعلق مکمل صراحت کرتی ہے ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمرؓ کے شام کی جانب اسفار میں ایک بار

میں ان کے ساتھ تھا ایک دن اونٹ پر چلتے ہوئے

وہ ہنسا رہے تو میں آپ کے پیچھے ہو گیا۔

کہنے لگے:

اے ابن عباس! مجھے تم سے تہمتے عم زناد

کی شکایت کرنا ہے میں نے اسے ساتھ آنے کو کہا

تو انہوں نے میری بات نہیں مانی میں اسے ناخوش

سا دیکھتا آ رہا ہوں تہمتے خیال میں اس کی ناراضی

کا سبب کیا ہے؟

میں نے کہا:

امیر المؤمنین! آپ خوب جانتے ہیں۔

کہنے لگے:

میں سمجھتا ہوں کہ خلافت نہ ملنے پر طول رہتے ہیں۔

میں نے کہا:

یہی وجہ ہے ان کا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو انہیں امیر بنانا منظور تھا۔



کہنے لگے :

اے ابن عباس! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں امیر بنانا چاہتے تھے تو کیا ہوا جب کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا نہ چاہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چیز چاہتے تھے، اللہ تعالیٰ کا ارادہ دوسری چیز کا تھا، کیا جس چیز کو رسول اللہ چاہتے تھے وہ ہوئی؟ آپ چاہتے تھے کہ ان کا چچا اسلام لے آئے لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں تھا، لہذا وہ اسلام نہ لایا۔<sup>(۱)</sup>

مذکورہ بالا امور کے علاوہ خلافت کے متعلق صریح طور پر حکم الہی کے وجود کو تسلیم کرنے میں درج ذیل پانچ رکاوٹیں ہیں۔

- ۱ : صحابۃ الرسول اور خلافت کے متعلق ان کا موقف۔
- ۲ : خلافت کے بارے میں امام علیؑ کے فرمودات،
- ۳ : امام علیؑ کا خلفاء کی بیعت کر لینا اور خلفاء راشدین کی خلافت کو شریعت کے مطابق قرار دینا۔
- ۴ : خلفاء راشدین کے حق میں حضرت علیؑ کے ارشادات۔
- ۵ : خلفاء راشدین کے متعلق شیعہ اماموں کے اقوال۔

۱ : صحابہ کرام اور خلافت کے متعلق ان کے موقف کا بیان  
گزشتہ صفحات پر ہم نے زمانہ رسالت کی واضح تصویر کھینچ دی ہے

(۱) شرح منج البلاغہ: ابن ابی الحدید ج ۳، ص ۱۱۳۔

اور اس شخصی اور اجتماعی آزادی کی وسعت بیان کی ہے جو اس نو تشکیل اسلامی معاشرہ میں نافذ تھی اور ان امور پر ہم نے ان آیات کریمہ سے استشہاد کیا ہے جو ایسی تقریری اور اجتماعی آزادیوں کو محدود کرنے کے متعلق وارد ہوئیں جن کے ذریعے نبیؐ کی ایذا رسانی کی گئی اور مسلمانوں کی عزت و حرمت کو مجروح کیا گیا۔ یہ بھی ہمارے ذمے ہے کہ پوری وضاحت و صراحت کے ساتھ بتا دیں کہ نوخیز اسلامی معاشرہ کی یہ تصویر جو ہم نے پیش کی ہے مدینہ اور مضافات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد جمع ہو جانے والے تمام طبقات کی عام تصویر تھی اس میں منافقین بھی تھے اور وہ کمزور ایمان والے بھی جن کی تالیف قلب کی جا رہی تھی اور وہ بھی جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں مخاطب فرمایا ہے :

قَالَتِ الْأَعْرَابُ أَمْ نَأْتِلُكَ لَمْ تُوْمِنُوا وَلَكِنْ قَوْلُوا أَسْلَمْنَا لَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاءَهُمُ الْإِيمَانُ مِنْهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَئِكَ هُمُ الْعَادِلُونَ  
قُلْ أَسْلَمْتُمْ لِلَّهِ بِسَبِيلِكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ يُمْنُونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُلْ لَا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (الْحَجَرَاتُ ۱۷-۱۹)

گنوار کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے (بلکہ یوں) کہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں اور ایمان ہنوز تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔ اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کر سکتے تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ کم نہیں کرے گا۔

بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک میں نہ پڑے اور اللہ کی راہ میں مال اور جان سے لڑے یہی لوگ (ایمان کے) سچے ہیں۔ ان سے کہو کیا تم اللہ کو اپنی دینداری جلاتے ہو اور اللہ تو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں سے واقف ہے اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے یہ لوگ تم پر احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان ہو گئے ہیں کہہ دو کہ اپنے مسلمان ہونے کا مجھ پر احسان نہ رکھو بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کا راستہ دکھایا بشرطیکہ تم سچے مسلمان ہو۔

ان آیات میں عذر و فسق کرنے والا علم یقین کی حد تک جان لیتا ہے کہ اس اکثریت کے ضمن میں جس کی جانب ہم نے اشارہ کیا ہے آپ کے صحابہ کی پاکیزہ و منتخب جماعت بھی موجود تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے چلتی تھی اور اپنے خون اور مال کے ذریعے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرتی تھی، اسلام کے عز و شرف کی تعمیر کرتی اور اسے گھیرے میں لے ہوئے خطرات سے حفاظت میں شریک رہتی تھی۔



یہی وہ کبار صحابہ ہماجرین و انصار تھے جو آسودگی ہو یا سنگی ہر حالت میں سائے کی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے تاکہ وہ آئندہ نسلوں کے لئے اچھا نمونہ بنیں اور ہر وقت گھات میں رہنے والے دشمنوں سے دفاع کر سکیں اس پاکیزہ اور امت محمدیہ کی مقدس جماعت کی قرآن کریم میں بڑی روشن تصویر موجود ہے جس کا ہر کلمہ اس دور کی پاکیزگی، عظمت، جلال، جمال، صحابہ کے اخلاص اور اسلام اور پیغمبر اسلام کے دفاع کی راہ میں فدائیت سے عبارت ہے ایسے بل کر یہ آیات پڑھیں :

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ  
عَلَى الْكُفَّارِ رَحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا  
سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا  
سِيمَاءُ فِي رُجُوعِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ  
ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي  
الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطَاةً فَازْدَدَهُ  
فَأَسْتَفْظَلَ فَاكْتَرَى عَلَى سَوْقِهِ يَعْجِبُ  
الزَّرَّاعَ لِيغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَّ اللَّهُ  
الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ  
مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝۱۱

محمد اللہ کے پیغمبر ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ  
ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس  
میں رحمدل (اے دیکھنے والے) تو ان کو دیکھتا  
ہے کہ اللہ کے آگے جھکے ہوئے سر بسجود میں  
اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کر رہے ہیں

(کثرت) سجو کے اثر سے ان کی پیشانیوں پر نشان  
 پڑھے ہوئے ہیں ان کے یہی اوصاف تورات میں  
 (مرقوم) ہیں اور یہی اوصاف انجیل میں ہیں۔  
 (وہ) گویا ایک کھیتی ہیں جس نے (پہلے زمین سے)  
 اپنی سوئی نکالی پھر اس کو مضبوط کیا پھر موٹی ہوئی  
 اور پھر اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہو گئی اور لگی کھیتی  
 والوں کو خوش کرنے تاکہ کافروں کا جی جلائے جو لوگ  
 ان میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے  
 ان سے اللہ نے گناہوں کی بخشش اور اجر عظیم  
 کا وعدہ فرمایا ہے۔

اسی روشن زمانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا ایک اور وصف  
 بھی ہے جسے حضرت علیؓ نے ذکر کیا ہے اور ہم بھی یہاں درج کرتے ہیں:  
 میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو  
 دیکھا ہے ان جیسا کسی کو نہیں دیکھتا صبح ہوتی تو وہ  
 پریشان بال اور غبار آلود ہوتے کہ انہوں نے رات  
 سجدہ و قیام میں بسر کی ہوتی پیشانیاں تھک جاتیں  
 تو اپنے گال زمین پر لگا دیتے اپنی آخرت یاد کر کے  
 گویا انگاروں پر لوٹنے لگتے ان کی آنکھوں کے درمیان  
 کے حصے طویل سجدوں کے سبب بکری کے گھٹنوں کی  
 طرح بن گئے تھے، اللہ کا ذکر ہوتا تو ان کی آنکھوں سے  
 آنسو اُٹ آتے یہاں تک کہ ان کے گریبان بھیگ جاتے۔

غذاب کے ڈر اور ثواب کی اُمید میں ایسے ہلے جیسے  
سخت آندھی میں درخت ہلے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

آئیے ایک بار پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان سنیں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
کے اصحاب کے اوصاف، نبی اور ان کی رسالت پر ان کے غیر مشروط اور لامحدود ایمان کی وسعت  
بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں،

ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے باپ،  
بیٹوں، بھائیوں اور چچوں کے خلاف برسرِ جنگ رہتے  
تھے اور اس سے ہمارے ایمان و جذبہ تسلیم میں اضافہ  
ہوتا، ہم چند لغتوں پر گزر بسر کرتے، لکھنیں برداشت  
کرتے اور دشمن کے خلاف جہاد میں مصروف رہتے،  
ایسا بھی ہوتا کہ ایک آدمی ہم میں سے اور ایک آدمی  
کفار میں سے ساڈوں کی طرح حملہ آور ہوتے ہر ایک  
گناہ لگاتا کہ کون اپنے مد مقابل کو موت کا پیالہ  
پلاتا ہے کبھی میدان ہمارے ہاتھ رہتا اور کبھی دشمن  
غالب آتے، جب اللہ تعالیٰ نے ہمارا صدق جانچ لیا،  
تو ہمارے دشمنوں کو ذلیل کیا اور ہمیں اپنی نصرت سے  
نوازا یہاں تک کہ اسلام نے ترکش ڈال دی وطن  
بنا کر قرار گز میں ہوا اللہ کی قسم ہم ان اشیاء کے  
مرتبک ہوتے جو تم کہتے ہو تو نہ دین کا کوئی ستون  
استوار ہوتا نہ اس کا کوئی شجر سرسبز ہوتا اور اللہ کی  
قسم تم دو دھکے بجائے اس سے خون دھو گے اور اس کے بعد نام ہو گے

(۱)۔ بیع البلاء ج ۱، ص ۱۹۔ (۲)۔ بیع البلاء ج ۱، ص ۱۰۴۔



یہاں ایک سوال کرنے بغیر چارہ نہیں کیا اس قسم کے ساتھی جن کی اللہ تعالیٰ نے عظیم الشان مدد فرمائی اور امام علیؑ نے تو صیغہ کی کسی ایسے معاملے میں نصِ الہی کی خلاف ورزی کر سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور شریعت و قانون وارد ہوئی ہو؟ وہ احکامِ الہی کے محافظ اور انہیں نافذ کرنے والے تھے اور اس کی خاطر انہوں نے ہر چھوٹی بڑی چیز کی قربانی دی تھی خصوصاً جب کہ اس حکم کا براہِ راست تعلق مسلمانوں کے مفادات یا ان کے مستقبل کے ساتھ ہو اور ان بنیادوں کی تعمیر کے ساتھ ہو جنہیں مضبوط کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔

اس سب کچھ کے بعد ہم اس کتاب میں ذاتی رجحانات، تعصبات اور والدین کے رسوم و رواج سے دُور رہتے ہوئے تصحیح کا پیغام دے رہے ہیں، اس پیغام کا مخاطب پڑھا لکھا، سمجھدار طبقہ اور شیعہ کے وہ آزاد فکر فرزند ہیں جن کے ساتھ میں نے ندائے اصلاح پر لبیک کہنے کے متعلق امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں، اس لئے اب میں دوسرے عنوان کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور وہ ہے خلافت کے متعلق امام علیؑ کے اقوال تاکہ ہم واضح طور پر دیکھ لیں کہ کس طرح امام علیؑ صراحت فرماتے ہیں کہ خلافت کے مسئلہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نص موجود نہیں ہے۔

## خلافت کے متعلق امام علیؑ کے فرمودات

امام علیؑ فرماتے ہیں:

مجھے چھوڑ دو کسی اور کو تلاش کر لو، کیوں کہ ایسی صورت حال سامنے آرہی ہے جس کے کئی رخ کئی رنگ ہیں خوب جان لو اگر میں نے تمہارا کہا مان لیا تو اپنے علم کے مطابق تمہیں چلاؤں گا اگر تم نے مجھے چھوڑ دیا تو میں تم سے کسی ایک کی طرح رہوں گا جسے بھی تم امیر بناؤ گے میں اس

معاملہ میں تمہارا حکم سنوں گا اس کی اطاعت کروں گا  
 اور میں امیر سے وزیر کے طور پر تمہارے لئے بہتر ہوں  
 آئیے ایک بار پھر امام علیؑ کی بات سنیں انہوں نے حضرت عثمانؓ کی  
 بیعت سے پہلے اہل شوریٰ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا :

تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں اس امر کا تمام  
 لوگوں سے زیادہ حق دار ہوں اللہ کی قسم جب تک مسلمانوں  
 کے معاملات سلامتی کے ساتھ رہیں اور صرف مجھ پر  
 ہی ظلم ہوتا رہے تو میں اللہ تعالیٰ سے اجر و فضل  
 کی امید کرتے ہوئے ضرور اطاعت کرتا رہوں گا<sup>(۳۱)</sup>

آپ کے ایک معاصب نے پوچھا جب آپ لوگ مقامِ خلافت کے سب  
 سے زیادہ حق دار تھے تو آپ کی قوم نے آپ کو اس منصب سے دور کیوں رکھا؟ تو آپ نے فرمایا:

جب تو نے دریافت کیا ہے تو سن لو جہاں تک اس  
 زبردستی کا تعلق ہے جو ہم پر روا رکھی گئی کہ ہمیں مال  
 نسبی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر  
 تعلق کے باوصف پنچے رکھا گیا تو یہ ایک ترجیح تھی۔  
 کچھ دل اس کے معاملہ میں تنگ پڑ گئے اور ایک گروہ  
 کے دلوں نے سخاوت کا ثبوت دیا، فیصلہ اللہ کے  
 ہاتھ میں ہے قیامت کے دن اس کی طرف  
 لوٹ کر جانا ہے۔<sup>(۳۲)</sup>

(۱۱) منہج البلاغہ ج ۱، ص ۱۸۲

(۱۲) منہج البلاغہ ج ۱، ص ۱۲۶- (۳) منہج البلاغہ ج ۲، ص ۶۴

ہیں امام علی رضی اللہ عنہ کی وہ تصریحات بھی پڑھنی چاہئیں جن میں پوری صراحت و وضاحت کے ساتھ خلافت کے بارے میں عدم رغبت کا اظہار فرمایا ہے بلکہ وہ تو خود اسے مسترد کرتے تھے البتہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ دوسروں کی نیت اس کے زیادہ حقدار ہیں۔ امام نے کبھی یہ ذکر نہیں کیا کہ اللہ کی جانب سے خلافت کے متعلق صریح حکم وارد ہوا ہے امام فرماتے ہیں :

اللہ کی قسم مجھے خلافت سے کوئی لگاؤ ہے نہ والی بننے کی خواہش تم نے خود مجھے دعوت دی یہ ذمہ داری مجھ پر ڈالی جب خلافت مجھ تک پہنچی تو میں نے اللہ کی کتاب اور اس کے بتائے ہوئے طریقہ اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے برائے کار لانے کا حکم دیا ہے کو دیکھا تو اس کی اتباع کی۔  
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو دیکھا اور آپ کی اقتدار کی<sup>(۱)</sup>

ایک دوسرے دوسرے مقام پر فرماتے ہیں :  
جس طرح نال اپنے بچے کی طرف دوڑتی ہے اس طرح تم میری طرف بیعت کرتے ہوئے آئے ہیں نے اپنی مٹھی بھینچ لی تم نے اسے کھولا میں نے تم سے ہاتھ چھڑایا، تم نے خود اسے پھیلایا<sup>(۲)</sup>  
ایک اور مقام پر امام موصوف مالک الاشتر کے نام ایک خط میں فرماتے

ہیں :



اللہ کی قسم .... میرے ذہن میں کبھی یہ بات نہیں  
 آئی نہ میرے دل میں گزری کہ عرب پر منصف  
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے چھین لیں  
 گئے نہ یہ کہ وہ آپ کے بعد میرے سوا کسی اور  
 کو کبھی یہ منصب دے سکتے ہیں میں نے تو اپنا تک  
 دیکھا کہ لوگ ابن ابی قحافہ پر بیعت کے لئے ٹوٹ  
 پڑے تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

امام علیؑ کے خود کو خلافت کے لئے اولیٰ سمجھنے کے متعلق یہ واضح عبارات  
 پڑھ لینے کے بعد ضروری ہے کہ ہم ان کے وہ اقوال بھی پڑھیں جو انہوں نے اپنے  
 پیش رو خلفاء کے شرعی طور پر خلیفہ منتخب ہونے کے متعلق فرمائے تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ  
 امام علیؑ کس طرح ان کی بیعت کے درست اور شرعی ہونے پر ایمان اور اعتقاد رکھتے  
 تھے امام نے فرمایا:

حقیقت یہ ہے بیعت ایک ہی بار ہوتی ہے اور  
 اس میں نظر ثانی نہیں کی جاتی اور نہ سوچ بچار کی  
 مہلت لی جاتی ہے اس سے نکلنے والا اپنے دین  
 کو مطعون کرنے کا موجب ہے اور اطاعت میں سستی  
 کرنے والا مہانت کا مرتکب ہے<sup>(۲)</sup>  
 ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

(۱) نہج البلاغۃ، ج ۳، ص ۱۱۹ -

(۲) نہج البلاغۃ، ۳، ۸ -

خوب جان لو تم نے فرما برداری کی رسی ہاتھ سے چھوڑ  
 دی ہے اور اللہ کی جانب سے خود پر نبلے گئے  
 تلے میں تم نے جاہلیت کی ضربیں لگا کر دلاڑی  
 ڈال دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے اتفاق  
 کو لغت کی ایسی رسی سے باندھا کہ جس کے سائے  
 میں چلیں اور اس کی پناہ میں واپس آئیں یہ ایسی  
 نعمت ہے کہ اس کی قدر و قیمت مخلوق میں سے  
 کوئی بھی نہیں جان سکتا کیوں کہ وہ ہر قیمت سے  
 گراں تر اور ہر خیال سے بالا تر ہے۔ جان لو کہ تم  
 ہجرت کے بعد پھر سے بدوی بن گئے ہو اور معاہدہ  
 کے بعد پھر سے جماعتیں بن گئے ہو اسلام کے ساتھ  
 سوائے نام کے تھا کوئی تعلق نہیں اور ایمان کو  
 ایک رسم کے ملا وہ تم کچھ بھی نہیں سمجھتے

آئیے ایک مرتبہ پھر امام علیؑ کے فرمودات سنیں جب کہ امت  
 کے چھوٹے سے اجماع کے نتیجہ میں قائم ہونے والی خلافت و امامت کے شرعی ہونے  
 پر زور دے رہے ہیں کہ عامۃ المسلمین اور انتخاب کے وقت غائب اکثریت پر  
 بھی اس طریقہ سے منتخب خلیفہ کی اطاعت فرض ہے۔

مجھ اپنی زندگی کی قسم اگر امامت عامۃ المسلمین  
 کے حاضر ہونے بغیر منعقد نہ ہو سکتی ہو تو اس کے

انتقاد کا کوئی راستہ ہی نہیں اور یہ صحیح نہیں بلکہ  
حاضر لوگ غیر حاضرین کی جانب سے فیصلہ دیتے  
ہیں، پھر حاضر کو بیعت توڑنے اور غیر حاضر کو کسی  
دوسرے کے انتخاب کا حق نہیں رہتا۔

ج، امام علی کا خلفاء کی بیعت کرنا اور خلفاء راشدین کے شرعی ہونے کی ضرورت ثابت کرنا  
مسئلہ خلافت اور اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کی جانب سے نص کی عدم موجودگی  
کے متعلق حضرت علیؑ سے منقول تقریحات ہم نے قدے تفصیل سے ذکر کی ہیں اب ایک اور  
موضوع کی طرف توجہ دینا ضروری ہو گیا ہے وہ یہ کہ اگر خلافت آسمانی تصریح سے  
ہوتی اور یہ نص حضرت علیؑ کے متعلق ہوتی تو کیا حضرت علیؑ کے لئے ممکن تھا کہ اس سے  
چشم پوشی کرتے اور خلفاء کی بیعت کر لیتے اور وہ منصب ان کے حوالے کر دیتے  
جس کا انہیں کوئی حق نہ تھا۔

علماء شیعہ حضرت علیؑ کی خلفاء کے ہاتھ پر بیعت کے متعلق تالیف  
کردہ متعدد کتب میں اس امر کی دو طرح توجیہ پیش کرتے ہیں، کچھ تو وہ حضرات ہیں  
جو کہتے ہیں کہ امام علیؑ نے خلفاء کی بیعت اس ڈر سے کر لی کہ مبادا اسلام ضائع ہو جائے  
اور ایسی پھوٹ پڑے کہ قصر اسلام مہدم ہو کر رہ جائے اس لئے وہ اپنے حق سے  
دستبردار ہو گئے اور خلافت ان خلفاء کے سپرد کر دی جنہوں نے ان کا حق غصب کیا تھا  
دوسری توجیہ یہ ہے کہ امام علیؑ نے بیعت اپنی جان کے ڈر سے کی اور تقیہ پڑل کیا جس کا ہم کوئی تقاضا پزور ذکر چھڑی گے  
کچھ لوگوں نے یہ جو توجیہ کی ہے کہ اسلام اس وقت تک اپنے پاؤں پر  
کھرانہ ہوا تھا لوگوں کا اسلام کے ساتھ تعلق ابھی نیا نیا تھا اس لئے اسلام کے ضائع ہوجانے  
کا اندیشہ تھا تو اس خیال کو لغو قرار دینے کے لئے حضرت علیؑ کا حضرت عثمان کی بیعت



کر لینا ہی کافی ہے جہاں دور میں ہوئی جب اسلامی خلافت کا دائرہ مشرق میں بخارا اور مغرب میں شمالی افریقہ تک وسیع ہو چکا تھا اس زمانہ میں آباد زمین کے اکثر حصہ پر خلافت کی حکمرانی قائم تھی۔

اس کے علاوہ خلافت کی بحث میں عجیب ترین اور سب سے زیادہ دعت رکھنے والا معاملہ جس سے اس مسئلہ پر مفصل بحث کرنے والے شیعہ مصنفین اور دوسرے فرقوں کے علماء نے تعرض ہی نہیں کیا یہ ہے کہ انہوں نے خلافت پر حضرت علیؑ اور ان کے پیشرو خلفاء سے قطع نظر مستقل طور پر بحث نہیں کی بلکہ اسے کچھ شخصیتوں اور ناموں کے ساتھ مربوط کر دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ خلافت کے متعلق اس اندازِ گفتگو نے مجھے متحیر و مدہوش کر دیا ہے کیوں کہ اگر حضرت علیؑ کی شخصیت کے حوالے کے بغیر مستقل طور پر اس مسئلہ پر بحث کی جاتی تو وہ ان تمام قاعدوں کو شاکر رکھ دیتی جو شیعہ سنی نزاع کے زمانہ میں بنائے گئے تھے۔

اگر خلافت پر اسلامی عقیدہ کی روشنی میں اس بات سے قطع نظر کر کے بحث کی جائے کہ خلیفہ کون بنے گا تو مسلمانوں کو پریشانی اور امور خلافت کے ضیاع اور اس پر مرتب ہونے والے برے اثرات کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ میری معروضات کا بلباب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت دوسرے نفلوں میں امامت۔ اگر ربانی نفل پر مبنی تھی اور اس بارے میں آسانی حکم موجود تھا قطع نظر اس سے کہ حضرت علیؑ کو والی بنانا مقصود تھا یا کسی اور کو تو وہ تمام توجیہات و تاویلات جو شیعہ راوی اور امامی علماء پیش کرتے ہیں جن کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ امام علیؑ نے پہلے خلفاء کی بیعت اسلام کو ضائع ہونے سے بچانے کی خاطر اور رسول اللہ کے بعد لوگوں کے مرتد ہو جانے کے ڈر سے، یا لقیۃً کی وجہ سے کی۔ ہوا میں اڑ جائیں گی اور اڑتی ہوئی وصول کی مانند ہو کر رہ جائیں گی کیوں کہ اگر خلافت نفل الہی سے ثابت ہوتی تو کوئی

بھی خواہ وہ اسلام میں کتنا بھی بڑا مقام و مرتبہ کیوں نہ رکھتا ہو اس کے بالمقابل کھڑا نہ ہو سکتا تھا اور اپنے خیالات و تصورات میں جواز تلاش کر کے اس کی مخالفت نہیں کر سکتا تھا لہذا حضرت علیؓ یا ان کے علاوہ کسی بھی صحابی کو یہ اختیار نہ تھا کہ وحی سے صادر ہونے والی خدائی نص پر عمل موقوف کر دیں۔

جب حضرت محمدؐ اللہ کے رسول ہوتے ہوئے یہ طاقت و استعانت نہیں رکھتے کہ پیغامِ الہی پہنچانے میں چٹکی میں یا اسے چھپالیں تو کوئی ایسا شخص جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم مرتبہ ہو نص الہی کو چھپانے یا اس سے آنکھیں بند کر لینے کی ہمت کیے کر سکتا ہے؟ رسالت و وحی کی تبلیغ کے لئے درج ذیل آیات سے بڑھ کر کوئی واضح اور صریح حکم نہیں ہے۔

يَا أَيُّهَا الرُّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ  
مَرِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ  
وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدہ، ۶۷)

”اے پیغمبر جو ارشادات اللہ کی طرف سے تم پر نازل ہوئے ہیں سب لوگوں کو پہنچا دو اور اگر ایسا نہ کیا تو تم اللہ کے پیغام پہنچانے میں قاصر رہے یعنی پیغمبری کا فرض ادا نہ کیا، اور اللہ تم کو لوگوں سے بچانے رکھے گا“

وَإِنْ تَكْفُرُوا فَقَدْ كَذَّبْتُمْ  
رِسَالَتَهُ وَمَا عَلَى الرُّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (العنکبوت، ۱۸)

”اگر تم میری تکذیب کرو تو تم سے پہلے بھی امتیں (اپنے پیغمبروں کی) تکذیب کر چکی ہیں اور پیغمبر

کے ذمے کھول کر سنا دینے کے سوا کچھ بھی نہیں  
 فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ  
 حَفِظًا إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاءُ ۝

” پھر اگر یہ منہ پھیر لیں تو ہم نے تم کو ان پر  
 نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔ تمہارا کام تو صرف  
 (احکام کا) پہنچا دینا ہے۔“

فَلَعَلَّكَ تَارِكًا بَعْضَ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ  
 وَضَائِقًا بِهِ مَذْرُوكًا أَنْ يَقُولُوا  
 لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ كِتَابٌ أَوْ جَاءَ  
 مَعَهُ مَلَكٌ إِنَّمَا أَنْتَ نَذِيرٌ وَاللَّهُ  
 عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ۝

” شاید تم کچھ چیزوں میں سے جو تمہارے پاس  
 آتی ہے چھوڑ دو اور اس (خیال) سے تمہارا  
 دل تنگ ہو کہ کافر یہ کہنے لگیں کہ اس پر کوئی  
 نوازہ کیوں نہیں نازل ہوا یا اس کے ساتھ کوئی  
 فرشتہ کیوں نہیں آیا اے محمد تم تو صرف نصیحت  
 کرنے والے ہو اور اللہ ہر چیز کا نگہبان ہے۔“

خلافت کو خلیفہ سے مرہوط کرنے اور ان کے درمیان فرق ملحوظ رکھنے

(۱) الشوریٰ ۴۸

(۲) ہود ۱۱



جیسا کہ ہم نے عرض کیا، کے سبب ہی شیعہ راویوں کے لئے یہ راستہ ہموار ہوا کہ شیعہ اور تشیع کے مابین معرکہ آرائی کے اس زمانہ میں جو چاہیں لکھتے جائیں امام شریعت ساز نہ تھے نہ انہیں اس کا دعویٰ تھا۔ نص کی موجودگی میں اجتہاد بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ خلافت کی نص کے متعلق اجتہاد کر رہے ہوں اور نص اس بلائے میں خاموش ہو وہ اس کی مخالفت بھی نہیں کر سکتے تھے کیوں کہ اس کا سرعنوان وہ خود تھے۔

لہذا اگر خلافت اللہ تعالیٰ کی جانب سے اور حکم آسمانی کے مطابق بھی ہو تو قطع نظر اس سے کہ کون اس کا والی بنتا ہے مسلمانوں کا عام حق اور آسمانی دستور تھا۔ مسئلہ خلافت میں جو تفصیلات ہم نے بیان کی ہیں اور یہ حقیقت کہ اگر خلافت اللہ کے صریح حکم سے ہوتی تو کوئی بڑی سے بڑی شان والا بھی اس کی خلاف ورزی نہ کر سکتا نہ اس کا انکار یا اس سے تغافل برت سکتا اگر پیش نظر رہیں تو اختلاف کی گنجائش ہی نہیں رہتی، لیکن ہمارا سامنا علماء شیعیت کے ایک بڑے گروہ سے ہے جس نے اس حقیقت کو بالکل نظر انداز کر دیا اور اسی لئے انہیں حضرت علیؑ کی بیعت کی یہ تاویل کرنا پڑی کہ انہوں نے قیہ کیا یا خوف زدہ ہو گئے یا انہیں ان کی خواہش و عقیدہ کے برخلاف ایک کام پر مجبور کر دیا گیا۔

یہاں ان لوگوں کے کردار کی باری آئی جنہوں نے حضرت علیؑ اور ان کی شخصیت کو ختم کرنا چاہا اور بالواسطہ طور پر انہیں الزامات کا نشانہ بنانا چاہا اس طرح زمانہ رسالت و عہد صحابہ کے متعلق ہر چیز کو ختم کیا جا سکتا ہے کیوں کہ زمانہ رسالت کو جس میں بکا صحابہ بھی شامل ہیں تاریک ترین منظر میں اسی وقت پیش کیا جا سکتا ہے جبکہ اس اسلامی معاشرہ کی اللہ تعالیٰ کے صریح احکام سے بغاوت کا نقشہ کھینچا جائے اور بہ امر اس بات پر موقوف تھا کہ حضرت علیؑ کی خلافت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصوص باور کرایا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے صحابہ تک اس نص کی تبلیغ اور صحابہ کے اس

نص کو جان لینے کے باوصف اس کی خلاف ورزی اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک دغا باز، مدہانت کیش اور چالپوس آدمی کی شکل میں تصویر کشی کی جٹے جو پچیس برس تک اپنے پہلے خلفاء ثلاثہ کا بظاہر دیانتدار میشر اور گرم جوش دست بنا رہا جو ان کی مدح میں رطب اللسان اور ان کی تعریف میں بہترین کلمات پختا ور کرنے والا مواد اور اس کا دل اس کی زبان کے ساتھ نہ تھا جو وہ کرتا تھا اس پر اس کا ایمان نہ تھا یہاں تک کہ اس نے مجبوری کی حالت میں ہی اپنی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے عقد میں دے دی اپنے بیٹوں کے نام ابوبکر و عمر و عثمان رکھے حالانکہ وہ ان کے یہ نام رکھنے پر راضی نہ تھے۔ وعلی ہذا القیاس۔

علماء شیعہ اور ان کی احادیث کے راویوں۔ اللہ انہیں معاف کرے  
 نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق صراحتاً یا کنایتاً جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہی ہے میں نہیں جانتا کہ قیامت کے دن جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے متعلق اپنے رب سے شکایت کی تو ان لوگوں کا موقف کیا ہوگا !

اسی طرح میرا عقیدہ یہ ہے کہ اس اکثریت کے درمیان غیر معمولی گروہ موجود تھا جس نے متحدہ اسلامی فکر میں تبدیلی پیدا کر کے اسے نفاق و اختلاف کے راستے پر ڈالنے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ سمیت اسلام اور مسلمانوں پر ضرب کاری لگانے میں اپنا کردار ادا کیا حالانکہ بظاہر یہ لوگ خود کو شیعہ مذہب کے حامی کے طور پر پیش کرتے تھے مگر ان کا مقصد تمام مذاہب کو ختم کرنا بالفاظ دیگر اسلام کو طعنوں کا نشانہ بنانا تھا چنانچہ چوتھی صدی ہجری کے اوائل تک جو عنیت کبریٰ کا زمانہ ہے ہمیں اس نظریہ کا نام و نشان تک نہیں ملتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خلافت چینی گئی یا یہ کہ خلافت خدائی حق تھا جو ان سے چھین لیا گیا۔ یا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے اکٹھے ہو کر یہ کام کیا اور اس طرح سے جیسا کہ ہم نے کہا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلافت کے لئے اولویت کے نظریہ کو خدائی خلافت



اور اللہ تعالیٰ کے مخصوص حکم کی مخالفت کے نظریہ سے بدل دیا گیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یونانی اور دیگر فلسفوں کے عربی افکار میں دخل ہونے کو معتزلہ اور اشاعرہ مکتب فکر کی تأسیس میں براحتہ ہے، شیعہ اور تشیع کے تضام اور شیعہ کو موجودہ صورت میں ظاہر کرنے کے پس منظر میں بھی یہی افکار کارفرما تھے۔

اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ خلافت کو اس شکل میں پیش کرنا جس میں شیعہ مذہب کے علماء نے شیعہ راویوں کی روایات پر اعتماد کرتے ہوئے اسے پیش کیا شیعہ مذہب کی غیر شیعہ سے علیحدگی اور دیگر اسلامی مذاہب سے دوری کا سبب تھا دوسرے فرقوں کے ساتھ باہم میل جول اور موانست سے دور رکھنے، ایک طبقہ میں اس مذہب کو مقید رکھنے اور دوسرے فرقوں کے ساتھ راہِ درسم سے روکنے کے لئے نصرت کا مزاج پیدا کرنا ضروری تھا جو قرب کے ہر امکان کو روک دے۔ لہذا شیعہ نے خلفاء راشدین کی تشیع کا طریقہ اختیار کیا اور اپنے ائمہ کی زبانوں پر اپنے راویوں کی وضع کردہ روایات کو ذریعہ بنا کر اس کی مذمت کرتے رہے ان موضوع روایات نے جو اپنے پیچھے تباہی و بربادی کے آثار چھوڑے انہیں اللہ کے سوا کوئی شخص شمار میں نہیں لاسکتا ہم یہاں شیعہ سے خالص انہی کی منطق میں گفتگو کر رہے ہیں اس لئے

ہم خلفائے راشدین کے متعلق امام علیؑ کے اقوال درج کرتے ہیں۔ پھر حضرت امامؑ کے اپنے بارے میں اقوال سے شہادت پیش کرتے ہیں پھر اپنے آپ سے پوچھتے ہیں کیا ایسے عظیم الشان امام نے خلفاء کی نہ چاہتے ہوئے بیعت کی جب کہ وہ اس پر راضی نہ تھے؟ یا وہ اپنے اس رویہ سے مسلمانوں کو بیعت کے ذریعے دھوکہ دے رہے تھے؟ کیا انہوں نے ایسی بات زبان سے کہی جسے حق نہیں سمجھتے تھے؟ اور ایسا عمل بجالتے رہے جس پر

ان کا اپنا ایمان نہیں تھا؟

کیا شیعہ کو واقعی علیؑ سے سچی محبت ہے؟ جب کہ وہی ایسے امور ان کی

طرف منسوب کر رہے ہیں، یا صرف اقتدار حاصل



کرنے اور اپنی ریاست کی بنیاد رکھنے کیلئے یہ پُر خار راستہ اختیار کر رہے ہیں خواہ اس راستہ میں انہیں حضرت علیؓ کی شہرت، ان کی جلالتِ تقدُّر و عظمت ذاتی اور مقامِ بلند کی قربانی بھی دینی پڑے۔

## (د) خلفاء راشدین کے متعلق امام علیؓ کے اقوال

آئیے امام علیؓ کو خلیفہ عمرؓ بن خطاب کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے سنیں۔

اللہ اللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، آزمائش سے کس طرح سرخرو نکلے انہوں نے ٹیڑھا پن نکالا اور بیماری کا علاج کیا، فتنہ کو ماند کیا اور سنت قائم کی، اس حالت میں گئے کہ دامن صاف عیب نایاب تھا، خیر حاصل کی شر سے بالاتر رہے، اللہ تعالیٰ کی کامل اطاعت کی اور کما حقہ تقویٰ اختیار کیا۔ اب آپ رحلت فرما گئے ہیں تو لوگ چوراہے پر کھڑے ہیں ناواقف کو راہ سجھائی نہیں دیتی اور واقف یقین سے بہرہ مند نہیں ہوتا“ (۱)

دوسرے مقام پر جب خلیفہ نے رومیوں کے ساتھ جنگ میں بذاتِ خود شریک ہونے کے مسئلہ میں ان سے مشورہ طلب کیا تو انہوں نے خلیفہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

”اگر آپ دشمن کی طرف بذاتِ خود جاتے اور ان کے مقابلہ میں اترتے ہیں تو شکست کی صورت میں

(۱) نہج البلاغہ ج ۲، ص ۲۲۲۔

مسلمانوں کے لئے بعید ترین علاقے کے سوا کوئی جانے  
 پناہ نہیں ہوگی اور آپ کے بعد کوئی مرکزی شخصیت  
 بھی نہ رہے گی جس کی طرف وہ رجوع کریں لہذا  
 ان کی طرف کوئی تجربہ کار آدمی بھیج دیں آزمودہ کار  
 اور خیر خواہ مصاحب اس کے ساتھ کر دیں اگر اللہ  
 تعالیٰ نے اسے فتح نصیب کی تو، یہی آپ چاہتے  
 ہیں بصورت دیگر لوگوں کے سر پر آپ کا سایہ  
 قائم رہے گا اور آپ کی ذات مسلمانوں کے لئے  
 مرجع رہے گی اور ان کی ڈھارس بندھنے لگی (۱)

ایک مرتبہ جب خلیفہ عمرؓ نے علیؓ ابن ابی طالب سے جنگ  
 کے لئے جانے کے متعلق مشورہ طلب کیا تو امام علیؓ نے بذات خود نہ جانے کی نصیحت کرتے  
 ہوئے کہا۔

” آج عرب اگرچہ تعداد میں تھوڑے ہیں لیکن  
 اسلام کی بدولت کثیر اور اتفاق کی بدولت  
 غالب ہیں آپ محور بن کر عربوں کے ذریعے چمکی  
 چلائیں اور خود ایک طرف رہ کر ان کو جنگ کی  
 آگ میں جھونکیں اگر ایرانیوں نے آپ کو ان کے  
 ساتھ دیکھا تو سوچیں گے کہ عربوں کی جڑ یہی ہے  
 اسے کاٹ ڈالو تو راحت پالو گے اس طرح

یہ امر ان کے آپ پر اُٹھانے کا باعث ہو گا اور وہ آپ کے متعلق اپنے مذموم عزائم کی تکمیل کا حوصلہ پائیں گے جہاں تک ان کی اس استعداد کا تعلق ہے جس کا آپ نے ذکر کیا تو ہم پہلے بھی ان کے ساتھ کثرت کی وجہ سے مقابلہ نہ کر سکتے تھے یہاں جنگ تو اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت سے ہوتی ہے (۱)

اور یہ دیکھتے حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ بن عفان سے عموگفتگو ہیں اور انہیں اللہ کے رسول کے مقرب صحابی کی صفات سے متصف بتا رہے ہیں:

”لوگ میرے پیچھے ہیں انہوں نے مجھے اپنے اور آپ کے درمیان واسطہ بنا کر بھیجا ہے اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ آپ کو کیا کہوں۔ میں کوئی ایسی چیز نہیں جانتا جس سے آپ ناواقف ہوں میں آپ کی رہنمائی کسی ایسے امر کی طرف نہیں کر سکتا جیسے آپ جانتے تہوں آپ بھی وہ کچھ جانتے ہیں جس کا علم ہمیں ہے۔ ہم کسی چیز میں آپ سے آگے نہ تھے کہ آپ کو اس کی خبر دیں اور ہم کسی امر میں منفرود نہ تھے کہ آپ تک وہ بات پہنچائیں آپ نے بھی ہماری طرح دیکھا اور ہماری طرح سنا آپ نے بھی رسول اللہ کی مصاحبت کی جیسا کہ ہم نے کی۔ ابن ابی قحافہؓ اور عمرؓ بن خطاب حق پر عمل کرنے میں آپ سے



آگے نہ تھے رشتہ کے لحاظ سے آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دونوں سے زیادہ قرب رکھتے ہیں آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دامادی کا شرف حاصل ہے جو ان کو نہ تھا پس اپنے باپے میں اللہ کا تقویٰ اختیار کریں۔ اللہ کی قسم آپ بے بصارت نہیں کہ آپ کو راہ دکھائی جائے آپ جاہل نہیں کہ آپ کو تعلیم دی جائے“ (۱) ایسے ہی ایک مرتبہ حضرت امام علیؑ ابن عباس کے ساتھ خلیفہ عثمان کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”اے ابن عباسؓ، عثمانؓ تو بس یہ چاہتا ہے کہ مجھے پانی کے ڈول نکالنے والا اونٹ بنا لے کہ میں آگے پیچھے ہوتا رہوں میری طرف اس نے پیغام بھیجا کہ میں جاؤں، پھر پیغام بھیجا کہ میں آؤں اب پھر پیغام بھیجا ہے کہ جاؤں میں نے اس کا اس حد تک ذراع کیا ہے کہ مجھے ڈر ہے کہیں گناہ گار نہ ہو جاؤں“ (۲) معاویہ بن ابی سفیان کے نام ایک خط میں خلیفہ عثمانؓ بن عفان کے متعلق اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

” پھر تم نے جو میرے اور عثمانؓ کے معاملے کا تذکرہ کیا ہے تمہارا حق ہے کہ تمہیں اس کا جواب دیا جائے

(۱) منہج البلاغہ ج ۲، ص ۲۳۲۔

(۲) منہج البلاغہ ج ۳، ص ۳۰۔

کیوں کہ تم اس کے قریبی رشتہ دار ہو تو بتاؤ ہم میں سے کون اس کا دشمن اور اس کی قتل گاہ کی راہ جاننے والا تھا کیا وہ جس نے انہیں نصرت کی پیش کش کی لیکن انہوں نے اسے بیٹھے رہنے اور ہاتھ روکنے کو کہا یا وہ جس سے انہوں نے مدد مانگی تو اس نے دیر کی اور موت کے اسباب روانہ کر دیئے میں اس بات سے معذرت نہیں کر سکتا کہ بعض امور میں ان پر ناراضگی کا اظہار کرتا ہوں اور میرا گناہ یہ ہے کہ میں ان کی رہنمائی کرتا اور سیدھی راہ دکھاتا رہا ہوں میری طرح کے کتے ہی لوگ ہوں گے جنہیں ملامت کی جاتی ہے لیکن ان کی خطا نہیں ہوتی“ (۱)

اور یہ دیکھتے بنو امیہ کا بزرگ ابوسفیانؓ امام علیؓ کی خدمت میں ان کے گھر میں حاضر ہوتا ہے اور ان سے کہتا ہے

”اس معاملہ میں قریش کا حقیر ترین گھرانہ غالب آ گیا ہے اللہ کی قسم میں اس سرزمین کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں گا اپنا ہاتھ لاؤ کہ تمہاری بیعت کر لوں“  
تو امام علیؓ اس سے کہتے ہیں۔

(۱) منہج البلاغہ، ج ۳، ص ۳۰۔

”تم اسلام اور اہل اسلام کے دشمن ہی رہے اور  
تمہاری دشمنی اسلام اور مسلمانوں کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکی  
ہم نے ابوبکر کو اس منصب کے اصل سمجھا، تم تو بس  
فتنہ برپا کرنا چاہتے ہو“ (۱)

اگر خلفاء کے متعلق امام علیؑ کا موقف یہ ہو اور وہ صراحت کے ساتھ اس  
کا اعلان کرتے ہوں تو کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ امام زبان سے تو یہی کہتے تھے لیکن دل میں  
کچھ اور چھپانے سمئے تھے! معاذ اللہ من ذلک! اگر امام ایسے ہوتے کہ ظاہر کچھ کریں  
اور پوشیدہ کچھ اور رکھیں تو آپ وہ موقف اختیار نہ کر سکتے جو انسانی تاریخ میں ہمیشہ  
کے لئے ناقابل فراموش ہے وہ تو صدق، اخلاص اور ایمان کا موقف ہے ایک ایسے  
انسان کی طرف سے جو ہر قسم کی قیاس آرائیوں سے قطع نظر کر کے اول و آخر حقی و صداقت  
کا ساتھ دیتا ہے اور اس راستے میں بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے تیار رہتا ہے  
چنانچہ یوم شوریٰ میں جب عبدالرحمان بن عوف نے امام علیؑ کو خلافت بہ کہہ کر پیش کی،  
”میں تمہاری اس شرط پر بیعت کرنے کو تیار ہوں  
کہ تم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ اور سیرت  
یشیخین پر کار بند رہو گے“  
تو امام نے فرمایا:

”کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اپنی مجتہدانہ رائے“

عبدالرحمان بن عوف نے اپنی بات تین بار دہرائی اور امام نے بھی وہی  
جواب تین بار دہرایا۔ پھر عبدالرحمان عثمانؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور اسی صورت میں  
خلافت پیش کی جس صورت میں امام کو پیش کی تھی تو عثمانؓ نے اسے قبول کر لیا اور ان



کے لئے بیعت ہوئی۔

کیا وہ عملی تجویز و نفاذ کرنے کی نیت سے ایک کلمہ "ہاں" نہیں کہتا اور اس کے لئے اسلامی خلافت کی طرف جس کا پرچم ربح مسکون کے بڑے حصے پر لہا رہا تھا آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا کبھی خوشامد کر سکتا ہے؟ اور کبھی ایسی بات کرتا ہے جو اس کے ضمیر کے مطابق نہیں ہے یا خلفاء کی بیعت کر لیتا ہے اور ان کی تعریف میں بہت سی باتیں کرتا ہے ان کے ساتھ ناصحانہ اور امانتدارانہ رویہ اختیار کرتا ہے اور اس کا اصل مقصد یہ سب کچھ نہیں ہوتا؟

باوجودیکہ تاریخ اسلام کے اس ناقابل فراموش لمحہ میں امام علی کے موقف کی دلکش تصویر ان کے فضائل، صدق، اخلاص اور زہد فی الدنیا کے متعلق تفصیل میں جانے سے بے نیاز کر دیتی ہے تاہم اس مقام پر ہم امام کی زبان سے نکلے ہوئے چند جملے جو انہوں نے اپنے متعلق، اپنے اخلاص کے بارے میں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنے آپ کو فنا کر دینے کے جذبے کے متعلق فرمائے ہیں درج کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

اللہ کی قسم! اگر ساتوں جہان اور جو ان کے آسمانوں کے نیچے ہے مجھے اس خاطر دیئے جائیں کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے میں چوٹی کے منہ سے جو کا دانہ تک چھین لوں تو ہرگز ایسا نہ کروں گا، تمہاری یہ دنیا میرے نزدیک اس پتے سے بھی کم تر ہے جو ایک ٹڈی کے منہ میں ہو اور وہ اسے چبا رہی ہو<sup>۱</sup>۔  
ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

”یہ آنا ملا پانی ہے اور لغتہ ہے جو کھانے والے کے گلے میں اٹک جاتا ہے اور پھل جو چکنے سے پہلے کاٹا جائے، ایسے کاشتکار کی طرح جو کسی دوسرے کی زمین میں بیج ڈالے اگر بولوں تو کہتے ہیں بادشاہی کی حرص ہے اگر چپ رہوں تو کہتے ہیں موت سے ڈر کا نتیجہ ہے اس سب کچھ کے بعد یہ کس قدر بعید ہے اللہ کی قسم! ابوطالب کا بیٹا موت سے اس سے بھی زیادہ مانوس ہے جس قدر بچہ ماں کی چھاتی سے ہوتا ہے“ (۱)

عثمان بن حنیف والی بصرہ کے نام ایک خط کے ضمن میں فرمایا:  
 ” اللہ کی قسم! میں نے تمہاری دنیا سے سونا جمع نہیں کیا نہ اس کی فینستوں سے وافر ذخیرہ کیا ہے اور نہ میں نے اپنے بوسیدہ جوڑے کو بدلنے کیلئے کوئی پرانا کپڑا ہی رکھا ہے کیا میں اس پر راضی رہوں کہ مجھے امیر المؤمنین کہہ کر بلا یا جائے اور میں مانے کے مصائب میں ان کا شریک نہ بنوں یا میں تنگ و ترشی کی زندگی میں ان کے برابر نہ رہوں یا میں پیٹ بھر کر کھاؤں اور میرے گرد بھوکے پیٹ اور پیاسے حرارت زدہ جگر ہوں ناممکن ہے کہ میری خواہش

نفس مجھے کھانوں اور لذتوں کے انتخاب کی طرف لے جائے اور نجد و یامہ میں شاید ایسے لوگ بھی ہوں جو سیر ہو کر کھانا بھول چکے ہوں بلکہ روٹی کی امید بھی باقی نہ رکھتے ہوں اور شاید تم میں سے کوئی یہ کہہ دے کہ اگر ابو طالب کے بیٹے کی خوراک یہی ہے تو کزوری اُسے بہادروں سے مبارزت اور جنگ کرنے سے عاجز کر کے چھوڑے گی جان لو کہ جنگل کے پودوں کی مکثری سخت ہوتی ہے اور سرسبز پودوں کی پھال نرم ہوتی ہے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وہی رشتہ رکھتا ہوں جو ایک جڑ سے پھوٹنے والے دو تنوں میں ہوتا ہے اور جو بازو کا کلائی سے ہوتا ہے اللہ کی قسم! اگر تمام عرب بھی میرے ساتھ لڑائی کے لئے نکل آئے تو میں ان کے مقابلہ سے منہ نہ موڑوں گا، (۱)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں

اللہ کی قسم! یہ بات کہ میں رات بھر سعدان کے کانٹوں پر لوٹتا رہوں زنجیروں میں جکڑا کھینچا جاتا رہوں مجھے اس بات سے پسند ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول کے سامنے اس حالت میں پیش ہوں



کہ میں نے بندوں پر ظلم کیا ہو یا دنیا کا سامان

غضب کیا ہو“ (۱)

عبداللہ بن عباس کو دیکھئے کہ ایک روز ”ذیقاز“ کے مقام پر حضرت علیؓ کے پاس جاتے ہیں تو انہیں جو تمارت کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ حضرت امام ان سے پوچھتے ہیں کہ اس جوتے کی قیمت کیا ہے ؟

ابن عباس کہتے ہیں اس کی کچھ قیمت نہیں

تو امام فرماتے ہیں اللہ کی قسم مجھے یہ تمہارا میر بننے سے زیادہ پسند ہے  
”الآنہ کہ میں کوئی حق قائم کر سکوں یا باطل مٹا سکوں“

یہ بھی ضروری ہے کہ جنگِ جبل کے بعد سیدہ عائشہؓ کے ساتھ حضرت

امام علیؓ کے سلوک کا تذکرہ کروں چنانچہ حضرت امام نے سیدہ عائشہ ام المؤمنین کا وہ احترام کیا جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہونے کی وجہ سے آپ مستحق تھیں جب میدانِ جنگ سے قریشی خواتین کی معیت میں انہیں واپس کیا۔

البتہ شیعہ تو سیدہ عائشہؓ کو اس جنگ میں حضرت علیؓ کے مقابل

نکلنے کو معاف کرنے پر آمادہ نہیں ہیں یہی وجہ ہے کہ ام المؤمنین کے ساتھ ان کا رویہ

امام کے رویہ سے متعارض ہے میں اس مقام پر وہ امور ذکر نہیں کرنا چاہتا جو سیدہ

عائشہ کے حامی امام علیؓ کے بالمقابل ان کے خروج کو جائز ثابت کرنے کے لئے ذکر کرتے

ہیں اس لئے کہ یہ معروف چیزیں ہیں کتابوں کی دسیوں جلدوں میں یہ تذکرہ پھیلا ہوا

ہے انہیں دہرانے کا کوئی فائدہ نہیں نہ ان کی کچھ ضرورت ہے۔

میں تو خالص شیعہ منطق کے ساتھ نظر مآتی و نکل کا خاتمہ کرنا چاہتا ہوں

یعنی امام علیؑ نے اس جنگ کی ذمہ داری سیدہ عائشہؓ پر نہیں ڈالی بلکہ انہیں اس سے بری قرار دیا جس کی انہوں نے قیادت کی امامؑ ہی وہ خلیفہ تھے جو لوگوں کے درمیان حق کے مطابق فیصلے فرماتے اور اس سے سرموا انحراف نہ کرتے جب حضرت امام نے یہ ذمہ داری اس گروہ پر ڈالی جنہوں نے ام المؤمنینؑ کی سادگی سے فائدہ اٹھا کر ایک منتخب شرعی خلیفہ کے خلاف جنگ کی قیادت کے لئے انہیں ان کے گھر سے نکالا۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام علیؑ کی نگاہ میں حضرت عائشہؓ جنگِ جمل کے تمام متعلقات اور نتائج سے بری ہیں یہی وجہ تھی کہ انہوں نے سیدہ عائشہؓ کے ساتھ عزت و احترام کے ساتھ پیش آنے اور مدینہ واپس پہنچانے کا حکم دیا جیسا کہ تمام کتب تاریخ متفق ہیں تاکہ ثابت کر سکیں کہ حضرت امام جو عادل قاضی تھے کی نگاہ میں سیدہ عائشہؓ بے گناہ تھیں۔ اب کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ حضرت امام کے عمل اور رائے کو چیلنج کرتے ہوئے حضرت عائشہؓ پر اعتراض کرے یا زبانِ جن دراز کئے کہ حضرت امامؑ، جنگِ جمل اور ائمہ المؤمنینؑ کی ناکام قیادت پر گفتگو کرتے ہوئے پُرمزور انداز میں صراحت فرما چکے ہیں :

مدان کا احترام اب بھی پہلے کی طرح واجب ہے، حساب لینا اللہ کا کام ہے۔“ (۱)

بہت سے مقامات پر حضرت علیؑ نے اس مسئلہ میں ان لوگوں کو ذمہ وار ٹھہرایا ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرمِ پاک کے نام سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور آپ کے الفاظ میں انہیں اپنے پیچھے لگا لیا۔ (۲)

حسن اتفاق ہے کہ شیعہ علماء میں سے بھی بعض نے یہی موقف اختیار کیا جو ام المؤمنینؑ کے لائق ہے اور ان کے بلے میں جارحانہ کلام سے روکتے رہے چنانچہ سید مہدی طباطبائی جو بارہویں صدی کے شیعہ علماء میں سے تھے اپنے فقہی قصیدہ میں

(۱) ، مجمع البلاغہ ج ۲، ص ۴۸۔

(۲) ، مجمع البلاغہ ج ۳، ص ۸۲۔

حضرت عائشہؓ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں :

أَيَا حَيْرَاءَ سَبَلُ مُحَرَّمٍ  
لَأَجْلِ عَيْنِ الْفُ عَيْنِ نَيْكِرٍ  
اے حیرا تمہیں سب و شتم کرنا حرام ہے ایک  
آنکھ کی خاطر ہزار آنکھ کا احترام ضروری ہو جاتا ہے

## خلافت اور خلفاء کے متعلق ائمہ شیعہ کے اقوال

ہم اس فصل کا اختتام خلافت اور اس کے متعلق جیسا کہ ہم نے اس فصل کے مقدمہ میں کہا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نص کے موجود نہ ہونے کے متعلق ائمہ شیعہ کے موقف کی واضح نقوش والی تصویر کھینچ کر کرنا چاہتے ہیں تاکہ بحث مکمل ہو جائے اگر امامت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور بارہویں امام تک صرف حضرت علیؓ کی اولاد میں منحصر ہوتی جیسے کہ شیعہ کا مذہب ہے تو ضروری تھا کہ حضرت علیؓ اپنے بیٹے حسنؓ کو اپنے بعد خلیفہ اور امام کے طور پر مقرر کرتے جب کہ راویوں اور مؤرخوں کا اتفاق ہے کہ امام نے بھی ابن طلحہ مرادی کی زہر آلود تلوار سے وار کے بعد جب بستر شہادت پر تھے اور ان سے پوچھا گیا کہ وہ کس کو خلیفہ بنا کر جا رہے ہیں تو فرمایا :

” میں تمہیں ویسے ہی د بلائعین خلیفہ (چھوڑ کر جا رہا ہوں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ کر گئے تھے “

امام کی وفات کے بعد مسلمان جمع ہوئے اور ان کے فرزند حضرت حسنؓ کو خلیفہ چن لیا اور خلیفۃ المسلمین کے طور پر ان کی بیعت کر لی۔ لیکن امام حسنؓ نے معاویہؓ کے ساتھ صلح کر لی اور خلافت سے دستبردار ہو گئے امام نے صلح کی وجہ یہ



بتائی کہ یہ مسلمانوں کی خونریزی روکنے کے لئے ہے۔

تم خود سوچو۔ اگر خلافت منصب الہی ہوتا تو کیا حضرت امام حسنؑ خونریزی روکنے کے لئے اس حق سے دستبردار ہو سکتے تھے جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ جب اللہ کے حکم اور شریعت کا دفاع کیا جا رہا ہو تو اس مقام پر خونریزی روکنے کا معنی ہی کچھ نہیں ہے ورنہ پھر اللہ کی راہ میں اس کے دین و شریعت اور اوامر و نواہی کی مضبوطی کے لئے جہاد و قتال کے حکم کا کیا مطلب رہ جاتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اور آسمانی حق کے سامنے جانیں بچانا تو اس آیت سے کھلا تعارض رکھتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ  
 وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ  
 فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ  
 وَعَدًّا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ  
 وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَدْفَا بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ  
 فَاسْتَبْعَدُوا بَبِيعِكُمْ الَّذِي بَايَعْتُمْ  
 بِهِ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۱﴾

”اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں اور (اس کے عوض میں) ان کیلئے بہشت (تیار کی) ہے یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو مارتے بھی ہیں اور مارے جلتے بھی ہیں۔ یہ تورات اور انجیل اور قرآن میں سچا وعدہ ہے جس کا پورا کرنا اسے ضرور ہے اور اللہ سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے تو جو سودا تم نے اس سے

کیا ہے اس سے خوش رہو اور یہی بڑی کامیابی ہے،

جب امام حسین یزید بن معاویہ کی خلافت کا تختہ الٹنے کے لئے اٹھے اور اپنے بیٹوں اور ساتھیوں سمیت کربلا میں شہید ہو گئے تو انہوں نے کبھی یہ نہیں کہا تھا کہ وہ آسانی خلافت کا دفاع کر رہے ہیں جسے یزید نے چھین لیا ہے بلکہ وہ صرف یہ کہتے تھے کہ وہ یزید کی نسبت زیادہ حق رکھتے ہیں اور یہ کہ ان جیسا آدمی یزید کے ہاتھ پر بیعت نہیں کر سکتا اور یہ کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے احیاء کے لئے اٹھے ہیں جو یزید کے ہاتھوں سے تحریف کا شکار ہو رہا ہے۔

امام علی بن الحسین جن کا لقب سجاد ہے کے اقوال میں بھی کوئی ایسی عبارت نہیں ملتی جو دلالت کرے کہ خلافت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے۔ امام سجاد کے بعد امام محمد الباقر کا زمانہ آتا ہے اور انہی کے دور میں اہل بیت کا فقہی مذہب ترقی پذیر ہوا جسے ان کے بیٹے جعفر صادق نے تکمیل تک پہنچایا، اس طرح ہمیں تو خلافت الہیہ کے نظریہ کا کوئی ظاہر و نشان نظر نہیں آتا نہ ان دونوں کے زمانہ میں اور نہ ہی غیبت بکری تک دوسرے ائمہ شیعہ کے زمانہ میں۔

اور اس مقام پر ایک اور چیز غور و فکر کے لائق ہے حضرت ابو بکرؓ سمیت خلفاء راشدین پر طعن و تشنیع کے متعلق شیعہ راویوں کی جملہ روایتوں کا خاتمہ کرنے کے لئے اس پر توجہ مرکوز کرنا ضروری ہے وہ یہ کہ امام صادق جو اثناعشری جعفری مذہب کے بانی اور سربراہ سمجھے جاتے ہیں کئی مقام پر فخر یہ کہتے ہیں،

” ابو بکر دو اعتبار سے میرے جد امجد ہیں “

امام صادق کا نسب دو طریقوں سے ابو بکر تک پہنچتا ہے ایک تو ان کی والدہ فاطمہ بنت قاسم بن ابی بکرؓ کے توسط سے اور نانی اسماء بنت عبد الرحمن بن ابی بکر کے واسطے سے جو فاطمہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ کی والدہ تھیں لیکن یعقوب کی



بات ہے کہ ہمارے راویوں نے اللہ انہیں معاف کرے۔) اسی امام سے جو اپنے جدِ امجد ابو بکرؓ پر فخر کرتا ہے ایسی بے شمار روایات ذکر کی ہیں جن میں حضرت ابو بکرؓ پر فخر کی گئی ہے تو کیا یہ معقول ہے کہ ایک طرف تو امام اپنے جدِ امجد پر فخر کریں اور دوسری طرف ان پر زبانِ طعن دراز کریں؟ اس قسم کی بات عام بازاری آدمی سے تو صادر ہو سکتی ہے لیکن معاذ اللہ۔ اس امام سے صادر نہیں ہو سکتی جسے اپنے زمانہ و عہد کا سب سے بڑا فقیہ اور متقی سمجھا جاتا ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ شیعہ راویوں نے ائمہ شیعہ کے ساتھ جی کے انصار ہونے اور ان کے موروثی علوم کو زندہ رکھنے کے لئے متعدد کتابیں تالیف کرنے کا وہ خود دعویٰ رکھتے ہیں انہوں نے ان کے ساتھ بڑا سلوک کرنے میں بالواسطہ طریقہ سے بڑا فعال کردار ادا کیا۔ ہم ان کتابوں کی تالیف اور ان میں موجود بائبل کی طرح غلط روایات کے زلنے کو شیعہ اور تشیع کے مابین محرکہ آرائی کے عصرِ اول کا نام دیتے ہیں کیوں کہ شیعہ اور تشیع میں کشمکش اسی زمانہ میں منقسم ہوئی۔ میرا خیال ہے کہ خلافت اور اس کے متعلقات کے بارے میں ہم نے تفصیل سے گفتگو کی ہے اور اب ہمارے ذمے یہ ہے کہ نظریہ اصلاح و یقین کے متعلق گفتگو کریں جس کی ہم دعوت دیتے ہیں جس کے ہم متنی ہیں اور فرزندانِ شیعہ امامیہ کو جس پر چلنے اور اس کے پرچم تلے جمع ہونے کی ترغیب دیتے ہیں۔ ہم شیعہ کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ علمِ فروشوں اور پیشہ ور مقررین اور

فرقہ بندی کی دعوت کو ذریعہٴ معاش بنانے والوں کے بالمقابل اپنی تمام تر قوت و استعداد کو بڑے کار لاتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوں۔ فرزندانِ شیعہ میں سے اصحابِ فکر و نظر اور تعلیم یافتہ طبقہ سے۔ کہ جن کے ساتھ ہم نے نظریہٴ یقین کے جس کی طرف ہم دعوت دیتے ہیں۔ کی کامیابی کے لئے امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں۔ ہم اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس اکثریت کو سیدھی راہ دکھانے کے لئے مینار بن جائیں جو فرقہ بندی کے داعیوں اور تنگ ذہنوں ہمارے



دحوں اور خواہشات کے پیروں سے سنی سنائی باتوں پر ایمان لے آتی ہے  
اصلاحی کجاوینز

اب میں تفریح کے بنیادی نقاط سینٹا شروع کرتا ہوں اور میری امید اس  
 تعلیم یافتہ، روشن دماغ اور بالغ نظر طبقہ سے وابستہ ہے جس کی جانب پہلے اشارہ کر چکا ہوں  
 (۱) خلافت کے موضوع کو اس حقیقی دائرے سے باہر نہیں نکلنا چاہیے جس کی  
 تفریح قرآن کریم نے کی ہے۔

وَآخِرُهُ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ ۖ

وہ اپنے کام آپس کے مشورے سے کرتے ہیں“

قرآن اور اجماع مسلمین کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے شیعہ کو چاہیے  
 کہ خلفاء راشدین کو اس نگاہ سے دیکھیں اور ان کے بائے میں وہی رویہ اپنائیں جو امام علیؓ  
 نے اختیار کیا تھا، یہ تسلیم کر لیں کہ خلفاء راشدین اسلام کے اولین معاروں میں سے تھے  
 انہوں نے اپنی مدتِ خلافت میں اجتہاد کیا جس میں کبھی درست فیصلہ تک پہنچے اور کبھی  
 خطائے اجتہادی کا شکار ہوئے ان میں سے ہر ایک نے جہاں تک اس سے ہوسکا خدمتِ  
 اسلام انجام دی۔

چنانچہ خلیفہٴ اول نے اپنی احتیاط، صبر، جرأت اور قطعی فیصلہ کی حمت  
 سے فتنہ ارتداد سے اسلام کو بچایا وہ فتنہ ارتداد جو ان جنگوں کا سبب بنا جن میں  
 بیس ہزار صحابہ اسلام کا دفاع کرتے ہوئے شہید ہوئے اور مسلمان اس آزمائش سے سرفراز  
 ہو کر نکلے۔

یہ دیکھیے امام علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے دن ان کے دروازے

پر کھڑے انہیں مخاطب کر کے کہہ رہے ہیں۔

”اے ابوبکر! تم پر اللہ کی رحمت ہو تم سب سے

پہلے اسلام لانے تمہارا اخلاص سب سے بڑھ کر  
 تھا اور یقین سب سے زیادہ قوی سب سے بڑھ  
 کر فائدہ بھی تمہیں نے پہنچایا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
 کا خیال سب سے زیادہ تم نے رکھا، خلق، فضیلت  
 عادات و اطوار میں نبی کے ساتھ مشابہت رکھنے  
 والے بھی تمہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اسلام  
 رسول اللہ اور مسلمانوں کی جانب سے جزائے خیر  
 عطا فرمائے تم نے اس وقت رسول اللہ کی تصدیق  
 کی جب لوگ انہیں جھوٹا کہہ رہے تھے، تم  
 اس وقت آپ کے ساتھ کھڑے ہوئے جب لوگ  
 بیٹھ چکے تھے اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام صدیق رکھا  
 والذی جاء بالصدق وصدق به  
 (جو سچ لایا اور جس نے اس کی تصدیق کی)  
 اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تم  
 ہو۔ اللہ کی قسم تم اسلام کے لئے قلعہ اور کفار  
 کے لئے ایک عذاب تھے، تمہاری صحبت کم نہیں  
 ہوئی اور نہ تمہاری بصیرت کمزور پڑی، نہ  
 تمہارا حوصلہ پست ہوا، تم پہاڑ کی مانند تھے جسے  
 آندھیاں نہیں ہلا سکتیں تم رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق کمزور بدن لیکن اللہ  
 کے حکم پر عمل کرانے میں قوی تھے اپنے آپ میں

متواضع لیکن اللہ کے ہاں عظیم المرتبت، زمین میں معزز اور  
 مومنوں کے نزدیک معظم تمہیں تھے، کوئی شخص تم سے غلط توقع  
 نہیں رکھ سکتا تھا نہ تمہارے اندر کسی ایک لپکے لپکے تھی، طاقتور  
 تمہارے نزدیک کمزور ہوتا تھا جب تک کہ تو اس سے حق نہ لے  
 اور کمزور تمہارے نزدیک طاقتور ہوتا تھا جب تک کہ تو اس سے  
 اس کا حق نہ دلا دے اللہ تعالیٰ تمہارے اجر سے ہمیں محروم  
 نہ رکھے اور تمہارے بعد ہمیں گمراہ نہ کرے (۱)

اور خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ بن الخطاب نے ناقابل فراموش جرأت کے  
 ساتھ مشرق و مغرب میں دائرہ اسلام کو وسعت دے کر اسلام کو عظیم قوت عطا کر  
 وہی ہیں جنہوں نے وسیع و دور دراز علاقوں مثلاً شام، مصر و فلسطین اور ایران میں  
 اسلام کی بنیادیں مضبوط کیں۔

اور خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ بن عفان جنہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی  
 دوہری دامادی کا شرف حاصل ہوا، اگر وہ اپنے بہت سے ساتھیوں میں ممتاز مقام کے حامل  
 نہ ہوتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے نکاح میں اپنی دو بیٹیاں نہ دیتے۔ زمانہ  
 دعوت میں انہوں نے بڑی جدوجہد کی۔ ان کے لئے ہی فخر کافی ہے کہ اغنیاء قریش  
 میں سے تھے۔ ایک ہزار سرخ اونٹ کے مالک تھے انہوں نے وہ اونٹ بیچے اور ان کی  
 قیمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے راستے میں اور مسلمانوں پر خرچ کر دی  
 اس زمانے کے حساب کے مطابق ان کی قیمت کا اندازہ دس لاکھ طلائی سکے لگایا گیا  
 تھا۔ آپ کا عہدِ خلافت وہ زمانہ تھا جس میں اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتے

(۱) عبد الرحمن شرفاوی - ملاحظہ ہو "الصدیق اول الخلفاء"



ہوتے ہندوستان کے آس پاس پہنچ گیا۔ زندگی کے اواخر میں بھی وہ امور خلافت کی ادائیگی میں ناکام نہیں ہوئے بلکہ وہ اسی برس کی عمر کو پہنچنے کے باوجود جب شہید ہوئے تو تلاوت قرآن میں مشغول تھے۔

خلفاء کے متعلق طعنہ زنی اور اخلاق سے گرے ہوئے لب و لہجہ میں ان کی مذمت۔ جیسا کہ شیعہ کی اکثر کتب میں پائی جاتی ہے جائز نہیں۔ یہ انداز گفتگو تمام اسلامی اور اخلاقی معیاروں کے منافی ہے حتیٰ کہ امام علی رضی اللہ عنہ کے کلام اور خلفاء کے حق میں ان کے توصیفی اور تعریفی کلمات سے بھی۔ جیسا کہ ہم پہلے درج کر چکے ہیں بالکل متضاد ہے شیعہ پر واجب ہے کہ خلفاء راشدین کا احترام کریں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا تعلق چھپانیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے داماد بنے عثمان رضی اللہ عنہ کے دوبارہ داماد بنے حضرت عمر رضی اللہ عنہم الخطاب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے داماد بنے ان کی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور میں اس دعوت لقیح شیعیت میں شیعہ سے ہرگز یہ مطالبہ نہیں کروں گا کہ امام سے پہلے ہونے والے تین خلفاء کے متعلق ان کے باسے میں امام علی کے فرامین سے بڑھ کر کچھ اعتقاد رکھیں۔ اگر شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنائیں تو امت اسلامیہ پر فکری امن و سلامتی کا دور دورہ ہو جائے گا جس میں عظیم اسلامی وحدت کی ضمانت ہے۔

- ۲۔ ان شیعہ کتب کی تطہیر جن میں خلفاء راشدین کے متعلق ائمہ شیعہ سے روایات ذکر کی گئی ہیں اور مندرجات کی چھان پھینک کے بعد ان کتابوں کو دوبارہ چھاپنا
- ۳۔ شیعہ کو یقینی طور پر یہ عقیدہ بنالینا چاہیے کہ وہ تمام روایات جو شیعہ کتب میں خلفاء کے متعلق اور خلافت کے موضوع پر لفظوں الہیہ کے باسے میں ہیں یہ وہی روایات ہیں جو زمانہ غیبت کبریٰ کے بعد وضع کی گئیں اور یہ اس زمانے میں ہو جب کہ شیعہ کے آخری امام۔ مہدی۔ تک رسائی کے تمام دروازے بند

ہو چکے تھے جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اسی لئے خلفاء راشدین کے حق میں طعن و تشنیع پر مشتمل روایات اور خلافت کے موضوع پر نصوص الہیہ کے بارے میں امام حسن عسکری کے زلمے تک کوئی نام و نشان نہیں ملتا جو شیعہ کے گیا رہیں امام تھے اور شیعہ ان تک براہ راست رسائی حاصل کر کے ان روایات کی صحت کے بارے میں دریافت کر سکتے تھے جو ان کے آباء و اجداد اماموں کی طرف منسوب کی جا رہی تھیں۔ لیکن بارہویں امام کے غائب ہو جانے اور اس غیبت کے بعد انہیں دیکھنے کا دعویٰ کرنے والے کی کھلے لفظوں میں تکذیب کے باقاعدہ اعلان کے بعد ائمہ شیعہ کے نام سے بعض راویوں نے روایات وضع کرنا شروع کیں کیوں کہ امام تک پہنچنا اور ان روایات کی صحت و سقم کے بارے میں سوال کرنا محال ہو چکا تھا چنانچہ ایسی احادیث اور قصے وضع ہوئے جنہیں پڑھتے ہوئے شرم کے مارے پیشانی عرق ندامت سے سزاور ہو جاتی ہے

۴ - شیعہ دلوں میں نفرت رکھنے کی پالیسی سے دست کش ہوں اور اگر یہ درحقیقت امام علیؑ کے انصار میں سے ہیں تو ان کے طرز عمل کو بھی اپنائیں اور اپنے بیٹوں کے نام خلفاء راشدین کے ناموں اور بیٹیوں کے نام ازواج رسول کے ناموں پر رکھا کریں۔ میری مراد عائشہؓ و حفصہؓ سے ہے کیوں کہ شیعہ ان دو ناموں سے ناک بھوں چڑھاتے ہیں امام علیؑ نے اپنے بیٹوں کے نام ابوبکر و عمر و عثمان رکھے ائمہ شیعہ بھی اسی راہ پر چلے ائمہ کی کتنی ہی بیٹیوں کا نام عائشہ و حفصہ ہو گا یہ قطع نظر اس سے ہے کہ خلفاء راشدین کے ناموں پر نام رکھنے میں فرقہ بندی کے جذبات اور گروہ بندی میں بند رہنے سے نجات اور مسلمانوں کے ساتھ وسیع تر اتحاد میں داخل ہونے کا راستہ بھی ہے۔

صلح پسند فرزندان اسلام پر یہ بات گراں گزرتی ہے کہ شیعہ



علاقوں میں انہیں ایسے افراد نہیں ملے جن کے نام خلفاء راشدین کے ناموں پر ہوں جب کوئی شخص شیعہ علاقوں کے طول و عرض میں سفر کرتا ہے تو یہ نام شاذ و نادر ہی پاتا ہے مثلاً ایران اور ایسے علاقوں میں جہاں شیعہ کا دوسرے اسلامی فرقوں کے ساتھ بہت اختلاف رہتا ہے ان ناموں کا نشان تک نہیں ملتا۔

۵۔ اس سیارہ (زمین) کے کسی بھی مقام پر موجود شیعہ کو جان لینا چاہیے کہ ان کی فکری اور اجتماعی پسماندگی کا حقیقی و بنیادی سبب اپنی مذہبی قیادت کی اتباع اور اس کی اندھی تقلید ہے جس نے انہیں بھیڑ بکریوں کی طرح سمجھا ہے کہ جہاں چاہیں ہانکتے پھریں۔ یہی لیڈر ہیں جو شیعہ کی بدبختی، مشکلات اور مصائب کا سبب بنے ہیں جن کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔

باوجودیکہ میں ان میں سے بعض قائدین کو مشتئی سمجھتا ہوں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ماضی و حال میں شیعہ کے اذہان میں فکری بدعتوں کا کنٹرول زمانہ غیبت کبریٰ سے آج تک اکثریت کے ہاتھوں میں رہا ہے اس میں شک نہیں کہ ان قیادتوں کی آمدن میں سے خمس (وہ بدعت جس کا ہم خاص فصل میں ذکر کریں گے) کے نام پر شیعہ کے اموال میں سے حاصل ہونے والے مالی امتیازات اور شیعہ کی گردنوں پر حکم چلانے کے لامحدود اختیارات جو انہوں نے اپنے لئے سمجھ رکھے ہیں۔ بند آنکھوں پر سے پردہ اٹھانے اور دنیا اور اس کے ساز و سامان سے بالاتر ہونے کی راہ میں مضبوط دیوار کی شکل اختیار کر گئے ہیں گویا کہ انہوں نے اللہ کا کلام سنا ہی نہیں جہاں وہ فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ  
لَا يَرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِى الْاَرْضِ  
وَلَا فِسَادًا  
وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝۱۱



” وہ جو آخرت کا گھر ہے ہم نے اسے ان لوگوں کے لئے تیار کیا ہے جو ملک میں ظلم اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے اور انجامِ نیک (توپر سبز کارڈ) اسی کا ہے“

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں  
”آخر ما یخرج من رأس الصدیقین

حب الجاہ“

”صدیقیوں کے سر سے جو چیز آخر میں نکلتی ہے

حُبِ جاہ ہے“

اب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ شیعہ کے مذہبی قائدین شیعہ کے ساتھ گیند کی طرح کھیل رہے اور انہیں پاؤں کی ٹھوکروں سے ادھر ادھر لٹھکتے پھرتے ہیں وہ خود بھی انہیں مذاقِ بظلمتے ہوئے ہیں اور پوری دنیا کی اقوام کے لئے اس جماعت کو تضحیک کا سامان بنا کر رکھ دیا ہے۔

میں عنقریب تصحیح کی ایک فصل میں شیعہ کی مذہبی قیادت کے استحصال کے دلائل و شواہد ذکر کروں گا<sup>(۲)</sup> جو انہوں نے تاریخ کے مختلف ادوار میں آج تک شیعہ فرقہ کے ساتھ - جہاں کہیں بھی یہ مسکین قوم موجود ہے روار کھا ہے میں ہر فصل میں صریح الفاظ میں وضاحت کروں گا تاکہ ایک بات دوسری بات سے غلط طعن نہ ہو اور انکار باہم دگر گڈ ٹڈنہ ہوں۔

(۱) دیکھیے فصل ”دہشت گردی“

KITABOSUNNAT  
.COM

# تقیہ

میرا پختہ اعتقاد ہے کہ دُنیا میں ایسا کوئی گروہ موجود نہیں ہے جس نے اپنی تذلیل و توہین اس حد تک کی ہو جسے قدرِ شیعہ نے خود اپنی تقیہ کا نظریہ قبول کر کے اور اسے پر عمل پیرا ہو کر کی ہے۔ میں اخلاص کے ساتھ اللہ کے حضور دُعا گو ہوں اور اسے دینے کا منتظر ہوں جب شیعہ اس پر عملے تو درکنار اسے کے تصور سے بھی نفرت کریں گے۔“



# KITABOSUNNAT .COM

تقیہ کا خالص شیعہ مفہوم کے مطابق اور جیسا کہ شیعہ کتب میں وارد ہے اور امامیہ مذہب کے بعض علماء کی غیبت بکری سے تادم تحریر پیش کردہ صورت کے مطابق۔ تصور کرنا بھی میرے لئے انتہائی مشکل ہے۔

میں نہیں جانتا کہ شیعہ سید الشہداء اور ائمہ بیوں کے امام حضرت حسینؑ کے انصار میں سے ہونے کا دعویٰ کس منہ سے کرتے ہیں جب کہ یہ تقیہ پر عمل پیرا ہیں، اس کے مطابق اعتقاد رکھتے ہیں اور اپنے لئے اسے پسند کرتے ہیں۔

میں یہ بھی نہیں جانتا کہ شیعہ عقائد اور ان کے زعماء کی صدیوں پر محیط کینچی ہوئی تصویر میں یہ عجیب تناقض کیا ہے۔ ایک طرف تو شیعہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ائمہ کی سیرت ان کے لئے حجت ہوتی ہے لیکن جب معاملہ تقیہ تک پہنچتا ہے اور وہ اس کے (بالخصوص دوسرے فرقوں کے سامنے) واجب العمل ہونے پر گفتگو کرتے ہیں تو ائمہ کی سیرت کو دیوار کے ساتھ دے مارتے ہیں۔

ہمارے بعض علماء نے اللہ ان پر رحم کرے۔ تقیہ کا دفاع کرنا چاہا<sup>(۱)</sup>

(۱) بہت بڑے شیعہ عالم سید محمد امین رحمہ اللہ اپنی کتاب الشیعۃ بین الحقائق والادھام کے صفحہ ۱۶۸ پر تقیہ کا دفاع کرتے ہوئے رقمطراز ہیں، تقیہ عقل و نقل دونوں سے ثابت ہے۔ عقل کا فیصلہ ہے کہ تقیہ کے ذریعہ ضرر سے بچاؤ کرنا جائز بلکہ واجب ہے اس پر تمام عقلاء متفق ہیں۔ نیز قرآن عزیز و سنت مطہرہ نے اس کے جواز کی تصریح کی ہے۔ قرآن میں اس مضمون کی کئی آیات ہیں جن میں سے ایک یہ ہے۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ  
الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا  
أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاتُ (۱)

مومنین کو چاہیے کہ مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اس سے اللہ کا کچھ (عہد) نہیں۔ ہاں اگر اس طریقے سے تم ان (کے شر) سے بچاؤ کی صورت پیدا کرو (تو مضائقہ نہیں)

امام رازی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں تقیہ صرف دوستی یا عداوت کے اظہار کی حد تک جائز ہے دین کے اظہار میں بھی جائز ہو سکتا ہے لیکن اگر دوسرے کو نقصان پہنچتا ہو اور وہ معاملہ قتل تک جا پہنچتا ہو تو تقیہ ہرگز جائز نہیں .... امام شافعی کا مذہب ہے کہ مسلمانوں کی حالت بھی مشرکوں جیسی ہو جائے تو جان بچانے کے لئے مسلمانوں کے سامنے تقیہ کر سکتا ہے۔ جان بچانے کے لئے تو تقیہ جائز ہے لیکن کیا مال بچانے کے لئے بھی جائز ہے؟ یا نہیں (بقیہ اُردہ صفحہ ۹۸)

لیکن جس تہیقہ کے متعلق شیعہ علماء گفتگو کرتے ہیں اور جو انہیں بعض زعماء نے سکھایا ہے وہ سرے سے وہ ہے ہی نہیں جس کا دفاع کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس کا معنی تو یہ ہے کہ آپ دل میں ایک بات پھیلنے رکھیں اور زبان سے کچھ اور کہیں، ایسا عمل جس کا عبادت کے ساتھ تعلق ہے لیکن آپ اس کے قائل نہیں ہیں اسلامی فرقوں کے سامنے بجائیں پھر اپنے گھر میں اپنے عقیدہ کے مطابق اس صورت میں دھرائیں جو آپ کے عقیدہ میں درست ہے۔

قبل اس کے کہ ان کی کینچی ہوئی تصویر کے مطابق تہیقہ کے تصور کے ظہور اور اس کے ائمہ کی طرف منسوب کرنے والے اسباب کے متعلق تفصیل گفتگو کروں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذرا گہری نظر سے ائمہ شیعہ کے خاص و عام زندگی میں طرز عمل کا جائزہ لیں تاکہ ہم دیکھ لیں کہ وہ تہیقہ سے بہت دور تھے اور اس سے بہت زیادہ نفرت رکھتے تھے اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ یہ امر معقول نہیں ہے کہ شیعہ کے ائمہ خود اس پر عمل نہ کریں جب کہ وہ اپنے پیروؤں اور حامیوں کو اس پر عمل کی تلقین کریں گزشتہ فصل میں امام علی رضی اللہ عنہ کی حدیث اور حق کے بارے میں ان کے بے لاگ رویہ کا ہم واضح ثبوت پیش کر چکے ہیں اسے ہم یہاں دہرانا نہیں چاہتے۔

(بقیہ ماشی پچھلے صفحہ کا) حدیث ”حرمتہ مال مسلم کحرمتہ دماء“ مسلمان کا مال بھی اس کے خون کی طرح حرام ہے اور حدیث ”من قتل دون مائہ فهو شہید“ جو اپنے مال کی حفاظت کرتا ہوا مار جائے وہ شہید ہے کی بنا پر اس کے جواز کا احتمال ہے۔

اصول کافی میں کلینی نے روایت کیا ہے کہ امام باقر نے فرمایا۔ تہیقہ صرف اپنی جان بچانے کی خاطر جائز ہے لیکن اس سے کسی دوسرے کے قتل تک نوبت پہنچ جائے تو یہ تہیقہ تو نہ ہوا۔



جہاں تک امام حسنؑ کا تعلق ہے جو شیعہ کے دوسرے امام تھے تو وہ بھی تقیہ اور لوگوں کو فریب دینے سے سب سے زیادہ پرہیز کرنے والے تھے۔ معاویہ کے ساتھ ان کی صلح اس کی شہادت دے رہی ہے امام حسنؑ کا صلح کر لینا انقلابی اقدام تھا اور اس زمانہ کی رائے عامہ جو امام کو گھیرے ہوئے تھی کے خلاف تھا۔ چنانچہ امام کو اپنے والد کے بہت سے ساتھیوں کی جانب سے جو کہ صلح نہیں چاہتے تھے کھلی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ یہاں تک کہ سیمان بن مرد نے جو کہ امام علیؑ کے بڑے حامیوں میں سے تھے امام حسنؑ کو یہ کہہ کر مخاطب کیا:

”السلام عليك يا مذل المؤمنين“

”السلام عليك مومنوں کو ذلیل کرنے والے“

اس صلح کے مخالفین متشدد اور طاقتور تھے امام کو ان کی جانب سے بہت کچھ برداشت کرنا پڑا لیکن اس سب کچھ نے امام کو کمزوری دکھانے پر مائل نہیں کیا بلکہ انہوں نے اس مخالفت کا بہادری کی طرح مقابلہ کیا اب تم خود سوچ لو کہ اگر امام حسنؑ کے دل میں تقیہ کا کوئی مقام ہوتا تو کیا وہ معاویہ سے صلح کرتے یا ان لوگوں کی آواز پر لبیک کہتے جو انہیں اس بات پر آمادہ کرنا چاہتے تھے کہ اس وقت تک جنگ کی جائے جب تک معاویہ مسلمانوں کے ایک منتخب شرعی خلیفہ مان کر امام حسن کی بیعت نہیں کر لیتے۔

پھر امام حسینؑ کا دور آتا ہے جو یزید بن معاویہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے ان لوگوں کی نصیحت بھی نہیں سنی جنہوں نے انہیں مدینہ میں رہنے کا مشورہ دیا تھا اور عراق کی طرف جانے سے منع کیا تھا۔ جو شخص بھی حسینی تحریک کا مطالعہ کرتا ہے

(۱) اہل بیت کے ان برگزیدہ حضرات کو ”شیعہ کے امام“ مجازی طور پر کہا گیا ہے کیوں کہ سب مسلمان رسول اللہ کے اہل بیت کا احترام کرتے اور انہیں مقدا سمجھتے ہیں۔

واضح طور پر جان لیتا ہے کہ امام حسینؑ اور ان کی اولاد و اصحاب کی شہادت اور ان کے اہل بیت کی گرفتاری معرکے سے پہلے ہی ان کی نظروں کے سامنے تھی اور یقین کی حد تک انہیں اس کا علم تھا۔ چنانچہ دس محرم کی رات کو حسین نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور کہا کہ کل جنگ ہونے والی ہے اور لامحالہ وہ شہید ہو جائیں گے انہوں نے اپنے ساتھیوں کو بیعت توڑنے کا اختیار دیا اور ان لوگوں کو جو اس اندھیری رات میں میدانِ جنگ چھوڑ کر جانا چاہتے تھے جانے کی اجازت دے دی اور انہیں کہا۔

”رات کو راونٹ کی طرح سواری بنا لو اور

اپنے ٹھکانوں کی طرف کوچ کر جاؤ“

چنانچہ جانے والے چلے گئے اور ساتھ رہنے والے شہادت پانے اور بقلے

دوام پانے والوں میں اپنا نام لکھوانے کے لئے بٹھہرے رہے کیا اس قسم کی انقلابی تحریک میں شیعہ کو تفسیر یا کوئی ایسی چیز۔ جس کا ان کے مزعومہ تفسیر سے دور کا بھی تعلق ہو۔

نظر آتا ہے؟

پھر امام علی بن حسین کا دور آتا ہے جن کا لقب سجاد ہے یہ وہی ہیں جنہوں نے کربلا میں خوزیری ہوتے دیکھی اور اس بیماری کے سبب جس نے انہیں بستر پر پڑا رہنے پر مجبور کر دیا تھا لڑائی میں حصہ نہیں لیا۔ انہیں دوسرے قیدیوں کے ساتھ ان کے والد کی شہادت کے بعد گرفتار کر لیا گیا اور زنجیروں میں جکڑ کر بغیر کھانے کے اونٹ پر سوار کر کے کربلا سے شام کی طرف بھیجا گیا اس میں شک نہیں کہ آئینوں اور خون سے بھری ہوئی اندوہناک صورت حال جس کا سجاد نے عاشوراء کے روز مشاہدہ کیا تھا اور وہ ذلت آمیز سلوک اور امانت جو انہیں قیدیوں کے ساتھ کربلا و دمشق کے درمیان سفر کے دوران برداشت کرنی پڑی ان کے ذہن میں ہر وقت اٹکی رہتی تھی امام علی السجاد تو عبادت کی طرف متوجہ ہوئے وہ دن رات روتے رہتے تھے حتیٰ کہ بکاء دہشت رنے والا



ان کا لقب مشہور ہو گیا۔

اس دائمی اندوہ کا جو امام کے دل کو بچوڑا رہتا تھا قدرتی نتیجہ تھا کہ آپ کے کلام اور خطبوں میں سے ایسی عبارتیں پھلک پڑیں جن نے برسرِ اقتدار اور بااختیار خلافت کو جو اس وقت تک ان کے جدا مجد علیؑ کو منبروں پر ہر نماز کے بعد بُرا بھلا کہتی تھی ہلا کر رکھ دیا چنانچہ امام سجادؑ نے ہمارے لئے چون دعائیں چھوڑی ہیں جو ایک کتاب میں جمع کر دی گئی ہیں اور ان دعاؤں کا نام ”صحیفہ سجادیہ“ ہے۔

جو شخص ان دعاؤں کو پڑھتا ہے یقینی طور پر جان لیتا ہے کہ کس طرح تعلقہ امام سجاد کے دل سے بعید ترین چیز تھی انہوں نے ان دعاؤں میں صراحت کے ساتھ بھی ضمنی طور پر بھی اموی حکومت کے پرہیزگار ادبے ہیں۔

درحقیقت یہ انقلابی دعائیں ہیں جو ایسے امام سے صادر ہوئی ہیں جس نے جہم کے اعتبار سے سب سے بڑی اور وقت کے اعتبار سے سب سے مختصر تحریک کا مشاہدہ کیا وہ چون کہ اپنے خون کے ساتھ شریک نہ ہو سکے تھے لہذا وہ اپنی تلوار کی طرح کاٹدار زبان کے ساتھ ہی شریک معرکہ ہو گئے۔ اور یہ دیکھتے امام سجاد ایک اور مرتبہ بیت اللہ کا طواف کرے ہیں حجاج ان کے لئے احتراماً راستہ چھوڑ دیتے ہیں خلیفہ ہشام یہ سب دیکھ دیکھتا ہے اور طواف کرنے والوں کے درمیان طواف کرتا ہے لوگ اس کی جانب کوئی توجہ نہیں دیتے امام بھی خلیفہ کو دیکھتے ہیں لیکن اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ خلیفہ امام اور لوگوں کے اس رویہ کو دیکھ کر جل بھن جاتا ہے پھر تجاہل عارفانہ سے کام لیتے مرنے امام کی طرف اشارہ کر کے پوچھتا ہے یہ کون ہے؟ قدرت کا کرتا یہ ہوتا ہے کہ شاعر فرزدق بھی موقع پر حاضر ہوتا ہے وہ فی البدیہ ایتنا پاکیزہ قصیدہ کہتا ہے جس میں خلیفہ کو مخاطب کر کے کہتا ہے:



ولیس قولك من هذا بضائره .. العرب تعرف من أنكرت والعجم  
 هذا ابن خیر عباد الله صلواتهم .. هذا الامام التقى الطاهر العلم  
 لو يعلم الركن من قد جاء يلثمه .. لقبيل الركن منه موضع القدم  
 يغضی حیاء و یغضی من مهابة .. فلا یكلم الا حین یتسم

”تمہارا تجاہل عازمانہ سے کام لیتے ہوئے پوچھنا کہ یہ کون ہے  
 ان کی چنداں تنقیص کا موجب نہیں اس لئے کہ اگر تم  
 انہیں نہیں پہچانتے تو کیا ہوا عرب و عجم تو انہیں  
 خوب پہچانتے ہیں۔ یہ اللہ کے تمام بندوں میں  
 سے بہترین بندے کے فرزند ہیں یہ مقدا ہیں جو  
 تقویٰ شعار پاکباز اور عظمت کے پہاڑ ہیں اگر حجر  
 اسود کو خبر ہوتی کہ کون سی شخصیت اسے بوسہ مینے  
 کے لئے تشریف لائی ہے تو حجر اسود خود ان کے  
 پاؤں چومنے کے لئے آگے بڑھتا۔ وہ حیا کے  
 سبب نگاہ نیچی رکھتے اور لوگ ان کی بیعت کے  
 سبب ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ پلتے  
 اور ان سے بات کرنے کی جرأت صرف اس وقت  
 ہوتی ہے جب وہ آمادہ بستم ہوں“

امام اور حاکم خلیفہ کے مابین اس درشت ملاقات جس نے ثانی الذکر کو  
 غضبناک کر دیا پر گہری نظر ڈالنے والا علم الیقین کی حد تک جان لے گا کہ تقیہ اور اس کے  
 ساتھ کچھ بھی تعلق رکھنے والی کسی بھی چیز کا امام کے دل کی جانب کوئی گزرنہ تھا۔  
 پھر امام باقر اور ان کے بیٹے امام صادق کا دور آتا ہے۔ یہی ہیں جنہوں

تہ فقہی مکتب فکر کی بنیاد رکھی جو فقہ جعفری کے نام سے موسوم ہوا۔ ہر دو امام مدینہ میں مسجد نبوی میں درس دیتے تھے اور اپنی فقہی آراء کا اظہار فرماتے اور بلا خوف و خطر اہل بیت کے مذہب کی اشاعت کرتے۔ امام باقر اموی خلافت کے زمانہ میں تھے۔ امام صادق نے اموی خلافت کا آخری اور عباسی خلافت کا ابتدائی زمانہ پایا۔ خلافت امویہ اور خلافت عباسیہ دونوں اماموں سے اختلاف رکھتی تھی۔ اہل بیت کے فقہی مکتب فکر کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتی تھی تاہم ان دونوں اماموں نے اپنا پیغام پہنچایا اور بہت سے فقہاء و علماء نے ان کے ہاں سے تعلیم مکمل کی اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ دونوں امام اپنے خلاف حکومتوں سے بے خوف ہو کر اپنا فریضہ ادا کرتے رہے۔

عجیب بات ہے کہ بعض شیعہ راویوں نے امام صادق سے تقیہ کے واجب ہونے کے متعلق روایات ذکر کی ہیں جبکہ وہ اور ان کے شیعیان کو تقیہ کی کچھ ضرورت نہ تھی کیوں کہ امام مسجد نبوی میں درس دیتے تھے تو ہزاروں شاگرد، طالب علم اور سماع کرنے والے آپ کے گرد ہوتے تھے۔ کاش میں جان سکوں کہ طلبہ اور تلامذہ کی اس کثرت والا اس قسم کا وسیع مدرسہ تقیہ پر مبنی کیسے قائم رہ سکتا ہے اور امام نے اس فقہی مدرسہ کی بنیاد رکھنے میں کس قسم کا تقیہ استعمال کیا جس کی بنیاد وہ مسلمانوں کے سامنے اور علانیہ رکھتے تھے باوجودیکہ ان میں مخلصانہ محبت رکھنے والے بھی تھے اور مصیبت پر خوش ہونے والے دشمن بھی۔

امام موسیٰ بن جعفر عباسی حلیفہ ہارون الرشید کے ساتھ اتفاق نہ رکھتے تھے اور بغداد میں حلیفہ کی جیل میں کئی سال رہے اگر موسیٰ بن جعفر تقیہ کا راستہ اختیار کرتے اور حلیفہ کو فریب دیتے رہتے جو ان کا عم زاد بھی تھا اور ان کے درمیان قرابت کے تعلقات مضبوط رہتے تو جو کچھ ہوا نہ ہوتا۔

جب خلافت مامون تک پہنچی تو اس نے امام علی بن موسیٰ کو جن کا لقب



”الرضا“ تھا۔ ولیعہد مقرر کیا۔ علی رضا امامیہ شیعہ کے آٹھویں امام ہیں لیکن امام مامون کی زندگی ہی میں وفات پا گئے اور سلسلہ خلافت عباسیوں میں باقی رہا۔ امام رضا کی وفات کے بعد عباسی خلیفہ مامون نے اپنی بیٹی ام الفضل کا نکاح امام رضا کے بیٹے محمد الجواد کے ساتھ کر دیا تاکہ خلیفہ عباسی اور خانوادہ علیؑ کے مابین محبت کا رشتہ منقطع نہ ہونے پائے یہ دونوں امام رباپ بیٹا جن میں سے ایک خلیفہ کا ولیعہد اور دوسرا داماد تھا۔ بالکل تعلقہ کے محتاج نہ تھے نہ انہوں نے شیعہ کو اپنے مقاصد کے حصول کی خاطر وسیلہ کے طور پر تعلقہ اختیار کرنے کی خواہش ظاہر کی۔

اور امام جواد کے بعد علی اور اس کے بیٹے حسن عسکری کی باری آتی ہے جو شیعہ کے دسویں اور گیارہویں امام ہیں۔ دونوں نے عباسی خلافت کے پایہ تخت یعنی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ دونوں نے متوکل اور اس کے بیٹے منعم کا زمانہ پایا تھا دونوں اماموں کا گھرانہ زائرین کی آماجگاہ بنا ہوا تھا اور وہ مسلمانوں کے دینی امواؤ اہل بیت کے مذہب کی اشاعت کا اہتمام کرتے تھے ان دونوں اماموں کی زندگی کا مسلسل مطالعہ کرنے والا خوب جانتا ہے کہ وہ دونوں تعلقہ سے سب لوگوں سے بڑھ کر دور تھے۔ علاوہ ازیں خلفاء کے جاسوس ان کی نقل و حرکت، ان کی اہل بیت کے مذہب کی طرف دعوت کی۔ جو درحقیقت عباسی خلافت کے خلاف تھی۔ نگہ رانی کرتے رہتے تھے لیکن ان دونوں اماموں نے اس کی کبھی پروا نہیں کی اور اپنے پیغام کو پہنچانے کے لئے حق کی راہ پر گامزن رہے۔

ائمہ شیعہ کی حیا طیبہ میں سے یہ خلاصہ ہم نے یہ ثابت کرنے کے لئے ذکر کیا ہے کہ مخصوص شیعہ مفہوم میں ظاہر ہونے والا تفسیر جو تھی صدی ہجری کے وسط میں ظہور پذیر ہوا اور یہ زمانہ بارہویں امام کے غائب ہو جانے کے اعلان کے بعد کا ہے اور یہ کہ اس کا ظہور اس زمانہ میں ہوا جب شیعہ اور تشیع میں تصادم کی ابتداء ہوئی اور شیعہ



کی مذہبی، سیاسی اور نظریاتی قیادت نے برسرِ اقتدار عباسی خلافت کے غیر شرعی ہونے کا اعلان کرنے اور اسے ختم کرنے کے لئے خیفہ سرگر میوں کا راستہ اختیار کرنا چاہا۔

یہ طبعی امر تھا کہ علی اور ان کے اہل بیت کے لئے تیشع کے نظریہ میں کسی نئے عنصر کا اضافہ کیا جاتا جس سے اس نظریہ کو خوب مدد ملے چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نص کا نظریہ خلافت کے ساتھ ملا دیا گیا اور اسی وقت سے عقیدہ کا بڑا حصہ اس نظریہ نے گیر رکھا ہے۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ خیفہ مذہبی سرگر میاں اس زمانہ میں شروع ہوئیں جس میں تیقہ ایسے شرعی فریضہ کے طور پر ظاہر ہوا جس پر عمل پیرا ہونا ہر اس شخص کے لئے ضروری ہو جو مذہبی نظریہ رکھتا ہو اور اس کے اظہار میں اسے برسرِ اقتدار گروہ یا مسلمانوں کی اکثریت کا خوف لاحق ہو۔ یہی وجہ ہے کہ غیبت کبریٰ کے بعد ظاہر ہونے والی شیعہ مذہبی قیادت کو سہارا دینے میں تیقہ نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ چنانچہ تیقہ کی بدولت ہی یہ قیادت حاکم قوتوں سے بے خوف ہو کر اپنی سرگر میاں جاری رکھ سکی اور اسی تیقہ کے پردے میں مالی تعاون بھی ان تک پہنچا رہا۔ اس طرح کئی صدیوں میں تیقہ شیعہ طرز فکر اور کردار میں سرایت کرتا گیا اور شیعہ شخصیت کی تشکیل کا افسوسناک حصہ بن کر رہ گیا۔

مجھے کوئی شک نہیں کہ شیعہ معاشرے جہاں کہیں بھی ہیں ان کی فکری

معاشرتی اور سیاسی پس ماندگی کا اہم ترین سبب تیقہ ہی ہے کیوں کہ یہ ان کے خون میں سرایت کر گیا اور خوف و شرمندگی کے سبب یہ اپنی حقیقت ظاہر نہ کر سکے۔ حتیٰ کہ ایران میں شیعہ علاقوں میں جب حکمران ٹولہ خالص شیعہ تھا ایرانی قوم بادشاہ کے ظلم و استبداد کے سامنے مذہبی فریضہ کے طور پر تیقہ پر عمل پیرا تھی اور دل میں ایسی باتیں چھپانے رکھتی ظاہر میں جن کا الٹ کرتی اس طرح اپنی طرح کی دیگر شیعہ اقوام کی مثل ایرانی عوام نے بھی دوسرا کردار ادا کرنے میں ممتاز مقام حاصل کر لیا۔

مجھے اس امر میں کبھی شک نہیں رہا کہ شیعہ کو اسلامی جماعتوں سے دور رکھنے میں اس ملعون تقیہ کا بڑا دخل رہا ہے اس طرح اس کی وجہ سے شیعہ کو عجیب و غریب بہتانات کا نشانہ بھی بننا پڑا جن کی کوئی دلیل نہ تھی لیکن شیعوں کو تقیہ کی شہرت اور ہر معاملہ میں حقیقت چھپانے کے الزام کے سبب ان اتہامات سے دفاع کرتے وقت بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑا۔ جو بات میرے دل کو عکسین کرتی اور خون خون کرتی ہے یہ ہے کہ تقیہ شیعہ فکر میں عامۃً اناس سے گزر کر اب قائدین اور مذہبی زعماء تک جا پہنچا ہے۔ یہی وہ بات ہے جو ہماری اس دعوت کا سبب بنی جس کا مقصد شیعہ کو ان کی قیادتوں سے نجات دلانا ہے کیوں کہ جب دینی رہنما لوگوں کے ساتھ قول و عمل میں تقیہ کے نام پر دھوکہ اور فریب کی راہ پسند کریں تو عام لوگوں سے خیر کی کیا توقع رکھی جاسکتی ہے۔

اس وقت جب کہ میں یہ سطور سپرد قلم کر رہا ہوں اور اس زمانے میں جب کہ انسانی قدم چاند کی سطح کو روند چکے ہیں اور تحریر و تفکر کی آزادی اس قدر مقدس ہو گئی ہے کہ انسان کے ضمیر و عقیدہ (وہ اچھا ہو یا بُرا) کا دفاع کرنے لگی ہے شیعہ معاشرہ اپنے قائدین کی قیادت میں اپنے آپ کو تقیہ کے خول میں بند رکھے زندگی گزار رہا ہے چنانچہ وہ ظاہر یہ کچھ کرتے ہیں اور باطن میں کچھ اور رکھتے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ اب مشرق سے مغرب تک ایک بھی شیعہ زعمیم رہ گیا ہے جو ان بدعات کے بارے میں اپنی رائے کا علانیہ اظہار بھی کر سکتا ہو۔ جو عوام اناس کے خوف و ہیبت سے شیعہ مذہب کے ساتھ چپٹ کر رہ گئی ہیں جنہیں شیعہ قائدین نے اس عمل کی تربیت دی تھی اور اب وہ ان کے وجود کا حصہ بن کر رہ گئی ہیں۔

صرف مثال کے طور پر لیجئے۔ تیسری شہادت (اشہدان علیاً ولی اللہ)

شیعہ مذہب کے علماء متفق ہیں کہ یہ ایسی بدعت ہے جس کو رسول اللہ - صحابہ نیز امام علیؑ



ائمہ شیعہ کے دور میں کوئی نہیں جانتا تھا اور سب کا اجماع ہے کہ اگر کوئی ائمہ شریعت میں وارد عمل سمجھ کر کرتا ہے تو اس نے حرام عمل کیا ہے اور بدعت کا مرتکب ہوا ہے اس کے باوجود کوئی زبانی یا تحریری طور پر اس امر کی طرف اشارہ کرنے کی بھی جرات نہیں کرتا ہے۔ اس طرح ایک بھی شیعہ زعم موجود نہیں ہے جو جہو مسلمانوں کو شیعہ سنی اختلاف کی حقیقت صراحت کے ساتھ بتا سکتا ہو اور اسے رفع کرنے کے نئے عمل پر آمادہ ہو۔

جیسا کہ ہم نے کہا شیعہ اور اہل سنت کے درمیان موجودہ اختلافات میں اہم ترین چیز شیعہ کا خلفاء راشدین، صحابہ رسول اور بعض ازواج مطہرات پر زبان طعن دراز کرنا ہے جیت تک اختلافات کی فہرست سے یہ رکاوٹ دور نہ کر دی جائے فریقین کے اختلافات پوری شدت سے ابد الابد تک جاری رہیں گے نہ اسلامی تفریقیں کچھ فائدہ دیں گی اور نہ گونجاہارا اصلاحی باتوں کا کوئی نفع ہوگا اور نہ مصلحین کے خطبے ہی کینہ و بغض کے چھپے ہوئے جوش کو ٹھنڈا کر سکیں گے جو قلوب و اذہان، کتابوں کے صفحات اور سرگوشیوں تک پھیلا ہوا ہے۔

شیعہ مذہب کے زعماء اس مقام پر بھی تقیہ کی راہ اختیار کرتے ہیں اور سب و شتم اور زبان درازی کو جاہل شیعوں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں حالانکہ امامیہ شیعہ کے علماء، فقہاء اور محدثین کی کتب میں وہ اقوال ذکر کئے گئے ہیں اور وہیں سے شیعہ عوام کے دل و زبان تک پہنچے ہیں۔ خود سوچو کہ ملامت خواص کو مونی چاہیے یا عوام کو۔

میں نہیں سمجھتا کہ زمانہ ماضی و حال میں کسی سرکردہ شیعہ نے شیعہ کتب

کو ائمہ کی طرف غلط طور پر منسوب خلفاء پر طعنہ زنی پر مبنی روایات سے اور ایسی روایات سے کہ جن کے متعلق عقل سلیم قطعی فیصلہ کرتی ہے کہ یہ باطل ہیں اور ائمہ سے



ان کا صدور ممکن نہیں ہے۔ پاک کرنے کی کوشش کی ہو۔ حالانکہ شیعہ مذہب کے تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ جن کتابوں پر وہ دین سے متعلق امور پر اعتماد کرتے ہیں ان میں باطل اور غیر صحیح روایات موجود ہیں وہ اقرار کرتے ہیں کہ کتابوں کے اندر جو اہر بھی ہیں خرف ریزے بھی صحیح روایات بھی ہیں ضعیف بھی لیکن اس کے باوجود ان زعماء نے اس قسم کی روایات کی اصلاح کے لئے کوئی راستہ اختیار نہیں کیا۔

اگر شیعہ زعماء میں جرأت ہو اور انہیں اس ذمہ داری کا احساس و شعور ہو جو اختلافات ختم کرنے کے لئے ان کے کندھوں پر ڈالی گئی ہے تو یہ لوگ پوری طرح ذمہ داری اٹھائیں اور اس قسم کی روایات کو کتابوں کے صفحات اور شیعہ کے اذہان سے زائل کرنے کے لئے عملی قدم اٹھائیں اس سے تاریخ اسلام کا نیا باب کھل جائے اور تمام مسلمانوں تک اس کی خیر پہنچے لیکن شرعی تقیہ کے پردے میں حقیقت واقع سے فرار کے لئے ذمہ داری سے بھاگنا اور اسے عوام اناس کے سر تعویذ بنا بہت ہی افسوس کا باعث ہے۔

جب میں یہ سطور رقم کر رہا ہوں یہاں پر ہزاروں لاکھوں امامی شیعہ ہیں جو شریعت کے کاموں میں بھی تقیہ کرتے ہیں خاک کر بلا (حسینی مٹی) جس پر وہ سجدہ کرتے ہیں ساتھ اٹھائے پھرتے ہیں اپنی مساجد میں اس پر سجدہ کرتے ہیں لیکن دوسرے اسلامی فرقوں کی مساجد میں اسے چھپا کر رکھتے ہیں۔ ان میں بہت سے اہل سنت کی مساجد میں ان کے امام کی اقدار میں نماز ادا کرتے ہیں اور جب اپنے گھر کو لوٹتے ہیں تو یہ لوگ ان روایات پر اعتماد کرتے ہوئے جو تقیہ کے متعلق ان کے ائمہ کی طرف منسوب ہیں اور جن کی بنیاد پر علماء شیعہ نے تقیہ کے واجب ہونے کا فتویٰ دیا ہے تقیہ پر عمل کرتے ہوئے نماز دہراتے ہیں۔ اس سب کچھ کی بناء پر ہم شیعہ کو ترغیب دیتے ہیں کہ مندرجہ ذیل اصلاحی اقدام کی پیروی کریں۔

## اصلاحی اقدام

روئے زمین پر موجود شیعہ حضرات کو چاہیے کہ تقیہ کے متعلق وہ موقف اختیار کریں جو ایسے معزز انسان کا موقف ہو جو اپنی شخصیت اور عقیدہ کا احترام کرتا ہو ان پر فرض ہے کہ غیرت اور ایسی عادات سے متصف ہوں جو اعلیٰ اخلاق میں سے ہیں اور تھوڑی دیر کے لئے ان نغیاتی اثرات کا جائزہ لیں جو اس دوسرے کردار اور قول فعل کے تضاد سے پیدا ہوتے ہیں جو سچائی کے منافی اور سچے مسلمان کے اوصاف کے برعکس ہیں جب کسی انسان میں ریاکاری اور مکاری کے اوصاف ہوں تو اس سے جو بھی کام یا کلام صادر ہوگا لازمی طور پر معقولیت سے دور ہوگا اور جہتاً اور اکثریت کے عمل سے متصادم ہوگا۔

لہذا سچے مسلمان پر فرض ہے کہ وہ ظاہر یا خفیہ ایسے قول و عمل سے باز آجائے جسے اسلامی معاشرہ گوارا نہیں کرتا اور ریاکاری و مکاری کے طور پر خود کو پیش کرنے سے بالاتر ہو جائے۔ عام شیعوں بالخصوص ان میں سے تعلیم یافتہ لوگوں کا فرض ہے کہ اپنے زعماء کا سختی سے محاسبہ کریں خصوصاً اس بات پر کہ ذاتی اغراض کی خاطر وہ انہیں خازار میں کھینچے پھرتے ہیں۔

شیعہ کا فریضہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں پر لازم کردہ اخلاقی اصول ہمیشہ پیش نظر رکھیں کہ مسلمان فریب نہیں دیتا، مہانت نہیں کرتا، اور صرف حق کے مطابق چلتا ہے اور صرف حق کہنا ہے خواہ خود اس کے خلاف ہو اچھا کام ہر جگہ اچھا ہوتا ہے بڑا کام ہر جگہ بڑا ہوتا ہے۔ وہ اچھی طرح جان لیں کہ انہوں نے امام صادق کی طرف یہ جو منسوب کر رکھا ہے کہ :

”تقیہ میرا اور میرے آباء کا دین ہے“

جھوٹ، افتراء اور بہتان کے سوا کچھ نہیں ہے۔

# امام ہمدی

آلے محمد میں سے ایک ایسے آدمی کے ظہور کا نظریہ جو زمینے کو عدل و انصاف سے بھر دے گا بڑا خوبصورت اور نیک امید و اسے بھرا ہوا نظریہ ہے۔ لیکن شیخہ علماء نے امام ہمدی کے نظریہ کے ساتھ دو پیر بھی منقح کر دیئے ہیں۔ یہ پیر ہیں۔

(۱) کاروبار کے منافع میں سے خمس وصول کرنے کی بدعت۔

(۲) ولایت فقیہ کی بدعت۔

ان میں سے پہلی بدعت، خمس، شرعی جواز اور کسی دلیل کے بغیر ٹیکس سے عبارت ہے۔

اور دوسری کا معنی ہے انسان کا انسان کے لئے غیر مشروط طور پر

بندہ و غلام بن جانا۔



(ا) اجتہاد و تقلید

(ب) خمس

(ج) ولایت فقیہ

امامیہ شیعہ کا عقیدہ ہے کہ جب ان کے گیارہویں امام ۲۶۰ ہجری میں فوت ہوئے تو ان کا محمد نامی ایک پانچ سالہ بیٹا تھا۔ وہی مہدی منتظر ہے جب کہ بعض دوسری روایات کے مطابق مہدی اپنے والد امام حسن عسکری کی وفات کے بعد پیدا ہوئے۔ حقیقت کچھ بھی ہو مہدی نے منصب امامت اپنے والد کی وفات کے بعد اُو ان کی تصریح کے مطابق پایا۔ وہ پورے پینسٹھ برس کی مدت تک نگاہوں سے پوشیدہ ہی رہے اس دوران شیعہ ان نمائندوں کے ذریعہ ان سے رابطہ قائم کرتے تھے۔ جنہیں خود امام نے اس مقصد کے لئے مقرر کیا ہوا تھا۔ یہ نمائندے عثمان بن سعید العمری، ان کے بیٹے محمد بن عثمان اور حسین بن روح اور آخر میں علی بن محمد السمری تھے۔

یہ چاروں النواب الخاص (خاص نمائندوں) کے لقب سے ملقب ہوئے اور اس مدت کو "فیبت صغریٰ کا زمانہ" کہا جاتا ہے۔

۳۲۹ ہجری میں علی بن محمد السمری کی وفات سے چند ہی مہینے

پیشتر امام کے دستخط کے ساتھ ایک رقعہ انہیں ملا۔ جس میں تحریر تھا۔

لَقَدْ رَقَعَتِ الْغَيْبَةَ الْكُبْرَىٰ فَلَا ظَهْرَ لَآبَعْدَ  
 أَنْ يَأْذَنَ اللَّهُ فَمَنْ ادَّعَىٰ رُدِّيَتِي فَهُوَ  
 كَذَّابٌ مُّفْتَرٍ

غیبت واقع ہو گئی ہے اب اللہ تعالیٰ کے حکم  
 کے بعد ہی ظہور ہوگا۔ لہذا جو شخص مجھے دیکھنے  
 کا دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا اور فریب خوردہ ہے

یہی سال غیبت کبریٰ کا آغاز تھا اس وقت سے شیعہ کا امام کے ساتھ  
 بلا واسطہ اور بالواسطہ رابطہ منقطع ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی اس کا دعویٰ بھی کرے تو شیعہ،  
 امام مہدی کی جانب سے آنے والے آخری خط میں موجود تصریح کے بموجب اسے جھوٹا  
 سمجھتے ہیں۔

امام شیعہ کے امام مہدی کے متعلق عقیدہ کا یہ خلا ہے اور شیعہ ہر  
 سال پندرہ شعبان کو امام مہدی کی ولادت کی مناسبت سے بہت بڑا جشن مناتے ہیں  
 صرف یہی امام ہیں جن کا شیعہ کے ہاں صرف یوم ولادت منایا جاتا ہے ورنہ دوسرے  
 ائمہ کا یوم ولادت اور یوم وفات دونوں منائے جاتے ہیں۔

امام مہدی اور آخر زمانہ میں ایسے قائد کے ظہور کا تصور۔ جو زمین کو  
 عدل و انصاف سے بھر دے گا جب کہ یہ ظلم و استبداد سے بھر چکی ہوگی۔ بہت سے  
 ادیان میں موجود ہے۔

کتاب صحاح میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آخر زمانہ میں آپ

(۱۱) ترمذی نے اپنی الجامع میں ذکر کیا ہے کہ رسول اکرم نے فرمایا "لوم یبق من الدنیا الا یوم  
 واحد لطول اللہ ذلک الیوم حتی یبعث اللہ فیہ رجلا من اهل بیتی یواہل اسمہ اسمی"

کی اولاد میں سے مہدی کے ظہور کے متعلق بہت سی احادیث مروی ہیں لیکن ان میں تعین نہیں کیا گئی۔ رہے شیعہ تو ان کا اعتماد ان کے آئمہ کی طرف منسوب روایات پر ہے کہ مہدی منتظر جس کی خبر رسول اللہ نے دی ہے۔ امام حسن عسکری کا بیٹا ہے۔

م اس مقام پر دقیاوسی طرز کی بحث نہیں کرنا چاہتے اور نہ ان کے ہزاروں برس دنیا میں رہنے کی عقلی توجیہ کرنا چاہتے ہیں۔ کیوں کہ ہم شیعہ بھی دیگر اسلامی فرقوں کی طرح غیب پر پختہ ایمان رکھتے ہیں اور مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ لہذا ہمیں یہ ماننے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی کہ کوئی انسان عام طبعی قوانین سے بہت کم ہزاروں برس زندہ رہ سکتا ہے۔

چنانچہ قرآن نے تصریح کی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام پچاس کم ایک ہزار سال اپنی قوم میں رہے۔ اصحابِ کہف اپنی غار میں تین سو نو برس رہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھایا اور وہ اس کے ہاں زندہ ہیں۔  
آئیے مل کر یہ آیات پڑھیں :

وَلَقَدْ آدُسْنَا نُوْحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ

پچھلے صفحہ کا بقیہ) اگر دنیا کی عمر سے صرف ایک ہی دن باقی رہ گیا ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس دن کو لبا کر دے گا تا آنکہ اس میں ایک آدمی بیچے گا جو میرے اہل بیت میں سے ہوگا اس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا۔ مسند احمد ابن جنبل میں نبی اکرم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا لا تنقضن الايام ولا يذهب الدهر حتى يملك العرب رجل من اهل بيتي يواظب على امره اسمي سلسلہ ایام اختتام پذیر نہ ہوگا ادیہ جہان اپنی انتہا کو نہ پہنچے گا تا وقتیکہ میرے اہل بیت میں سے ایک آدمی عربوں کا بادشاہ نہ بن جائے اس کا نام میرے نام جیسا ہوگا۔

میرۃ الاثرۃ الاثنی عشر ۲ / ۵۴۳ مصنفہ ہاشم حسینی۔



فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا  
فَاتَّخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ  
ظَالِمُونَ“ (العنكبوت ۱۲)

”اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ  
ان میں پچاس کم ہزار برس رہے پھر ان کو طوفان  
نے آپکڑا اور وہ ظالم تھے“

وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَارْدَا دُؤًا  
تَسْعًا“ (الکہف ۲۵)

”اور اصحاب کہف اپنے غار میں نو اوپر تین  
سوسال رہے“

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ  
رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ  
شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ  
لَغَفِيغٌ شَكَّ مِنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ  
عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَلْ  
رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا  
حَكِيمًا“

(النساء: ۱۵۷ - ۱۵۸)

اور انکے یہ کہنے کے سبب کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ  
 مسیح کو جو اللہ کے رسول تھے قتل کر دیا ہے اور  
 انہوں نے اسے قتل نہیں کیا اور نہ انہیں سولی پر  
 چڑھایا بلکہ ان کو ان کی سی صورت معلوم ہوئی اور  
 جو لوگ ان کے بامے میں اختلاف کرتے ہیں وہ ان  
 کے حال سے شک میں پڑے ہوئے ہیں اور پیروٹی  
 ظن کے سوا ان کو اس کا مطلق علم نہیں اور انہوں  
 نے عیسیٰ کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو  
 اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے“

مہدی کا تصور بذاتِ خود ایک اچھا نظریہ ہے کیوں کہ اس سے محض  
 بھلائی کا اشارہ ملتا ہے اور ایک ایسی دنیا کی امید قائم ہوتی ہے جو خیر، فضاہل اور  
 نیکیوں سے معمور ہوگی وہی مثالی فضا جس کی دعوت افلاطون نے اپنی کتاب ”جمہوریت“  
 میں اور جس کا تصور مسلمان فلسفی فارابی نے اپنی کتاب ”المدینۃ الفاضلہ“ میں  
 افلاطون کے نظریہ ”مثالیّت“ پر اسلامی اقدار کا اضافہ کر کے پیش کیا ہے۔

اگر مہدی کے وجود کے متعلق عقیدہ اسی حد تک محدود رہتا کہ رسول اللہ ﷺ  
 کی اولاد میں سے ایک امام غائب ہے جو کسی دن ظاہر ہوگا اور زمین کو عدل و انصاف  
 سے بھر دے گا تو مسلمان خیر سے رہتے لیکن شدید افسوس کیساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جعفری  
 مذہب کے فقہانے مہدی کیساتھ دو پیر جوڑ دیئے ہیں۔ جن کے سبب انہوں نے مہدی  
 کی بلند و روشن تصویر بگاڑ کر رکھ دی ہے یہ دو پر بہت بڑی بدعتیں ہیں جو شیعہ او  
 تیسٹ کے مابین معرکہ آرائی ظہور پذیر ہونے کے زمانہ سے شیعہ مذہب کے ساتھ جوڑی  
 گئی ہیں اور وہ دونوں قرآن کی تصریحات سیرت رسول ﷺ، امام علیؑ اور ان کے بعد کے

ائمہ کے طرز عمل سے واضح طور پر متصادم ہیں۔

پہلی بدعت کاروبار کے منافع میں خمس وصول کرنے سے عبارت ہے۔

اور دوسری بدعت مجتہدین میں ”ولایت فقیہ“ ہے۔

وہ مذہبی قیادت جس نے غیبت کبریٰ کے بعد شیعہ کے دینی امور اپنے

ہاتھ میں لئے اور جو اس وقت سے آج تک شیعہ عقائد کی ڈور تھامے ہوئے ہے ان

دونوں بدعتوں کی پشت پر تھی۔ جہاں تک خمس کا تعلق ہے تو شیعہ مذہب کے علما

کے نزدیک تقریباً متفق علیہ مسئلہ ہے کہ یہ کاروبار کے منافع اور غنیمت دونوں کو ایک

ساتھ شامل ہے۔ البتہ غنیمت کی تفسیر آمدن کے منافع کے ساتھ کرنا کتب شیعہ میں

غیبت کبریٰ کے ڈیڑھ صدی بعد شروع ہوا۔

رہی ولایت فقیہ تو اگرچہ بعض علماء نے اس کی مخالفت کی ہے

لیکن اس کے کچھ حامی بھی ہیں تاہم ان میں متفق علیہ مسئلہ یہ ہے کہ جیسا اختیار قاضی کو اپنے

یا پاگل کے وصی (ذکران) مقرر کرنے کے متعلق حاصل ہے ویسا ہی اختیار مجتہدین کو بھی حاصل ہو گا۔

امام مہدی کے ساتھ جوڑی گئی بدعات پر گفتگو کرنے سے پہلے ضروری

ہے کہ شیعوں کے نظریہ اجتہاد اور امام مہدی کے ساتھ ان کے تعلق کی۔ علماء مذہب

کے پیش کردہ نقشہ کے مطابق۔ تصویر کھینچی جائے۔

## اجتہاد و تقلید

اجتہاد کا دروازہ کھولنے میں شیعہ علماء کا تمام تر اعتماد ان دو

فرامین پر ہے جو ”غیبت“ سے پہلے امام مہدی کی جانب سے صادر ہوئے۔ دونوں

کے الفاظ تو مختلف ہیں لیکن مفہوم میں یکساں ہیں۔ وہ فرمان درج ذیل ہیں۔

فرمان اول :

وَأَمَّا مِنَ الْفُقَهَاءِ مَنْ كَانَ صَانِعًا



لنفسه حافظا لدينه مخالفا

لهواه مطيعا لامر مولاه فخلعوا

أن يقلدوه

فقہاء میں سے جو عزت نفس کا محافظ، دین کا پابند

خواہش نفس کا مخالف اور اپنے مولا و آقا کا

فرمان بردار ہو تو عوام (شیعہ) کو چاہیے کہ اس

کی تقلید کریں۔

فرمان دوم :

وَأَمَّا الْحَوَادِثُ الْوَاقِعَةُ فَارْجِعُوا

إِلَى رِوَاةِ أَحَادِيثِنَا

پیش آمدہ حوادث میں ہماری احادیث روایت

کرنے والوں کی طرف رجوع کریں۔

ان دو فرامین پر جن میں سے پہلا مجتہدین اور دوسرا شیعہ عوام کے ساتھ

خاص ہے۔ شیعہ علماء اجتہاد کا دروازہ کھولنے اور نوت شدہ فقہاء کی آراء پر عمل نہ کرنے

کی بنیاد رکھتے ہیں اور انہیں کی بنیاد پر ان کے مجتہد عوام شیعہ پر تقلید واجب قرار

دیتے ہیں۔

غیبت کبریٰ کے بعد یکے بعد دیگرے علمائے مذہب نے شیعہ کے

دینی امور سنبھال لئے اور مجتہدین اور عوام۔ بانفاذ دیگر شیعہ کے اعلیٰ اور ادنیٰ طبقوں

کے درمیان رشتہ تادم تحریر منقطع نہیں ہوا اور ایسا ”اجتہاد“ کا دروازہ کھولنے

اور عوام پر مجتہدین کی تقلید واجب قرار دینے کی بدولت ہو سکا۔

جہاں تک دیگر اسلامی فرقوں کا تعلق ہے تو انہوں نے استنباط میں

قد پیش شدید مشکلات کے پیش نظر یہ دروازہ بند رکھا۔ ماسوائے سلفیوں کے۔ کہ انہوں نے اپنے آپ پر اجتہاد کا دروازہ بند نہیں کیا اور سلفی فقہاء ان فقہی فروع میں (جن کے متعلق نص موجود نہیں اور وہ کتاب و سنت اور اجماع و قیاس وغیرہ دلائل استنباط کے تحت آتی ہیں) اجتہاد کرتے ہیں۔

البتہ شیعہ نے قیاس کی جگہ دلیل عقلی کو دیدی اور اسے استنباط کے اصولوں میں سے چوتھا اصول بنا لیا۔ عجیب ترین امر یہ ہے کہ شیعہ فقہاء خود کو عقلی مذہب کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ درحقیقت وہ استنباط کے طریقہ میں عقل کا استعمال سے انتہائی دور ہیں۔

کاش میں جان سکوں کہ ہمارے علماء۔ اللہ انہیں معاف کرے۔ فقہی مسائل کے استنباط اور شرعی احکام کے فہم میں عقل پر کیسے اعتماد کرتے ہیں جب کہ وہ اپنی کتب میں وارد اور اپنے آئمہ کی طرف منسوب روایات کو عقل کے منافی ہونے کے باوصف بلاچون و چرا صحیح باور کر لیتے ہیں۔

ہاں اگر ہم اس اعتبار سے دیکھیں کہ شیعہ کے نزدیک عقل کے استعمال سے مراد ان عقلی دلائل کا استعمال ہے جن پر شیعہ نکتہ نظر سے اصول فقہ کی بنیاد ہے یعنی وہ علم جس کی بنیاد رکھنے اور مرتب کرنے میں شیعہ کا بڑا ہاتھ ہے اور وہ صرف اس سے عبارت ہے کہ شرعی احکام کو منطوق سے قطع نظر کرتے ہوئے، صرف عقلی دلائل کو استعمال کرتے ہوئے کیسے سمجھا جا سکتا ہے مثلاً ظن، قطعیت، استصحاب، تعادل، ترجیح بین الادلہ اور دیگر اصولی مباحث جنہیں علمائے اصول اپنی کتابوں میں ذکر کرتے ہیں۔

اصول فقہ بذات خود بڑا خوبصورت علم ہے۔ عقلی اعتبار سے اس کے خاص امتیازات ہیں لیکن شدید افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ شیعہ فقہانے اس کے

مغز اصول کی بجائے صرف پھلکے (فروع) میں استعمال کیا ہے۔  
اجتہادی نظریہ کے متعلق گفتگو کرنے سے پہلے دو باتیں ذکر کرنا چاہتا  
ہوں جن کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔

پہلی بات میں اس خوفناک غلطی کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں جس میں  
وہ مصنفین و محققین گرفتار ہوئے جنہوں نے گزشتہ سالوں میں شیعہ کے متعلق لکھا کتابیں  
تألیف اور شائع کیں ان مؤلفین نے شیعہ کا تعارف ”اصولیہ“ یا ”امامیہ اصولیہ“ کی  
حیثیت سے کرایا ہے اس نام کی تفسیر انہوں نے اس انداز سے کی کہ گویا شیعہ واپس  
ماضی کی طرف لوٹنا چاہتے ہیں (یہ غلطی انہیں اس لئے لگی کہ انہوں نے ”اصول“ کا  
ترجمہ ”جرٹ کیا اور سمجھ لیا کہ شیعہ عقیدہ میں جرٹ اور ماضی کی طرف رجوع کرنا چاہتے ہیں  
وہ اس حقیقت تک رسائی نہیں پاسکے کہ ”اصولیہ“ کا معنی جرٹوں کی طرف  
رجوع کرنے کا نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ شیعہ امامیہ شرعی احکام میں اجتہاد  
کرتے وقت ان عقلی قواعد کو استعمال کرتے ہیں جن کا نام انہوں نے اصول فقہ رکھا ہوا  
ہے اصول فقہ میں تألیف کی گئی سینکڑوں کتابیں موجود ہیں اور وہ سب کی سب  
ان عقلی موضوعات پر بحث کرتی ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ ہم نے کچھ ہی پہلے  
کیا ہے۔

دوسری بات شیعہ میں ایک چھوٹا سا گروہ ہے جو خود کو ”اخباری“  
کہتا ہے۔ یہی لوگ ہیں جو علم اصول یا زیادہ مناسب الفاظ میں عقلی دلائل کو شرعی  
احکام استنباط کرنے وقت استعمال نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک اجتہاد کا عمل کتاب  
سنت اور اجماع پر ہی پورا ہو جاتا ہے۔ شیخ حرا العالمی ان کے مشہور ترین علماء میں  
سے ہیں جو شیعہ مراجع میں سے اہم ترین کتاب کے مؤلف ہیں۔  
آئیے ہم ایک مرتبہ پھر اس طریق اجتہاد کے تذکرے کی طرف لوٹیں جس کی



بدولت شیعہ دوسروں سے متنازع ہیں۔ ہم اس مقام پر یہ اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ اجتہاد کرنا فی نفسہ بہت اچھا کام ہے جو فکری اور معاشرتی ترقی کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے چنانچہ جس طرح انسانیت خوب تر اور بہتر کی جانب رواں دواں ہے لہذا اس کا سامنا ایسے جدید امور و معاملات سے ہوتا ہے جن میں جدید قانون کی ضرورت ہے اور جو پہلے سے موجود فقہی مباحث میں مذکور نہیں ہیں اجتہادی عمل جب بنیادی عقائد سے متصادم نہ ہو تو شرعی قوانین کے استنباط کو آسان بنا دیتا ہے۔ جب معاشرہ متحرک ہو تو ضروری ہے کہ اجتماعی قوانین بھی اس کے ساتھ ساتھ متحرک رہیں جب کہ کتاب و سنت اور اجماع سے متصادم نہ ہوں۔

اگر شیعہ کے علماء مذہب جعفری کے فقہاء کی طرح اجتہادی راستہ پر گامزن رہ کر مسلمانوں کے تمام فقہاء کی طرح۔ جنہوں نے خود کو اللہ تعالیٰ کے لئے وقف کر رکھا ہے اور اپنے اس عمل کے بدلے میں اجرت نہیں لیتے اور نہ کوئی مادی منقاد یا قدر دانی چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حلال و حرام کو بیان کرتے رہتے تو شیعہ بھی بھلائی پر رہتے اور امت اسلامیہ بہترین حالت میں ہوتی لیکن سخت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے فقہاء نے عقیدہ کی بناء پر یا جہالت کے سبب یا ضرورت کی وجہ سے اجتہادی عمل پر دو صریح بدعتوں کا اضافہ کر کے اخلاص اور للہیت کا ہر نقش بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ وہ دونوں بدعتیں۔ جیسا کہ ہم نے پہلے کہا، پھر پھڑکتے ہوئے دو پر ہیں جو رہتی دنیا تک شیعہ کے سروں پر رہیں گے۔

(۱) آدن میں سے خمس

(۲) ولایت نقیہ

خمس

آیت کریمہ میں ارشاد ہے۔

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ  
 لِلَّهِ خُمُسَهُ وَ لِلرَّسُولِ وَ لِذِي الْقُرْبَىٰ وَ  
 الْيَتَامَىٰ وَ الْمَسَاكِينِ وَ ابْنِ السَّبِيلِ “ (۱)

” اور جان رکھو کہ جو چیز تم (کفار سے) غنیمت کے  
 طور پر لاؤ اس میں سے پانچواں حصہ اللہ کا اور اس  
 کے رسول کا اور اہل قرابت کا اور یتیموں کا اور  
 محتاجوں کا اور مسافروں کا ہے“

فضل بن حسن طبرسی جو چھٹی صدی ہجری میں امامیہ کے اکابر علماء میں سے  
 ہیں اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

” خمس کی تقسیم کی کیفیت کیا ہوگی؟ کون اس کا  
 مستحق ہے؟ اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے  
 اور کئی اقوال ہیں ان میں سے ایک جو پہلے اصحاب  
 کا مذہب ہے۔ یہ ہے کہ خمس کو چھ حصوں پر تقسیم  
 کیا جائے گا۔ ایک حصہ اللہ کا، ایک رسول کا یہ دونوں  
 حصے ذوی القربی کے حصے کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم کے قائم مقام امام کو ملیں گے۔ ایک حصہ آل  
 محمد کے یتیموں کا، ایک حصہ ان کے محتاجوں کا اور  
 ایک حصہ ان کے مسافروں کا ہوگا۔ اس میں ان

(آل محمدؐ) کے سوا کوئی بھی ان کا حصہ دار نہیں ہوگا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے صدقات کو لوگوں کی میل ہونے کی وجہ سے ان پر حرام کر دیا ہے اور اس کے عوض نہیں خمس عطا فرمادیا ہے..... ہم اے اصحاب کہتے ہیں کہ خمس - انسان کو حاصل ہونے والی ہر کمائی تجارت کے منافع - نیز خزانوں، معدنیات، غوطہ خوروں کی آمدن وغیرہ - جو کتابوں میں مذکور ہے - سے حاصل ہونے والے فائدہ پر واجب ہے اور اس پر مذکورہ بالا آیت سے استدلال کرنا ممکن ہے“ (۱)

غنیمت کی تفسیر منافع کے ساتھ کرنا ان امور میں سے ہے جنہیں ہم شیعہ کے سوا کہیں نہیں پاتے چنانچہ آیت دو ٹوک اور واضح ہے کہ خمس جنگ کی غنیمت میں مشروع ہے نہ کہ کاروبار کے منافع میں۔

کاروبار کے منافع میں خمس کے واجب نہ ہونے کی سب سے واضح اور قطعی دلیل نبی کریم (ص) اور آپ کے بعد امام علیؑ سمیت خلفاء نیز آئمہ شیعہ کی سیرت ہے چنانچہ اربابِ سیرت نے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت لکھی اور اس سے تعلق رکھنے والی ہر چھوٹی بڑی بات نیز آپ کے اوامر و نواہی کو مدقن کیا - یہ بات ذکر نہیں کی کہ آپ نے مدینہ کے بازاروں میں خمس اکٹھا کرنے والے بھیجے ہوں جب کہ اربابِ سیرت ان اشخاص کے نام تک لکھتے ہیں جنہیں رسول اللہ مسلمانوں کے مالوں میں سے زکاۃ وصول کرنے کے لئے ارسال فرماتے تھے۔



اسی طرح حضرت علیؓ سمیت خلفائے راشدین کے سیرت نگاروں نے کبھی ذکر نہیں کیا کہ ان میں سے کسی نے منافع میں سے خمس کا مطالبہ کیا ہو یا انہوں نے خمس اکٹھا کرنے کے لئے محصلین ارسال کئے ہوں۔

امام علیؓ کی کوفہ کی زندگی معروف ہے ایسا کبھی نہیں ہوا کہ انہوں نے کوفہ کے بازاروں میں تحصیلداری بھیجے ہوں کہ لوگوں سے خمس وصول کریں یا انہوں نے اپنے زیر امارت وسیع اسلامی خطوں کے دور دراز مقامات میں اپنے عملداروں کو حکم دیا ہو کہ لوگوں سے خمس وصول کر کے کوفہ میں بیت المال کی طرف ارسال کر دیں۔ اسی طرح ائمہ کے سوانح حیات مرتب کر نیوالوں نے بھی کبھی یہ ذکر نہیں کیا کہ وہ لوگوں سے خمس کا مطالبہ کرتے تھے یا اس نام سے کسی نے ان کی خدمت میں مال پیش کیا تھا جیسا کہ ہم نے کچھ ہی پہلے کہا۔ یہ بدعت شیعہ معاشرہ میں پانچویں صدی ہجری کے اواخر میں ظاہر ہوئی چنانچہ غیبت کبریٰ سے بیکر پانچویں صدی کے اواخر تک شیعہ کی فقہی کتابوں میں خمس کا باب یا اس امر کی طرف اشارہ نہیں پاتے کہ خمس غنیمت اور منافع دونوں کو ایک ساتھ شامل ہے یہ دیکھیے محمد بن حسن طوسی۔ جو پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں اکابر

شیعہ فقہاء میں سے ہیں انہیں نجف کے ”حوزہ دینیہ“ کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ نے اپنی مشہور فقہی کتابوں میں اس موضوع کے متعلق کچھ بھی نہیں لکھا حالانکہ انہوں نے کوئی ایسا چھوٹا بڑا فقہی مسئلہ نہیں چھوڑا جسے اپنی ضخیم کتابوں میں ذکر نہ کر دیا ہو۔ یہ غلط طریقہ ایسے زمانے میں ایجاد کیا گیا جب عباسی خلافت تھی اور حکمران قوت اہل بیت کے مذہب کی شرعی حیثیت تسلیم نہیں کرتی تھی۔ نتیجتاً وہ ان کے فقہاء کو بھی نہیں مانتی تھی کہ ان کے لئے وظائف مقرر کر دیں جن پر وہ گزاراوات کر لیتے جیسا کہ دوسرے مذاہب کے فقہاء کے بارے میں ان کا رویہ تھا اور اس زمانہ تک شیعہ مذہب ہی طور پر متحد تھے کہ اپنے فقہاء کی کفالت کر سکتے لہذا غنیمت کی تفسیر منافع کے ساتھ کرنا ان مال مشکلا

کے علاج کی بہتر ضمانت دے سکتا تھا جو اس وقت شیعہ فقہاء اور شیعہ کے دینی علوم کے طلبہ کی زندگی کو اجیرن کئے ہوئے تھے لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ شیعہ نے اپنے فقہاء اور طلبہ علم کی مالی اعانت کے لئے کچھ بھی نہیں کیا۔ چنانچہ عراق میں جو کہ شیعہ کا پہلا ٹھکانہ ہے۔ آج تک وہ زمینیں اور جائیدادیں موجود ہیں جو شیعہ کے خیراتی کاموں کے لئے وقف کی گئی تھیں۔

اس بدعت کی بنیاد رکھے جانے کے بعد اس میں کئی سخت احکامات کا اضافہ کیا گیا تاکہ شیعہ اسے مضبوطی سے تھامے رکھیں اور اس پر عمل پیرا رہیں اور شیعہ کو خمس کی ادائیگی پر آمادہ کرنا بھی ضروری تھا جب کہ یہ ایسا کام تھا کہ دھمکی کے بغیر کوئی شخص اس پر آمادہ نہیں ہوتا چنانچہ کسی زمانے اور کسی علاقے میں خواہ کتنی ہی آزادی، ترقی یا جمہوریت ہو ٹیکس کا نفاذ عوام کی جانب سے بیزاری کا نشانہ بنتا ہے۔ شیعہ کے پاس حکمران طاقت تو تھی نہیں کہ لوگوں کو اپنی آمدن میں سے راضی خوشی خمس ادا کرنے پر راغب کر سکیں اس لئے انہوں نے اس کے ساتھ ایسے سخت احکام کا اضافہ کیا جن میں امام کا حق (خمس) ادا نہ کرنے والے کا ابدی جہنمی ہونا اور ایسے شخص کے گھر نماز نہ پڑھنا جس نے اپنے مال میں سے خمس ادا نہ کیا ہو یا اس کے دسترخوان پر نہ بیٹھنا وغیرہ شامل ہیں۔

اسی طرح شیعہ فقہاء نے فتویٰ دیا کہ منافع میں سے خمس امام غائب کا حق

ہے (جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے) اس کا ان فقہوں اور مجتہدوں کے سپرد کرنا ضروری ہے جو امام کی نمائندگی کرتے ہیں اس طریقے سے اس بدعت نے شیعہ معاشرہ میں فروغ پایا جو ہر علاقہ اور ہر زمانہ میں شیعوں کے اموال کی فصل کاٹی رہتی ہے۔ بہت سے شیعہ آج بھی یہ ٹیکس اپنے روحانی پیشوا کو ادا کرتے ہیں اور اس طرح کہ وہ غریب اپنے پیشوا کے حضور عاجزی کے ساتھ بیٹھتا ہے پورے خشوع و خضوع کے ساتھ اس کا ہاتھ چومتا ہے اور پھر بہت شاداں و فرحان ہوتا ہے کہ اس کے پیشوانے اس پر بڑی



عنایت فرمائی ہے۔ اور امام غائب کا حق اس کی جانب سے قبول کر لیا ہے۔ بعض شیعہ فقہاء نے جن میں فقیہ احمد اردوبیلی شامل ہیں جو اپنے زمانہ کے سربر آوردہ فقہاء میں سے تھے حتیٰ کہ انہیں مقدس اردوبیلی کا لقب دیا گیا۔ غیبت کبریٰ کے زمانہ میں خمس میں تصرف کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا اسی طرح بعض شیعہ فقہاء رجوع تعداد میں بہت ہی کم تھے۔ نے امام ہمدی سے مروی اس قول کی بناء پر کہ - ” ہم نے اپنے شیعیان کو خمس معاف کر دیا ہے“ شیعہ سے خمس ساقط قرار دیا ہے۔ البتہ شیعہ فقہاء کی اکثریت نے اقلیت کی آراء کو دیوار کے ساتھ دے مارا اور آپس میں خمس نکلانے کے واجب ہونے پر اتفاق کر لیا۔

کاش شیعہ فقہاء اور مجتہدین شیعہ کے اموال سے بالاتر رہتے اور ایسا ذریعہ اختیار کر کے جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی ہے شیعہ عوام کے دستِ نگر بننا پسند نہ کرتے۔ بعض شیعہ علماء شیعہ (عوام) کے اموال میں سے خمس وصول کرنے کا یہ کہہ کر دفاع کرتے ہیں کہ ” یہ اموال دینی مدارس، علمی اداروں اور دیگر مذہبی امور پر خرچ کئے جاتے ہیں“۔ لیکن سوال یہ نہیں ہے کہ یہ اموال کہاں اور کیوں خرچ کئے جاتے ہیں بلکہ بحث اصولی، واقعی اور مذہبی ہے اور وہ یہ کہ مذکورہ اموال جھوٹے اور غلط طریقہ سے لوگوں سے ہتھیلے جاتے ہیں گو انہیں فی سبیل اللہ صرف کیا جائے لیکن یہ غیر شرعی ہیں ان میں تصرف ناجائز ہے۔

شیعہ فقہاء خود کفالت پر بھی اپنی شخصیت کی بنیاد رکھ سکتے تھے یہ بھی ہو سکتا تھا کہ فقہاء دوسرے پیشہ وروں کی طرح اپنے آپ پر اعتماد کرتے اسی طرح وہ علم اور علماء کی ترقی کے لئے لوگوں سے مال بھی لے سکتے تھے لیکن انہیں چاہیے تھا کہ مالی تعاون، مہربان اور عطیہ کے نام سے لیتے نہ کہ شرعی فریضہ یا آسمانی حکم کے نام سے۔ اس وقت جب یہ دستور سپرد قلم کر رہا ہوں میں شیعہ کے مجتہدوں میں سے ایک ایسے مجتہد کو جانتا ہوں جو ابھی یقیناً حیات ہے اس نے خمس کے ذریعہ اس قدر مال ذخیرہ کر رکھا ہے کہ ماضی کے قارون



یا دور حاضر کے فارولوں کا ساتھی بنانے کے لئے کافی ہے ایران میں ایک ایسا مجتہد تھا جو چند سال ہوئے قتل ہو گیا ہے اس نے لوگوں سے خواہی نخواہی خمس اور شرعی حقوق کے نام پر اتنی دولت جمع کر لی تھی جو دو کروڑ ڈالر کے برابر بنتی تھی اور بڑی مشکلات اور کئی مقدمات کے بعد ایرانی حکومت اسے اپنے قبضہ میں لینے میں کامیاب ہو سکی کہ مبادا اسے مجتہد کے وارث آپس میں تقسیم کر لیں۔

یہ دل نگر تصویر ہے بدعت خمس کے اثرات کی جسے شیعہ فقہانے شروع کیا اس میں شک نہیں کہ شیعہ کی مذہبی قیادت کبھی ختم نہ ہونے والے اس خزانے کی بدولت مقصد قوتوں سے الگ اپنا وجود برقرار رکھنے میں کامیاب رہی جب تک شیعہ کی مذہبی قیادت کسی بھی جگہ اور کسی بھی دور میں خود کو عام لوگوں کے کاروبار کے منافع میں شریک سمجھی ہے گی۔ شیعہ معاشرہ میں فکری استحکام کے لئے کوئی راہ نہیں ہو گی اور اس کا سبب واضح اور معروف ہے کہ یہ قیادت ان ضخیم خزانوں کی بدولت کہ جن کے حصول کے لئے انہیں ملازمین اور تحصیلداروں کی بھی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اخلاص کے ساتھ راضی خوشی اس کے پاس چلے آتے ہیں وہ اس قابل ہو سکی کہ شیعہ قیادت کو سیاست کا ایسا مرکز بنا ڈالیں جو شیعہ کو جس طرف چاہے لے جا سکے اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ اس قیادت نے شیعہ کو تاریخ کے ہر دور میں اپنے سیاسی اور اجتماعی مقاصد کے لئے استعمال کیا ہے۔

ایران کے شیعہ علاقہ میں شیعہ اور ان کے قائدین کے اس تعلق کے نتیجے میں وہ برے اثرات رونما ہوئے جو حد و حساب سے فزول تر ہیں۔ جب خمس کی بدعت کے ساتھ ولایت فقیہ کی بدعت بھی مل گئی تو حالات اس آخری حد تک بگڑ گئے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

ولایت فقیہ پر تفصیل سے بحث کرنے سے پہلے۔ تاریخ کے بیان میں امانت اور اپنے پیغام میں اخلاص کا ثبوت دینے کے لئے۔ ہم اس مقام پر یہ اضافہ

کرنا چاہتے ہیں کہ بلاشبہ بعض شیعہ قائدین نے فکرِ اسلامی کی خدمت انجام دی ہے اور کئی مرتبہ حکام کے استبداد یا استعمار کے خلاف جنگ میں ملکی مفادات کی خدمت کی ہے لیکن جب ہم ان لوگوں کے اپنے اثر و رسوخ کے عام مفاد کے لئے استعمال اور اکثریت کے اپنے اثر و رسوخ کو ذاتی مفاد کیلئے استعمال کا موازنہ کرتے ہیں اور ان کو ترازو میں رکھتے ہیں تو واضح طور پر دیکھتے ہیں کہ ذاتی مفادات کا پلڑا عام مفادات پر کچھ اس طرح بھاری ہے کہ آدھی ورطہ حیرت میں گم اور غم و اندوہ میں بزرگ ہو کر رہ جاتا ہے۔

## ولایتِ فقیہ

ولایتِ فقیہ دوسرا پُر یا دوسری بدعت ہے جس کا اضافہ ان لوگوں کے تسلط کے زیر اثر کیا گیا جو زمانہ غیبتِ کبریٰ میں امام مہدی کی نیابت کا دعویٰ کرتے ہیں یہ نظریہ دقیق تر معنی میں حلوی نظر ہے جو اسلامی فکر میں سچی انداز فکر کی طرف سے آیا جو کہ اللہ تعالیٰ کے مسیح کی شکل میں اور مسیح کے فقیہِ اعظم کی شکل میں ظاہر ہونے کا قائل ہے۔ تفتیشی عدالتوں کے زمانہ میں اسپین، اٹلی اور فرانس کے ایک حصہ میں پاپائے روم بے پایاں خدائی اختیارات کے نام سے فیصلے کرتا اور پچاسی پر ٹکانے، زندہ جلانے اور قید کرنے کی سزائیں سناتا تھا اس کے ”گارڈ“ پر امن گھروں میں شب و روز داخل ہوتے اور ان کے مکینوں کے ساتھ برا اور مفسدانہ سلوک کرتے۔ غیبتِ کبریٰ کے بعد بھی بدعتِ شیعہ طرز فکر میں شامل ہو گئی اس نظریے نے سوت مذہب کا رنگ اختیار کر لیا جب شیعہ علماء نے امامت کے متعلق زیادہ زور دینا شروع کیا اور یہ کہنے لگے کہ یہ الہی منصب ہے جو رسول کے نائب کے طور پر امام کے سپرد کیا گیا ہے اور یہ کہ امام زندہ لیکن نظروں سے غائب ہے تاہم غائب ہونے کے سبب اس کے وہ اختیارات مفقود نہیں ہوئے جو اسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے حاصل تھے اور بلکہ اختیارات اس کے نائبین کی طرف منتقل ہو گئے ہیں کیوں کہ نائب ہر معاملہ میں اس کی نمائندگی کرتا



ہے جس کا وہ نائب ہو۔

اس طرح شیعہ انکار کے بڑے حصے کا احاطہ ولایتِ فقیہ نے کر لیا۔ لیکن ان میں سے بہت سوں نے سابق الذکر معنی میں ”ولایت“ کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ولایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے بعد بارہ اماموں کے ساتھ خاص ہے اور امام کے نائبین کی طرف منتقل نہیں ہوتی۔ فقیہ کی ولایت قاضی سے بڑھ کر نہیں ہوتی جو ایسے اوقاف کیلئے امین مقرر کر سکتا ہے جس کا کوئی متولی نہ ہو یا پاگل اور عاجز کا نگہبان مقرر کرنے کا اختیار رکھتا ہے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ ولایتِ فقیہ کا نظریہ عالم خیال سے عملی دائرہ کار میں آنے کا موقع نہیں پاسکا۔ یہ موقع اسے صرف اس وقت ملا جب ایران میں شاہ اسماعیل صفوی نے اقتدار پر قبضہ کیا۔ یہ وہی زمانہ ہے جسے ہم نے شیعہ اور تشیع کے درمیان معرکہ آرائی کا دوسرا عہد قرار دیا ہے۔

شاہ اسماعیل ایک صوفی خاندان میں پیدا ہوا جس کا مستقر اردبیل شہر میں تھا۔ جو ایران کے شمال مغرب میں واقع ہے اس کے آباء و اجداد صوفی تحریک کے مرکز و محور تھے جس کا شعار علیؑ اور ان کے اہل بیت کی محبت تھا اور ترکی آذربائیجان میں اس کا بڑا اثر و رسوخ تھا۔ سنہ ۱۵۰۱ء ہجری میں شاہ اسماعیل نے قوت حاصل کر لی اور ایرانیوں اور عثمانیوں کے درمیان جنگوں کے بعد جنہوں نے ایران کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ ایران کا بادشاہ بن بیٹھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شاہ اسماعیل۔ جس کی باقاعدہ تاج پوشی ہوئی تو وہ صرف تیرہ برس کا تھا۔ کی پشت پر صوفی قیادت کا فرما تھی جو نوجوان بادشاہ کو اپنے مقاصد کے مطابق استعمال کر رہے تھے اور جب شاہ اسماعیل نے اقتدار پر قبضہ کیا تو ایران، قم، تاشان اور نیشاپور جیسے چند شہروں کے سوا شیعہ کا وجود نہ تھا۔ شاہ نے شیعیت کو ایران کا سرکاری مذہب قرار دینے کا اعلان کیا۔ صوفیوں کے جلوس ایرانی شہروں کے درمیان علیؑ اور اہل بیت کی مدح پر مشتمل اشعار و قصائد پڑھتے ہوئے آنے جانے لگے



یہ ارگ عامۃ الناس کو شیعہ مذہب میں داخل ہونے کی ترغیب دیتے شاہ اسماعیل نے شیعہ مذہب اختیار کر لینے کا اعلان نہ کرنے والوں کی گردنیں تلوار سے اڑا دیں۔

اس مقام پر ایک لطیفہ بھی ہم ذکر کر دیں۔ اصفہان کے شہری خارجی تھے جب ان تک شاہ کا شیعیت قبول کر لینے یا ان کی گردنیں اڑا دینے کا حکم پہنچا تو انہوں نے مطالبہ کیا کہ انہیں چالیس روز کی مہلت دی جائے تاکہ اس دوران وہ امام علی کو زیادہ سے زیادہ سب و شتم کر سکیں بعد ازاں وہ نئے مذہب میں داخل ہو جائیں گے چنانچہ انہیں ان کی خواہش کے مطابق مہلت دی گئی۔ اس طرح اصفہان بھی دوسرے شیعہ شہروں کی صف میں شامل ہو گیا۔

باوجودیکہ شاہ اسماعیل بذات خود اپنی پرورش اور صوفیہ مقام کے اعتبار سے شیعہ ہی تھا لیکن ایران کو خالص شعی رنگ میں رنگنا نئی حکومت کا درد سر تھا۔ عثمانیوں کے ساتھ جنگیں اگرچہ حقیقت کے اعتبار سے ملاقاتی جنگیں تھیں جن کی جڑیں قدیم تھیں مگر اس سلسلہ کا جاری رہنا مسلمان کی مسلمان کیساتھ جنگ حرام ہونے کے نظریہ سے متصادم تھا اور مسلمان کا مسلمان کو قتل کرنا ایسا معاملہ تھا کہ ایران کے انبارے مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ عثمانی خلافت کے ساتھ منسلک رہنا اور خلیفہ کا مطیع فرمان رہنا جسے امیر المومنین کا لقب دیا جاتا تھا۔ ایسا معاملہ تھا جس کے حامی موجود تھے لیکن شاہ اسماعیل کے ایرانی قوم کو سکھائے ہوئے نئے دین نے ایرانیوں میں شدید تعصب پیدا کر دیا اور عثمانی خلیفہ کی ایران کو خلافت عثمانیہ میں شامل رکھنے کی تمام امیدوں کا خاتمہ کر دیا اور اس وقت جب کہ شاہ خود کو صوفیوں کا مدار و محور سمجھے ہوئے تھا۔ شیعوں نے ایسی شان و شوکت حاصل کر لی جس کی مثال نہیں ملتی تھی مگر اس نے بھی ولایت فقیہ کا سہارا لیا۔ جبل عامل (لبنان) میں شیعہ کے سب سے بڑے عالم علی بن عبدالعال کر کے عاملی سے مطالبہ کیا کہ وہ اس کی سیاست اور بادشاہت کو استحکام دے اور اسے شاہی تخت پر بیٹھ کر ولایت

عامہ کے نام سے حکومت کرنے کی اجازت دے جو کہ "فقہیہ" اختیارات میں سے ہے۔ کتب تاریخ میں آج تک وہ تصریحات محفوظ چلی آتی ہیں جن میں کرک نے شاہ کو اجازت دی تھی شاہ کا حکومت میں ہوتے ہوئے اپنے نظام حکومت کو سہارا دینے کے لئے جبل عامل (لبنان) میں رہنے والے ایک شیعہ عالم کی طرف رجوع کرنا اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ شیعہ کی مذہبی قیادت کا مستقر اس وقت جبل عامل تھا جو عراق کے بعد شیعوں کا دوسرا بڑا گروہ ہے۔ اس لئے جب ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ شاہ اسماعیل کے پوتے شاہ عباس نے بہت بڑے شیعہ عالم شیخ بہاء الدین سے درخواست کی کہ وہ جبل عامل چھوڑ کر اس کے دارالحکومت اصفہان چلے آئیں تاکہ وہ اس کی حکومت کا باقاعدہ مرکز بن جائے اور اسے شیخ الاسلام کے لقب سے بھی نوازا تو ہمیں کچھ تعجب نہیں ہوتا۔

اس سب کچھ سے واضح طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ ولایتِ فقیہہ کا نظریہ یہ شیعہ طرز فکر میں موجود تھا اور اسی پر اسلامی خلافت یا کسی بھی حکومت کے غیر قانونی ہونے کا نظریہ مبنی تھا۔ تا وقتیکہ وہ فقیہہ اس کی اجازت نہ دے اور برکت کی دعا نہ کرے جو زندہ، غائب اور مائور من اللہ امام کی نمائندگی کرتا ہے۔

شاہ اسماعیل صفوی کے ایرانیوں کو شیعہ مذہب میں داخل کرنے کے وقت سے لے کر تا دم تحریر شیعہ مذہبی قیادت کا ایران میں گہرا اثر و رسوخ ہے اور اسے حکام اور ملوک کی جانب سے بڑا احترام حاصل رہا ہے باوجودیکہ مذہبی قائدین اور سیاسی زعماء کے درمیان بہترین تعلقات قائم رہے۔ تاہم بعض اوقات ان دونوں قیادتوں کے مابین رسد کشی شروع ہو جاتی جو کسی ایک کے دوسرے پر غالب آنے کے بعد ہی ختم ہوتی۔ جب سے شاہ اسماعیل ولایتِ فقیہہ کے منصب کو شاہ کے اپنے مقام

سیت تمام مناصب سے بلند تر باور کرنے میں کامیاب ہوا ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی شیعہ فقیہ نے خود کو براہ راست حکومت کے لئے پیش کیا ہو۔ ولایتِ فقیہہ کا نظریہ جس مفہوم



اور عملی شکل میں ہمارے زمانہ میں سامنے آیا ہے یہ تو فقہاء کے حاشیہ خیال میں بھی نہ تھی چنانچہ ایران میں فقہاء نے "ولایتِ فقیہ" کا حق کس حاکم کی مخالفت کی صورت میں اس کے سامنے آجانے یا دشمنوں کے بالمقابل اپنے بادشاہ کے شانہ بہ شانہ کھڑے ہو جانے سے زیادہ کبھی استعمال نہیں کیا۔

دو صدیوں سے کم عرصہ قبل جب شاہِ علی قاچاق نے قیصر سے اس کی زمین کے اندر جا کر جنگ کرنا چاہی تو روسیوں کے ساتھ جنگ میں شیعہ مجتہدوں کے سردار سید محمد طباطبائی جن کا لقب المجاہد تھا۔ شاہ اور اس کے جرنیلوں کے لشکر کے آگے آگے تھے اور جب ایران نے اس جنگ میں ذلت آمیز پسپائی اختیار کی اور شاہ سترہ بڑے ایرانی شہروں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ناقابلِ واپسی مان کر دستبردار ہو گیا اور شکست خوردہ لشکر ایران واپس آیا۔ المجاہد بھی اس کے ساتھ تھا، چنانچہ ایرانیوں نے رسوا کن ہشمناک نعروں کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور سید المجاہد اور ان کے حواریوں کے سروں پر مُردہ جانوروں اور کوڑے کرکٹ کی بارش کر دی تاکہ اپنے مذہبی قائد کے موقف کے برخلاف غم و غصہ کا اظہار کر سکیں جس نے ایران کو ہلاکت اور ناقابلِ فراموش مصیبت میں پھنسا دیا تھا۔

ہمارے زمانہ کی تاریخ میں جو کہ شیعہ اور تشیع کے درمیان معرکہ آرائی کا دور ہے ولایتِ فقیہ شیعہ ممالک میں حوادث کے اسٹیج پر خونخوار اور تند و تیز صورت میں ظاہر ہو رہی ہے جس نے تمام انسانی اور اسلامی اقدار کو بیک تلم مٹانا شروع کر دیا ہے اس نظریہ کے بارے میں فقہاء کے درمیان پھوٹ پڑنے والا اختلاف جس نے خوفناک معرکہ آرائی کی صورت اختیار کر لی ہے نیز حکمران فقہاء کا جبر و تشدد جس کا نشانہ حکومت سے باہر رہنے والے فقہاء کو بنایا گیا۔ شاید اندوہناک ترین اختلافات میں سے ہے جن کی ذمہ داری ولایتِ فقیہ کے سر پر ہے۔



باوجودیکہ ہم اپنی اس تصحیحی کتاب میں افراد کا نام لینا اور ان کے نام گنونا نہیں چاہتے تاکہ ہم غیر جانبداری کھونہ بیٹھیں جو ہر ایسے پیغام کی کامیابی کے لئے ضروری ہے جو لہیت کے جذبہ کے تحت دیا جا رہا ہو۔ تاہم جن واقعات کی طرف ہم اشارہ کر رہے ہیں وہ اس قدر واضح ہیں کہ شیعہ دنیا میں رزناموں پر لے کر لاشعراً اذیت رکھنے والا ہر شخص انہیں جانتا ہے اس لئے کن واقعات کے وہ عینی شاہد ہیں اس لئے ہمیں کامل اعتماد ہے کہ ان شیعہ حضرات میں جن کے لئے ہم نے یہ کتاب تالیف کی ہے ایک بھی ایسا فرد نہیں ہے جو ہم سے اس فصل میں مذکور مضمون کے متعلق شخصیات کے ناموں یا حوالوں کے ساتھ تہمت پیش کرنے کا مطالبہ کرے کہ "ولایت نقیہ کے حوادث اور اس کے ساتھ پیش آنے والے ایسے جو ایران اور دوسرے شیعہ معاشروں میں رونما ہوئے آفتاب نصف النہار سے بھی زیادہ واضح ہیں اب میں ولایت نقیہ پر ایک ساتھ نظریاتی اور عملی نکتہ نظر سے بحث کی طرف آتا ہوں۔ شیعہ فقہاء کے نزدیک اس نظریہ کی بنیاد اس آیت کریمہ پر ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا  
الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ

(النسار ۵۹)

مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری

کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی

شیعہ علماء کا کہنا ہے کہ مذکورہ بالا آیت میں اول الامر سے مراد خلیفہ

یا امام شرعی۔ یعنی امام علیؑ اور ان کے بعد امام مہدیؑ تک ان کی اولاد۔ مراد ہے اور

امام کی غیبت میں یہ ولایت فقہاء و مجتہدین کو حاصل ہوگی جو امام کے قائم مقام اور عمومی

نائب ہیں۔

اس تفسیر کا غلط ہونا اظہر من الشمس ہے کیوں کہ سب سے پہلے تو ولایت  
 فقیہ کا نظریہ قرآن میں وارد نص صریح کے خلاف ہے جس میں واضح اور دو ٹوک عبارت کے  
 ساتھ فقہاء کے اختیارات بیان کر دیئے گئے ہیں۔ بڑے دکھ اور افسوس کی بات ہے کہ  
 نظریہ ولایت فقیہ کے ابطال میں تفصیل کے ساتھ لکھنے والے تمام علماء نے اس بنیادی نکتہ  
 کو ذکر ہی نہیں کیا جو ولایت فقیہ کے نظریہ کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر کھ دیتا ہے اور قیامت  
 تک کے لئے مٹا ڈالتا ہے۔ وہ آیت جو نظریہ ولایت فقیہ کا بولپایاں ظاہر کرتی ہے اڈ  
 فقیہ کے اختیارات کی مدبصاحت بیان کرتی ہے درج ذیل ہے۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ  
 لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَ لِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا  
 رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ “

(التوبة ۱۲۲)

” تو یوں کیوں نہ کیا کہ ہر ایک جماعت میں سے چند  
 اشخاص نکل جلتے تاکہ دین کا علم سیکھتے اور اس میں  
 سمجھ پیدا کرتے (فقہیہ۔ بنتے) اور جب اپنی قوم  
 کی طرف واپس آتے تو ان کو ڈر سناتے تاکہ وہ  
 حذر کرتے“

یہ آیت صراحت کے ساتھ بتا رہی ہے کہ فقیہ کا فریضہ صرف تبلیغ اور  
 دینی امور میں رہنمائی کرنا ہے اس میں فقیہ کی ”ولایت“ یا اس کی اطاعت فرض ہونے  
 کے متعلق اشارہ تک نہیں ہے میں نہیں سمجھ سکا کہ یہ آیت علماء و مفتیین پر کیوں کر مخفی  
 رہی جب کہ عام مسلمانوں کی طرح شیعہ کا بھی اجماع ہے کہ نص کی موجودگی میں اجتہاد کرنا



باوجودیکہ ہم اپنی اس تصحیحی کتاب میں افراد کا نام لینا اور ان کے نام گنوانا نہیں چاہتے تاکہ ہم غیر جانبداری کھونہ بیٹھیں جو ہر ایسے پیغام کی کامیابی کے لئے ضروری ہے جو اہلسنت کے جذبہ کے تحت دیا جا رہا ہو۔ تاہم جن واقعات کی طرف ہم اشارہ کر رہے ہیں وہ اس قدر واضح ہیں کہ شیعہ دنیا میں روزناموں کے حوالے سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص انہیں جانتا ہے اس لئے کن واقعات کے وہ عینی شاہد ہیں اس لئے ہمیں کامل اعتماد ہے کہ ان شیعہ حضرات میں جن کے لئے ہم نے یہ کتاب تالیف کی ہے ایک بھی ایسا فرد نہیں ہے جو ہم سے اس فصل میں مذکور مضمون کے متعلق شخصیات کے ناموں یا حوالوں کے ساتھ ثبوت پیش کرنے کا مطالبہ کرے کہ "ولایتِ نقیہ" کے حوادث اور اس کے ساتھ پیش آنے والے ایسے جو ایران اور دوسرے شیعہ معاشروں میں رونما ہوئے آفتابِ نصف النہار سے بھی زیادہ واضح ہیں

اب میں ولایتِ نقیہ پر ایک ساتھ نظریاتی اور عملی نکتہ نظر سے بحث کی طرف آتا ہوں۔ شیعہ فقہاء کے نزدیک اس نظریہ کی بنیاد اس آیت کہ یہ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا  
الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ

(النساء ۵۹)

مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحبِ حکومت ہیں ان کی بھی شیعہ علماء کا کہنا ہے کہ مذکورہ بالا آیت میں اولی الامر سے مراد خلیفہ یا امام شرعی۔ یعنی امام علیؑ اور ان کے بعد امام مہدیؑ تک ان کی اولاد۔ مراد ہے اور امام کی غیبت میں یہ ولایت فقہاء و مجتہدین کو حاصل ہوگی جو امام کے قائم مقام اور عمومی نائب ہیں۔



اس تفسیر کا غلط ہونا اظہر من الشمس ہے کیوں کہ سب سے پہلے تو ولایت  
 فقیہ کا نظریہ قرآن میں وارد نص صریح کے خلاف ہے جس میں واضح اور دو ٹوک عبارت کے  
 ساتھ فقہاء کے اختیارات بیان کر دیئے گئے ہیں۔ بڑے دکھ اور انوس کی بات ہے کہ  
 نظریہ ولایت فقیہ کے ابطال میں تفصیل کے ساتھ لکھنے والے تمام علماء نے اس بنیادی نکتہ  
 کو ذکر ہی نہیں کیا جو ولایت فقیہ کے نظریہ کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر کھ دیتا ہے اور قیامت  
 تک کے لئے مٹا ڈالتا ہے۔ وہ آیت جو نظریہ ولایت فقیہ کا بوجھ پائین ظاہر کرتی ہے اؤ  
 فقیہ کے اختیارات کی مدبصاحت بیان کرتی ہے درج ذیل ہے۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ  
 لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَ لِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا  
 رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ۝

(التوبة ۱۲۲)

” تو یوں کیوں نہ کیا کہ ہر ایک جماعت میں سے چند  
 اشخاص نکل جلتے تاکہ دین کا علم سیکھتے اور اس میں  
 سمجھ پیدا کرتے (فقہہ۔ بنتے) اور جب اپنی قوم  
 کی طرف واپس آتے تو ان کو ڈر سناتے تاکہ وہ  
 حذر کرتے“

یہ آیت صراحت کے ساتھ بتا رہی ہے کہ فقیہ کا فریضہ صرف تبلیغ اور  
 دینی امور میں رہنمائی کرنا ہے اس میں فقیہ کی ” ولایت “ یا اس کی اطاعت فرض ہونے  
 کے متعلق اشارہ تک نہیں ہے میں نہیں سمجھ سکا کہ یہ آیت علماء و محققین پر کیوں کر مخفی  
 رہی جب کہ عام مسلمانوں کی طرح شیعہ کا بھی اجماع ہے کہ نص کی موجودگی میں اجتہاد کرنا

روا نہیں ہے لہذا ولایتِ نقیبہ کا نظریہ کتاب اللہ کی نص کے ساتھ متعارض ہے اور جو امر نص الہی سے متصادم ہو اسلام سے خارج سمجھا جاتا ہے۔ آیے ایک مرتبہ پھر آیت کریمہ کی طرف۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا  
الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِن  
تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ  
وَالرَّسُولِ

(النساء : ۵۹)

”مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری  
کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی  
اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اللہ اور  
اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو“

سیاق و سباق سے کاٹے اور اپنی مرضی کے مطابق حصے بخرے کے  
بغیر جو شخص بھی یہ آیت پڑھے گا علم یقین کی حد تک جان لے گا کہ اولی الامر کی اطاعت  
اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے مختلف ہے یہ اطاعت ہر عہدہ کے مزاج کے مطابق حاکم  
کو عطا کئے گئے اختیارات کے دائرہ تک محدود ہے حتیٰ کہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف رونما  
ہونے کی صورت میں اس کے اختیارات سلب کر لئے گئے ہیں جیسا کہ آیت نے تصریح کی ہے  
مزید برآں آیت اس امر میں بھی واضح اور صریح ہے کہ یہ حکم ان افراد  
کے متعلق نازل ہوا تھا جنہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ میں مسلمانوں کے معاملات  
میں والی کے طور پر اپنا نائب بنا کر بھیجتے تھے۔ لہذا مذکورہ آیت نبی اکرم (ص) کے زمانہ کے



متعلق نازل ہوئی۔ آپ کے عہد کے ساتھ مخصوص ہے اور اس میں اشارہ عام نہیں خاص ہے۔  
تاہم اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ آیت عام ہے اور عہد رسول کے بعد انمولے  
حکام کو بھی شامل ہے تو پھر بھی یہ آیت واضح ہے کہ مسلمانوں کے درمیان پیدا ہونے والے اختلافات  
میں ان پر اپنے حکام کی اطاعت فرض نہیں ہے یہیں سے ”اولی الامر“ کے اختیارات کا محدود  
ہونا نیز انہیں ”ولایت عامہ“ یا غیر محدود ولایت“ حاصل نہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

کاش میں جان سکوں کہ اس آیت کو ”ولایت نقیۃ“ اور مسلمانوں کے سیاسی  
معاشی، دفاعی اور اجتماعی امور میں حکومت چلانے کا اختیار فقہ کے سپرد کر دینے پر استدلال  
کرنے والوں نے اپنی دلیل کیوں کر بنالیا؟ لہذا جب اول الامر کو بھی یہ اختیار حاصل نہیں کہ  
مسلمانوں کے متنازع امور میں دخل دے۔ جیسا کہ کتاب اللہ نے تصریح کی کہ مبادا وہ اللہ تعالیٰ  
اور اس کے رسول کے نام کو ذریعہ بنا کر اسلامی معاشرہ میں اپنی خواہشات و عقائد کے مطابق  
بغیر مشورہ کے حکم چلا تا پھرے تو کیا یہ کہنا ممکن ہے کہ ”اولی الامر“ کے نائب کو وہ حقوق  
حاصل ہیں جو بذات خود اس شخص کو بھی حاصل نہیں ہیں جس کی نیابت یہ کر رہا ہے۔

ایران میں۔ جو دورِ حاضر کی تاریخ میں ولایت نقیۃ کا گڑھ ہے جسے  
ہم شیعہ اور تشیع کے مابین معرکہ آرائی کا تیسرا دور کہتے ہیں۔ ولایت نقیۃ نے جدید  
ایرانی دستور میں اہم ترین سیاسی مناصب اور صدارت حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کر لی  
ہے اسی طرح ملک میں مطلق الغنان حکومت بھی مسلط کر دی ہے تاہم اس سب کچھ کے باوجود  
دستور کے محافظ، اسے وضع کرنے والے اور اس کی وکالت کرنے والے فقہی نظریے اور عمل  
تطبيق میں پیدا ہونے والے واضح تضادات کا حل تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے  
یہی وجہ ہے کہ یہ نظریہ اپنی پشت پر موجود بے پناہ مادی قوت کے باوجود شیعہ قوم کی  
ظفروں میں بے بنیاد مضطرب کمزور اور رکیک ثابت ہوا ہے۔

شاید ان اختلافات اور واضح ترین تضادات میں سے پہلا اختلاف تضاد



جس کے متعلق ہر جگہ ایک دوسرے سے استفسار بھی کرتے ہیں۔ یہ ہے کہ ولایتِ فقیہ دینی منصب ہے یا سیاسی عہدہ؟ اگر یہ دینی منصب ہو تو انتخاب کا مرحلہ منٹ نہیں ہو سکتا اسے سلب نہیں کیا جاسکتا۔ اس میں درجہ بندی نہیں ہو سکتی کیوں کہ جو شخص بھی فقہانیت کے مرتبہ کو پہنچ جائے اسے "ولایت" حاصل ہوگی "معصومیت" اسے شامل ہوگی اور تمام مسلمانوں پر اس کی اطاعت بجالانا اور اس کی ولایت کے سلسلے میں تسلیمِ خم کرنا واجب ہوگا اور اگر ولایتِ فقیہ سیاسی عہدہ ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسے دین و مذہب کے ساتھ مربوط کیوں کر دیا گیا؟ اور اسے عقیدہ اور صاحبِ ولایت کی اطاعت دینی فریضہ قرار دینے کے بارہ میں کیوں ظاہر کیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں ایک انسان عملی نکتہ نگاہ سے ولایتِ فقیہ کا تصور کیوں کر کر سکتا ہے جب کہ فقہاء ایک شہر میں رہتے ہوئے بھی مختلف آراء رکھتے ہوں۔ تم خود سوچو مسلمانوں پر کس فقیہ کی بات سننا اور ماننا واجب ہوگا اور عوام باہم متضاد اور متناقض اقوال کو جمع کیسے کریں گے؟

حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے قانون کو اسلام کی طرف منسوب کرنا اس دینِ قیم کی توہین ہے جسے اللہ تعالیٰ نے انسانی اقدار کی سر بلندی کے لئے بھیجا ہے۔ ولایتِ فقیہ کا نظریہ ایران سے تجاوز کر کے دوسرے شیعہ علاقوں تک پہنچنا شروع ہو گیا ہے اور شیعہ عوام کو آندھی کی طرح اٹھا رہا ہے جیسے کہ انہیں ایران میں ابھارا تھا۔ مجھے یہ ڈر ہے کہ شیعہ میں ہر مقام پر یہ معیبت عام ہو جائے گی اور شیعہ کو اس طرح ہلا کر رکھ دے گی کہ اس کے بعد انہیں استقرار نصیب نہ ہو سکے گا۔ اگر شیعہ کو ان جرائم کا علم ہو جائے جن کا ارتکاب ولایتِ فقیہ کے نام پر ہوا اور ہو رہا ہے تو اپنے شہروں سے فقیہ کا سایہ تک مشاکرہ دم لیں اور ان سے اس طرح دور بھاگیں جیسے بکری بھیڑیے سے بھاگتی ہے۔

اب جب کہ یہ سطور رقم کی جا رہی ہیں شیعہ ملک ایران میں شیعہ مذہب ادا  
اس کے ہمراہ آنے والے فقہاء کے تسلط اور مذہبی رجعت پسندی کے خلاف شدید رد عمل پیدا  
ہو چکا ہے اور ایسا ان مصائب و آلام کے بعد ہوا جس کا سامنا "ولایت فقیہ" کی عنایات سے  
ایرانی قوم کو کرنا پڑا اور یہ ایسا ابتلا ہے جس نے ایران کے شیعہ معاشرہ کو فوج در فوج دأبو  
اسلام سے نکل جانے کا خطرہ لاحق کر دیا ہے۔

اس لئے میری مخلصانہ دعا ہے کہ میرا یہ اصلاحی پیغام وقت گزرنے سے  
پہلے ایران کے شیعہ بھائیوں تک پہنچ جائے اور انہیں معلوم ہو جائے کہ نجات کا راستہ تخریب  
و انکار میں نہیں بلکہ تعمیر و اصلاح کی ابتداء کرنے میں ہے۔

معزز قاری یہ نہ سمجھے کہ میرا اشارہ ولایت فقیہ کے نام سے حکومت پر  
قابلض ہونے والے فقہاء میں سے کسی خاص شخصیت کی طرف ہے بلکہ میں تو یہ کہنا چاہتا ہوں  
کہ نظریہ عام ہے سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور کوئی خاص فرد ہمارے مد نظر نہیں ہے۔  
جب ہم دقیق اور گہری نظر سے ان المناک واقعات پر غور کرتے ہیں جو  
اسلامی اور بالخصوص شیعی سرزمین میں رونما ہو رہے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ "ولایت فقیہ"  
لیے کاموں میں بڑا فعال کردار ادا کر رہی ہے جو اسلامی اصولوں کے ساتھ واضح تصادم  
رکھتے ہیں اور فقہاء کی اکثریت نے ان کے خلاف موقف اختیار نہیں کیا۔ بلکہ اکثریت  
یا تو موید بنی یا خیر جاندار رہی۔ ہاں چند فقہاء مستثنی ہوں گے لیکن ان کی تعداد ایک ہاتھ  
کی انگلیوں کی تعداد سے متجاوز نہیں ہے۔

اگر شیعہ ان تین امور سے جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے اور جو خاص طور  
پر انہی کے متعلق ہیں۔ نجات حاصل کرنے کے لئے ہماری اصلاحی تجاویز پر عمل کر سکیں تو ان  
کا منزلِ تصحیح کی جانب کافی راستہ طے ہو جائے گا اور وہ خود کو راحت سے ہٹکار کر لیں گے  
نیز ان بندھنوں سے نجات پالیں گے جن میں انہیں اللہ کے بندوں نے اللہ کا حکام



کی مخالفت کرتے ہوئے جکڑ رکھا ہے۔ وہ تین امور یہ ہیں۔

## ۱: تقلید

یہ شرعی مسائل میں مجتہد کی رائے کے مطابق اعتقاد رکھنے اور اس پر عمل کرنے کا نام ہے۔ شیعہ کی بہت بڑی اکثریت شرعی مسائل میں مجتہدوں کی طرف رجوع کرتی ہے کم ہی کوئی گھر ہوگا جس میں ان رسالوں میں سے کوئی رسالہ نہ ہو جسے مجتہدوں نے عوام کیلئے تالیف کیا ہے۔ جنہیں کچھ ناموں کے اضافہ کے ساتھ الرسالۃ العملیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ مثلاً ذخیرۃ الصالحین، صراط النجاة، ذخیرۃ العباد وغیرہ۔ ان عملی رسائل کا مطالعہ کرنے والا دیکھتا ہے کہ یہ فقہانہ دیولوں سے۔ آج تک۔ اپنے ان رسائل کے پہلے صفحہ پر عبارت لکھتے آ رہے ہیں۔

”ہر عاقل و بالغ کا فرض ہے کہ مجتہد ہو یا مقلد یا پھر

محتاج ہو یعنی احتیاط کے مقامات سے واقف ہو۔

عامی کا فروع میں تقلید کے بغیر عمل باطل بے سوہنے

اس نظریے کا جس پر امامیہ فقہاء زمانہ فہیت بکری سے آج تک متفق

چلے آتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص احتیاط پر کاربند ہے اس کے لئے تقلید کرنا اور

دوسرے کی رائے پر عمل کرنا روا ہے۔ احتیاطی عمل کا مطلب یہ ہے کہ مکلف کو فروعی مسائل

میں اختلافی مقامات کا علم ہو اور وہ ان میں سے اقرب الی الصواب کو اختیار کر لے۔

البتہ اصول و عقائد میں تقلید جائز نہیں۔ بلکہ واجب ہے کہ مسلمان سمجھ بوجھ کر ان کا اعتقاد رکھے

پس وہ حل جو ہم اپنے شیعہ بھائیوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں اور

ان سے اپیل کرتے ہیں کہ دنیا و آخرت میں سعادت کی ضمانت حاصل کرنے کے لئے

اسے لازم پکڑ لیں۔ یہ ہے کہ ”احتیاط پر عمل اور احتیاطی عمل میں شیعہ مذہب سے

خروج یا فقہاء شیعہ کے اجماع کی مخالفت نہیں پائی جاتی اور اس تحقیقت نے فقہاء



کے لئے شیعہ کو تیسچ کے خلاف اکسانے یا انہیں قیامت کے دن اللہ کے عذاب سے ڈرانے کے دروازے بھی بند کر دیئے ہیں البتہ جب شیعہ کے لئے نئے مسائل کھڑے ہوں اور یہ بہت ہی قلیل ہیں۔ میری مراد ان سے وہ مسائل ہیں جو پہلے سے ابواب فقہ میں موجود نہیں۔ تو اس صورت میں ایک یا ایک سے زیادہ مجتہدوں سے مشورہ کیا جاسکتا ہے میں اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق سے شیعہ بھائیوں کے لئے ایک "عملی فقہی رسالہ" نکلانے کی ذمہ داری لینے کو تیار ہوں جو عام طور پر پیش آنے والے مسائل میں احتیاط پر مبنی آراء پر مشتمل ہو اور یہ ایسے علماء و فقہاء کے تعاون سے ہوگا جو نیتوں میں اخلاص سے بہرہ ور ہیں اور اس کام کے بدلے کوئی اجرت اور ایسائوں کی جانب سے کسی قدر دانی کے متمنی نہیں ہیں۔

## ۲ - خمس

امامیہ فقہاء ایک تنگناٹے میں پھنس کر رہ گئے ہیں۔ انہوں نے اتفاق کیا کہ خمس میں سے۔ جو اللہ، اس کے رسول اور امام غائب کا حق ہے۔ نصف تو اس مجتہد کو ادا کرنا واجب ہے جس کی وہ (امامیہ شیعہ) تقلید کرتا ہے اور باقی نصف ہاشمی نظراء محتاجوں، یتیموں اور مسافروں پر خرچ کرے گا۔ لیکن یہ بات ان سے اوجھل رہی کہ یہ تو عوام میں سے مقلدین کی نسبت حکم ہوا۔ لیکن اس محتاط کا کیا حکم ہوگا جو کسی ایک نقیحہ کی رائے پر عمل نہیں کرتا۔ اس پر سے خمس ساقط ہوگا؟ یا وہ اس میں جیسے چاہے تصرف کر سکتا ہے؟ یہیں سے واضح ہو جاتا ہے کہ خمس کی بدعت شعی مفہوم میں فقہاء کے اس پر اصرار کے باوصف۔ دقیق نہیں۔ اس میں ایسے خلا ہیں جو اس کے باطل ہونے کی بین دلیل ہیں۔

بدعت خمس کا شعی مفہوم۔ سنت رسول، خلفاء راشدین اور ائمہ

شیعہ کے عمل کے خلاف ہے کیوں کہ اسلام میں تو صرف غنیمت میں خمس ہے تجارت اور کاروبار کے منافع پر تو کبھی خمس نہیں تھا۔

لہذا میں اپنے اس اصلاحی رسالے میں شیعہ بھائیوں سے اپیل کرتا ہوں اور انہیں ترغیب دیتا ہوں کہ کسی بھی فقیہ کو کسی پہلے سے یہ ٹیکس ادا نہ کریں جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی لیکن میں انہیں یہ ترغیب ضرور دوں گا کہ خیراتی کاموں، غرباء کی اعانت اور اجتماعی اداروں میں براہ راست اور کسی واسطہ کے بغیر حصہ لیں اور جان لیں کہ تو میں عز و شرف کی بلندی صرف سخاوت اور عطا کی بدولت پاتی ہیں۔

اگر شیعہ بھائی غریبوں، مجتہدوں اور فقیہوں کی مدد کرنا چاہیں تو یہ نیکی کا کام ہے لیکن یہ ان کی ذاتی ضروریات پوری کرنے کے لئے ذاتی معاونت کے طور پر کریں نہ کہ انہیں دوسروں پر مال خرچ کرنے کا واسطہ بنانے کے لئے جیسا کہ تادم تحریر صورت حال ہے۔

### ۳۔ ولایتِ فقیہ

اس مقام پر میں وہی بات دہراؤں گا جو اس سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ انسانی تاریخ میں ایسا کوئی نظریہ نہیں گزرا جس نے انسانیت کو اس قدر خوریزی، غم و اندوہ اور آنسو دیئے ہوں جس قدر شیعہ کے نظریہ ولایتِ فقیہ نے اپنے ٹھوکے وقت سے اب تک دیئے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں شیعہ سے اس نظریہ کا مقابلہ کرنے کی اپیل کرنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ یہ خود ہی اپنے آپ کو اکھاڑ پھینکنے کا عمل شروع کر چکا ہے۔ جب کسی نظریے یا فکر میں ناکامی یا۔ ان جرائم کے سبب جو اس کے نام پر کئے جا رہے ہوں۔ داخلی ٹوٹ پھوٹ شروع ہو جائے تو وہ نظریہ اضمحلال اور مکمل زوال کے راستہ پر گامزن ہوتا ہے۔

# عُلُوٌّ

وَلَا تَعْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا  
 أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا  
 وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ « المائدة ۷۷ »

”اپنے دین کی بات میں ناحق مبالغہ نہ کرو اور ایسے لوگوں کی خواہشوں کے پیچھے  
 نہ چلو جو خود بھی گمراہ ہوئے اور بھی اکثر لوگوں کو گمراہ کر گئے اور سیدھے راستے  
 سے ہٹ گئے۔“

جب انسان منزلِ کمال کو پہنچ جاتا ہے اور فرشتوں سے بھی بلند تر ہو جاتا  
 ہے تو شعبدوں اور اوہام کے جال بٹننے سے بے نیاز ہو جاتا ہے جو اس  
 کے گرد تیار کئے جاتے ہیں اور اسے کی روشن صورت کو بدنام کرتے  
 ہیں۔



(۱) نظری غلو

(ب) عملی غلو

نظری غلو

غلو کے کئی مظاہر ہیں جو نظریاتی غلو سے شروع ہوتے اور عملی غلو پر منتج ہوتے ہیں۔ مختصر ترین الفاظ میں غلو کسی انسان کا کسی انسان کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا ہے کہ وہ ایسی کرامات یا معجزات یا خارق عادت غیر معمولی امور پر قادر ہے جنہیں عام لوگ نہیں کر سکتے۔

یہ اعتقاد رکھنا کہ کوئی انسان (زندہ یا مردہ) دوسروں کی زندگی کے متعلق دنیا اور آخرت میں اچھے اور بُرے تصرف کی طاقت رکھتا ہے غلو کے بڑے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے۔

نظریاتی غلو روایات و احادیث کی کتابوں میں موجود ہے اور عجیب و خارق عادت امور کو ائمہ، اولیاء اور مشائخ کی جانب منسوب کرنا عملی غلو میں اضافے اور ائمہ، اولیاء اور مشائخ کے مقبروں پر عام لوگوں کے اظہار عبودیت نذر و نیاز اور براہ راست امداد طلب کرنے اور دیگر بے شمار شرکیہ اعمال کے سرزد ہونے کا سبب بنا۔ غالباً ان افکار بہت سے لوگوں کے دلوں میں حتیٰ کہ غیر مسلموں میں بھی جا گزیں رہتے ہیں۔ ائمہ و اولیاء کی نسبت غلو کرنے میں دوسرے اسلامی فرقے شیعہ کے شریک ہیں ان میں سے ہم صرف سلفیوں کو مستثنیٰ کر سکتے ہیں جو لوگوں کے دلوں

اور عقلموں کو چکرا کر رکھ دینے والی زنجیروں کو توڑنے میں کامیاب ہوئے۔

البتہ اس میدان میں شیعہ دوسرے اسلامی فرقوں سے سبقت حاصل کئے ہوئے ہیں۔ غلو میں اس طرح حد سے تجاوز کرنے کا سہرا ان کتب روایات کے سر ہے جن کی تہذیب نہیں کی گئی نیز ان روایات کے متعلق فقہاء کے موقف اور ان کی مشمولات کے ابطال نہ کرنے کے سر ہے چنانچہ شیعہ کی معتبر اور ثقہ کتابوں میں اماموں کے معجزات و کرامات میں ایسے قصبے مذکور ہیں جو دوسرے اسلامی فرقوں کی کتب روایات میں موجود مشائخ اولیاء اور صوفیائے اقطاب سے کم نہیں ہیں۔

میں اس بے شربحت میں نہیں پڑنا چاہتا کہ یہ حکایات سچی ہیں یا خیالی تانا بانا؟ یا یہ کہ مذکورہ روایات اس دور میں گھڑی گئیں جیب عام لوگوں کے ذہنِ راضی و مطمئن ہی نہیں ہوتے تھے تا وقتیکہ اپنے بزرگوں کی زندگی کے متعلق عقیدت کو چوش دلائے والے قصبے نہ سن لیں لیکن جس بنیادی نکتہ پر میں توجہ مرکوز کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ مسلمانوں اور امت مسلمہ کی مانند ہمارا بھی اعتقاد ہے کہ معقول نظریات ہی زیادہ قابل قبول ہوتے ہیں اور انہیں ماننے والے اور ان کی اتباع کرنے والے بھی زیادہ ہوتے ہیں، یہی حقیقت ہمیں سراہوں کے پیچھے بھاگتے پھرنے سے بے نیاز کرتی ہے۔

خاص طور پر ہم شیعہ نے تو عقلی مذہب کو اپنے فقہی احکام کے استنباط کا ایک حصہ بنا لیا ہے اور ایک روایت جے کلینی نے اصول کافی میں امام صادق سے بطریق متواتر ذکر کیا ہے میں ہے کہ :

” سب سے پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی عقل ہے پھر اسے کہا آؤ وہ آگے آئی پھر کہا پیچھے جاؤ تو وہ پیچھے چلی گئی پھر کہا۔ مجھ اپنی عزت و جلال کی قسم تمہارے سبب ہی سزا دوں گا اور تمہارے سبب

جزادوں گا“

اسی بنا پر شیعوں نے عقلی قاعدہ بنایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ  
”ہر وہ چیز جس کا حکم عقل دیتی ہے شرع نے بھی اس  
کا حکم دیا ہے“

یعنی متعلق عقلی احکام جنہیں عقل بہر حال رد یا قبول کرنے کا فیصلہ کر دیتی ہے  
تو ان کے باسے میں شرع کا فیصلہ بھی عقل کے مطابق ہوگا۔

میں پوچھنا ہوں ان خرافات کے متعلق عقل کا کیا فیصلہ ہے جنہیں راویوں  
نے آئمہ کے معجزات و کرامات کے طور پر روایت کیا ہے اس زرے غلو کا عقل سے کیا تعلق  
جو انسان کو اللہ کے ذکر اور اس کی طرف متوجہ ہونے سے روکتا ہے؟ پھر ہم شیعوں  
ہوتے ہوئے اپنے آئمہ کو وہ بلند مقام کیوں نہیں دیتے جس پر وہ فائز ہیں اور وہ انسان  
کامل کے مرتبہ میں پہنچنا ہے جو سب دوسرے معجزات پر فائق ہے۔ حدیث میں رسول اکرم  
صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہے:

إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ وَرَكَّبَ فِيهِ  
الْعَقْلَ وَالشَّهْوَةَ وَخَلَقَ الْمَلَائِكَةَ وَرَكَّبَ  
فِيهَا الْعَقْلَ وَخَلَقَ الْبَهَائِمَ وَرَكَّبَ فِيهَا  
الشَّهْوَةَ فَمَنْ غَلَبَ عَقْلَهُ عَلَى شَهْوَتِهِ فَهُوَ  
أَعْلَى مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَمَنْ غَلَبَتْ  
شَهْوَتُهُ عَلَى عَقْلِهِ فَهُوَ أَدْنَى  
مِنَ الْبَهَائِمِ“

”کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تخلیق کیا اس میں عقل اور



شہوت رکھی۔ فرشتوں کو تخلیق کیا ان میں عقل رکھی، جانوروں کو تخلیق کیا اور ان میں شہوت رکھی پس جس کی عقل اس کی شہوت پر غالب رہے وہ فرشتوں سے بلند تر ہے اور جس کی شہوت اس کی عقل پر غالب آجائے وہ حیوانوں سے بھی کم تر ہے۔“

یہ ہے عظیم الشان مرتبہ۔ جو اللہ تعالیٰ نے آئمہ اور اپنے صالح بندوں پر انعام کیا جب وہ فرشتوں سے بھی بلند تر مقام پر پہنچ گئے جو۔ رب کعبہ کی قسم۔ انہیں ایسی خرافات سے بے نیاز کر دیتا ہے جو ان کے متعلق گھڑی جاتی ہیں اور جو بین کرتی عورت کو بھی ہنسلنے کے لئے کافی ہیں پھر بعض اوقات غلو مدح سے گزر کر مذمت میں بدل جاتا ہے مثلاً وہ عصمت جو آئمہ کی طرف منسوب کر دی گئی ہے (جیسا کہ سابقہ فصلوں میں ہم نے کہا) اس سے مقصود ان جھوٹی روایات کو ثبوت ہتیا کرنا تھا جو عقل و منطق کے منافی ہیں اور جو امام کی طرف اس لئے منسوب کی گئی ہیں کہ قتل و ذکاہ سے بہرہ و افراد پر ان کے مضمون کے متعلق بحث کا دروازہ بند کر سکیں اور لوگوں کو انہیں یہ کہہ کر قبول کرنے پر مجبور کیا جاسکے کہ یہ ایسے معصوم سے صادر ہوئی ہیں جو کبھی خطا نہیں کر سکتا۔

لیکن عصمت و تحقیقت امام کے حق میں نقص کے سوا کچھ بھی نہیں اس میں کوئی مدح نہیں کیوں کہ شیعہ مفہوم کے مطابق عصمت کا معنی یہ ہے کہ آئمہ اپنی ولادت سے لیکر وفات تک اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے اس کی کسی نافرمانی کے مترکب نہیں ہوتے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں شر پر خیر کو فضیلت و ترجیح دینے کا ارادہ مفقود تھا۔ میں نہیں جانتا کہ جب کوئی شخص ایسے ارادے کی بدولت جو اس کی ذات سے خارج ہے برائی کرنے پر قادر ہی نہیں ہے کوئی قابل فخر عصمت ہے۔ ہاں اگر عصمت کا یہ مطلب ہو کہ آئمہ گناہ کرنے پر قادر ہونے کے باوجود مالی نفسی، اخلاق میں قوی ملکہ اور رکاوٹ کی بنا پر ہرگز نافرمانی نہیں کرتے تو یہ بات

معقول اور عقل و منطق سے مطابقت رکھتی ہے لیکن اس صورت میں ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ قوتِ نفسِ محدودہ و محدودہ چندا اشخاص کے ساتھ خاص ہے یا صرف ہمکے انہ کے ساتھ خاص ہے بلکہ یہ ایسی صفت ہے جس کے ساتھ ہر انسان متصف ہو سکتا ہے بشرطیکہ حدودِ اللہ کی پابندی کرے، اس کے اوامر کی فرمانبرداری کرے نواہی سے باز رہے اور ہمیں کتابِ اللہ ہی کافی ہے جس نے سورۃ یوسف میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے حفاظت کی بلیغ تصویر اور حسین مثال پیش کی ہے۔

وَرَادَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ  
وَعَلَّقَتِ الْأَبْرَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ قَالَ مَعَاذَ  
اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ  
الظَّالِمُونَ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهِيَ تَنبَغِي  
كَوْلًا أَنْ يَرَاهَا بَرَهَانَ رَبِّهِ كَذَلِكَ  
لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ إِنَّهُ  
مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ ۝ (۱۱)

” جس عورت کے گھر میں رہتے تھے اس عورت نے ان کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا اور دروازے بند کر کے کہنے لگی (یوسف) جلدی آؤ انہوں نے کہا کہ اللہ پناہ میں رکھے وہ (یعنی تہلکے میں) تو میرے آقا میں

انہوں نے مجھے اچھی طرح رکھا ہے، میں ایسا ظلم نہیں کر سکتا بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے اور اس عورت نے اس کا قصد کیا اور انہوں نے اس کا قصد کیا اگر وہ اپنے پروردگار کی نشانی نہ دیکھتے تو جو ہوتا ہوتا، یوں اس لئے کیا گیا کہ ہم ان سے برائی اور بے حیائی کو روک دیں بے شک وہ ہمارے خالص بندوں میں سے تھے۔“

علم لدنی بھی اس قسم کی مثال ہے کسی محنت، کوشش اور صبر کے بغیر علم کے حاصل ہو جانے میں کون سی فضیلت ہے اس سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ ہمارے بعض علماء اس سے بھی دور جانکے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام ہر چیز جانتا ہے اور اسے تمام علوم و فنون کی معرفت حاصل ہے اور میں نہیں جانتا کہ انجینئر، مکیٹنگ یا جا پانی زبان کے ماہر ہونے میں امام کے لئے کیا فضیلت ہے، امام کی فضیلت تو نقیحہ پر بنیزگار اور دینی علوم میں ربانی عالم ہونے میں ہے ان میں سے ہر نصلت میں فضیلت ہے۔ پھر جب قرآن لوگوں کے لئے ضیاء نور بنا کر بھیجے گئے پیغمبر کے متعلق فرماتا ہے،

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا قَلِيلًا - (۱۱)

”اور تم لوگوں کو بہت ہی کم علم دیا گیا ہے۔“  
اور اس سے علم غیب کی نفی کرتا ہے

وَلَوْ كُنْتَ أَعْلَمُ الْغَيْبِ لَاسْتَكْتَرْتُمْ مِنَ الْخَيْرِ“ (۲)



” اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو بہت سے  
فائدے جمع کر لیتا“

ہمارے دل ہمارے لئے کس طرح روا قرار دیتے ہیں کہ ہم اپنے ائمہ کی  
طرف وہ امور منسوب کریں جو رسول اللہ ﷺ کی صفات سے بھی بڑھ کر ہیں انبیاء سے وقتاً فوقتاً  
صادر ہونے والے معجزات و کرامات تو اسی وقت وجود میں آتے تھے۔ جب آسمانی رسالتوں  
کو انسانی چیلنجوں کو سامنا ہوتا اور اس زمانہ میں جب کہ دلیل و منطق کی زبان میں فضائل عالیہ  
اور عقلی امور بشریت کے ذہن کی رسائی سے بالاتر تھے اور اسے ایمان کی راہ پر لانا بھی ضرور  
تھا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء پر انعام فرمایا اور انہیں معجزات سے تکمیل بخشی تاکہ لوگوں پر حجت  
قائم ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول کو دائمی معجزہ کے ساتھ مبعوث کیا جو کہ قرآن ہے  
یہ ابدی معجزہ ہے جو جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا باقی رہے گا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم  
کے ساتھ رسالت ختم کر دی گئی معجزات ختم ہوئے، دین کامل ہوا، نعمت عام ہوئی اور اللہ تعالیٰ  
کا فرمان واضح و روشن ہو کر آیا:

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَتَمَمْتُ  
عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ رَضِيتُ لَكُمْ الْاِسْلَامَ دِينًا. (۱۱)

” آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور  
اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام  
کو پسند کیا“

ایک بار پھر ہم علی غلو سے پہلے شیعہ کے ہاں پائے جانے والے نظریاتی غلو

کے متعلق بات کر رہے ہیں اور دوسرے اسلامی فرقوں کے لئے دروازہ کھلا چھوڑ رہے ہیں تاکہ اپنے فرزندوں کے قلوب و اذہان پر مسلط اور اپنی کتابوں کے صفحات میں پائے جانے والے غلو کے متعلق وہ خود بات کریں۔

حقیقی طور پر تکلیف دہ بات یہ ہے کہ نظریاتی غلو بھی عملی غلو کی طرح دلوں کی گہرائی تک مذہب کے فقہاء اور مجتہدین ہی کے رستے سے بہنچا ہے لہذا پہلی اور آخری ذمہ داری بھی انہیں پر عائد ہوتی ہے کیوں کہ اس رستے پر عوام کو انہی نے لگایا ہے چنانچہ کئی امور میں جن کی نسبت شیعہ کتب نے آئمہ کی طرف کی ہے۔ فقہاء مذہب نے اس کو بنیاد بنا لیا اور روایات کی معتبر کتابوں مثلاً، اصول کافی، وافی، استبصار، من لایحضرہ الفقیہ اور وسائل شیعہ وغیرہ اہم ترین کتب شیعہ اور مراجع نے ان کا ذکر کیا ہے ان میں سے بہت سی روایات میں غلو ہے اور بہت سی روایات میں بالواسطہ طور پر ائمہ کی شان گھٹائی گئی ہے باوجودیکہ ہم اپنے بعض علماء اور بعض مراجع کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں کیوں کہ انہوں نے نظریاتی و عملی غلو کے متعلق منصفانہ اور معتدل موقف اختیار کیا ہے تاہم ان میں سے اکثریت نے الف سے یاد تک غلو کا راستہ ہی اختیار کیا ہے۔ غالباً غلو کے اہم ترین موضوع یہ ہیں۔

۱ عصمت

۲ علم لدنی

۳ اہام

۴ معجزات

۵ غیب کی خبریں

۶ کرامات و معجزات

۷ قبروں کو بوسہ دینا اور ان سے حاجات طلب کرنا۔

اس مقام پر میں پوری وضاحت و صراحت کے ساتھ کہہ دینا چاہتا ہوں

کہ میں جب یہ مطالبہ کرتا ہوں کہ شیعہ کتب کی تہلیل کی جائے اور ان کو ایسی روایات سے پاک کیا جائے جو عقلِ انسانی کو صیقل کرنے کی بجائے اسے زنگار لگاتی ہیں تو اس کے ساتھ ہی میں دوسرے اسلامی فرقوں کے علماء سے بھی یہ مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ بھی اپنے طور پر اپنی کتب کو چھانٹیں اور ان میں آمدہ روایات سے ان کتابوں کی تہلیل کریں وہ بھی عجیب و رکیب ہونے میں شیعہ کتب میں تدوین شدہ روایات سے کم نہیں ہیں۔

## غلو عملی

عملی غلو آئمہ سے دنیوی و اخروی حاجات طلب کرنے اور ان سے براہِ راست مدد مانگنے کی صورت میں سلسلے آئمہ، اسی طرح قبروں کو بوسے دینا اماموں اور اولیاء کی آرامگاہوں میں یکساں طور پر عام ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قبروں کو بوسہ دینے، آئمہ سے حاجات طلب کرنے اور قرآن کریم کی بجائے ان کی قبروں کے سلسلے ”زیارات“ پڑھنے کے متعلق میں اپنے فقہاء اللہ انہیں معاف کرے۔ کے ساتھ بحث کرتے کرتے اکتا گیا ہوں۔ میں نے ان سے بار بار کہی ہوئی باتوں کے سوا کچھ نہیں سنا۔

چنانچہ وہ چاہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرِ اسود کو بوسہ دینے کو قبریں چومنے کا بہانہ بنا لیں۔ حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل خاص موقع و مقام میں سنت سمجھا جاتا ہے حتیٰ کہ خلیفہ عمر بن الخطاب نے حجرِ اسود کے سامنے کھڑے ہو کر اس سے مخاطب ہو کر فرمایا:

إِنَّكَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ وَلَكِنِّي  
رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ يَقْبَلُكَ فَأَقْبَلُكَ

”تو ایک پتھر ہے نہ ضرر پہنچا جاسکتا ہے نہ کوئی نفع



دے سکتا ہے لیکن چونکہ میں نے رسول اللہ کو دیکھا کہ

تجھے بوسہ دیتے تھے اس لئے تمہیں بوسہ دوں گا“

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کو اپنا ہاتھ چومنے کی اجازت نہیں

دی بلکہ زیارت کے لئے آنے والوں سے صرف مصافحہ کیا کرتے تھے اس طرح ہم نے یہ بھی نہیں

سننا پڑھا کہ امام علیؑ نے اپنا ہاتھ یا اپنی چادر چومنے کی کسی کو اجازت دی ہو۔ یہ امام صادق ہیں

انہیں ایک آدمی نے اس وقت غضب ناک کر دیا جب اس نے وہ عصا جس پر آپ ٹیک لگایا

کرتے تھے اس ناطے سے جو مناجا جاہا کہ وہ رسول اللہ کا عصا ہے تو آپ نے غضب ناک ہو کر اپنے

ہاتھ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا :

” تجھ پر تعجب ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

گوشت و خون ہے جب تم اسے نہیں چومتے

تو اس چیز کو کیوں بوسہ دیتے ہو جو نہ تمہیں نقصان

پہنچا سکتی ہے نہ نفع“

حجر اسود کو رسول اللہ کے بوسہ پر قیاس کرتے ہوئے قبروں کے بوسہ کے

جواز پر ہمارے علماء کے استدلال میں عجیب بات یہ ہے کہ شرعی احکام کے استنباط میں قیاس

کے سب سے بڑھ کر مخالف ہی لوگ ہیں جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ انہوں نے استنباط احکام میں

قیاس کا بدل دلیل عقلی کو بنایا ہے لیکن جب انہیں مصلحت نظر آئی تو قیاس پر عمل کر لیا۔

میں بہت سے مسلم ممالک میں اولیاد کی قبریں دیکھ چکا ہوں میں نے وہاں دائرین

کو اسی حالت میں دیکھا ہے جو حالت ہمارے آئمہ کے مشابہ میں ہوتی ہے میں دنیا کے کئی ممالک

میں عیسائیوں کے گرجا گھروں میں داخل ہوا ہوں اسی حالت میں میں نے لوگوں کو وہاں دیکھا

کہ وہ مسیح کی تصویر اور سیدہ مریم غدارہ کی صورتی سے برکت حاصل کرتے ہیں انہوں نے

اللہ تعالیٰ کو ایک طرف چھوڑ دیا ہے اور دنیا و آخرت میں انہی دونوں سے ملا مانگتے ہیں

میں بڑھوں، سنتوں، ہندوؤں اور سکھوں کے عبادت خانوں میں داخل ہوا وہاں پر بھی میں نے وہی کچھ دیکھا جس کا نظارہ اس سے پہلے مسلمانوں اور عیسائیوں کی زیارت گاہوں میں کر چکا تھا کہ قربانیاں پیش کرتے ہیں حاجتیں مانگتے ہیں مورتیوں کو چومتے اور ان کے سامنے نشوونما و خضوع اور سر جھکانے کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

اس طرح میں نے انسانیت کو ادھام کے سراب میں غوطے کھاتے دیکھا ہے ابن حزم جیسے مسلمان علماء اور ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کی حقیقی عظمت میرے دل میں نقش ہے کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے فائق عقلمن عطا فرمائیں تو انہوں نے اپنے اور دوسروں کے لئے انہیں ہدایت کا ذریعہ بنایا وہ اپنے زمانہ سے کئی صدیاں آگے تھے اور اس قسم کے اعمال کے بالمقابل غضبناک اور مذاق اڑانے والے کا موقف اپنایا۔ آئیے مل کر یہ واضح آیات پڑھیں جو ان امور کا واضح اور صریح طود پر علاج بتاتی ہیں۔

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا  
إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبِ  
لَأَسْتَكْبِرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ  
إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ  
يَتُوبُونَ ۝ (۱۱)

کہہ دو کہ میں اپنے فائدے اور نقصان کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو بہت سے فائدے جمع کر لیتا میں تو مومنوں

کو ڈر اور خوشخبری سنانے والا ہوں“  
 ۲ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ  
 اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ إِنِّي  
 مَلَكٌ ۝ (۱)

”میں نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے  
 ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ کہتا ہوں  
 کہ میں فرشتہ ہوں“

۳ قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ  
 وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ ۝ (۲)

”کہہ دو کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ  
 کے سوا غیب کی باتیں نہیں جانتے“

۴ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي  
 قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ  
 إِذَا دَعَانِ ۝ (۳)

”اے پیغمبر جب تم سے میرے بندے میرے بارے  
 میں دریافت کریں تو (کہہ دو) کہ میں تو تمہارے پاس  
 ہوں جب کوئی پکارنے والا مجھ پکارتا ہے تو میں  
 اس کی دعا قبول کرتا ہوں“

(۱)	سورہ	۳۱
(۲)	النمل	۲۵
(۳)	البقرہ	۱۸۴



۵ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعَلْمَا تَسْوِسُ  
بِهِ نَفْسَهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ  
حَبْلِ الْوَرِيدِ (۱)

» اور ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور جو خیالات  
اس کے دل میں گزرتے ہیں ہم ان کو جانتے ہیں  
اور ہم اس کی رگ جان سے بھی اس سے زیادہ قریب  
ہیں“

## اصلاح

ایک دفعہ پھر ہم وسیع تر اصلاح کے نظریہ کی طرف پلٹے ہیں یہ سبھی ممکن  
ہے جب کتابوں کی چھان پھشک کی جلتے اور انہیں ان میں وارد شدہ غلط روایات اور  
آئینہ نش سے پاک صاف کر دیا جائے، ہم شیخہ اور شیخ کے درمیان کشمکش کے پہلے دور میں  
تالیف شدہ ان کتابوں کا تذکرہ بھی کریں جو اس کشمکش کے دوسرے دور یعنی صفوی سلطنت  
میں لکھی گئیں بلاشبہ یہ کتابیں پہلے وقت میں لکھی گئی کتابوں سے کہیں زیادہ خطرناک ہیں اور  
ان میں سے بعض کتابوں کے صفحات میں تو ایسے عجیب و غریب اقوال و امور جمع کر دیئے  
گئے ہیں کہ اہل بیت النبوة کا کوئی محب اور کوئی بھی عقلمند انہیں پسندیدگی کی نگاہ  
سے نہیں دیکھ سکتا۔

اور شاید اضافی فائدے کے طور پر بہتر ہے کہ ہم (خاص طور پر)  
تجارت الانوار نامی بڑے انسائیکلو پیڈیا کا ذکر کریں جسے عربی میں بیس سے بھی زیادہ

جلدوں میں ملا باقر مجلسی نے ترتیب دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ انسائیکلو پیڈیا فائدہ اور نقصان ہر دو اعتبار سے تمام دوائر معارف سے بڑھ کر ہے۔ یہ کتاب جہاں اپنے صفحات میں وہ عظیم علمی ورثہ لئے ہوئے ہے جو علماء و محققین کا مددگار ہے تو ساتھ ہی ایسے مضمر اقوال اور رکیک موضوعات ہیں کہ جنہوں نے شیعہ اور اُمت اسلامیہ کی وحدت کو شدید ترین و عظیم ترین نقصان پہنچایا ہے۔ مولف کو بھی اعتراف ہے کہ اس نے کتاب کا نام (بحارِ اسمند) اس لئے رکھا ہے کہ جس طرح اسمند میں موقی بھی ہوتے ہیں اور سنگریزے بھی اسی طرح ان کی کتاب بھی اسمند کی طرح مفید و مضر مواد پر مشتمل ہے لیکن انسو سنک حقیقت ہے کہ کتاب البحار میں موجود سنگریزوں نے اُمت اسلامیہ کی وحدت اور شیعہ کو شیعہ کی تاریخ میں لکھی گئی ہر کتاب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔

مولف نے اپنے دائرۃ المعارف کا بڑا حصہ شیعہ کے اماموں کے معجزات بیان کرنے کے لئے خاص کیا ہے یہ دائرۃ المعارف اُمت شیعہ کی طرف منسوب معجزات و کرامات پر مشتمل غالباً نہ انکار سے بھرا ہوا ہے سچی بات تو یہ ہے کہ یہ حکایات بچوں کو بہلانے کے کام ہی آسکتی ہیں۔

اس انسائیکلو پیڈیا کا دوسرا تباہ کن پہلو طعن و تشنیع کو خلفاء پر مرکوز کر دینا ہے جو بسا اوقات تو ناقابل برداشت صورت اختیار کر لیتی ہے یہی وہ بات ہے جس نے مذموم فرقہ پرستی کے تاجروں کو شیعہ اور اہل سنت کے درمیان دشمنی کو ہولینے کے لئے مناسب موقع بہم پہنچایا ہے اور شیعہ کے خلاف لکھی جانے والی کتابیں مجلسی کی کتابوں کو براہ راست نشانہ بناتی ہیں۔

مجلسی نے فارسی زبان میں بھی کتابیں لکھی ہیں جو اپنے مضامین کے اعتبار سے اس کے عربی دائرۃ المعارف سے کم نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مجلسی کا عہد شیعہ مذہب اور علماء مذہب کی تائید، بحار الانوار انسائیکلو پیڈیا کی تالیف کے



اہم ترین اسباب میں سے تھا، یہی وہ کتاب تھی جو ایران میں رہنے والے شیعہ اور ان کے پڑوس میں رہنے والے عظیم مسلم اکثریت کے درمیان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اختلاف پیدا کرنے کی ضامن تھی۔ جس پر خلافت اسلامیہ امیر المؤمنین کے نام سے حاکم تھی اور مجلسی جو ۱۰۳۷ ہجری میں پیدا ہوا اور ۱۱۱۱ ہجری میں وفات پائی صفویوں میں سے شاہ سلیمان اور شاہ حسین کا ہم عصر تھا اور اسے شیخ الاسلام کا مرتبہ دیا گیا اور صفوی سلطنت کے بہترین زمانے میں حکمرانی کرنے والے اور بادشاہوں کے حکم سے ایران کے دینی ائمہ اس کے سپرد کئے گئے۔

تیس سال سے زیادہ عرصہ پیشتر جب ایران میں ایک اشاعتی ادارے نے بحار الانوار نامی دائرۃ المعارف کو سوجلد میں از سر نو طبع کرنا چاہا تو اس وقت کے شیعہ فرقہ کے زعمیم اعلیٰ امام طباطبائی بروجرودی نے حکم دیا کہ اس کتاب کی تہذیب و تنقیح کی جائے اور اسے خلفاء راشدین کی تنقیح پر مشتمل تمام قصص و روایات سے پاک کر دیا جائے لیکن ناسر فرقہ پرستی کے بڑے تاجروں میں سے تھا اس نے مشتبہ گروہوں کے تعاون سے اس دائرۃ المعارف میں وارد ترتیب کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ اجزاء طبع کرنے شروع کئے جو ان قصوں اور ضرر رساں روایات پر مشتمل نہ تھے اور ضرر رساں جلدوں کی طباعت امام بروجرودی کی وفات کے بعد مکمل ہوئی اور انہیں اسلامی کتب خانوں میں پیش کر دیا گیا تاکہ مسلمانوں کے درمیان نفرت و عناد کی آگ کے لئے تازہ ایندھن کا کام دیں۔ مجھے بعد میں بتایا گیا کہ یہی کتاب دوبارہ لبنان میں ایسی جماعت کے تعاون سے طبع ہوئی جس کا ان استعماری اداروں سے گہرا تعلق تھا جو ہمیشہ سے ”پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو“ کی سیاست پر کاربند رہے ہیں۔

اس مقام پر جب کہ ہم شیعہ روایات کی کتب کی تطہیر کی ضرورت کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں ضروری ہے کہ ہم یہاں مکمل صراحت کے ساتھ یہ بتادیں کہ ان روایات کی تصحیح اور دفاع کے لئے جن کی ہم پھان بین کرنا چاہتے ہیں ہمارے



بعض فقہاء فقط یہ کہتے ہیں کہ علم اصول حدیث اور علم رجال ائمہ شیعہ سے ان روایات کے صادر ہونے اور ان کے ہاتھوں یہ کرامات و معجزات رونما ہونے کی تائید کرتے ہیں۔ کاش میں سمجھ سکوں کہ کس چیز کو ماننے اور اس پر عمل پیرا ہونے کو بہتر قرار دوں اصول حدیث و علم رجال کو یا اللہ تعالیٰ کی کتاب عزیز اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مطہرہ کو اور ان کے ساتھ ساتھ عقل اور منطوق و دلیل کو جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

كُلُّ مَا دَافَقَ الْكِتَابَ فَخَذُوهُ وَمَا عَارَضَهُ  
فَانْبَذُوهُ ۝ (۱)

” جو چیز کتاب اللہ کے مطابق ہو اسے منہاں لو اور  
جو اس کے مخالف ہو پھینک دو“

اس سے پہلے کہ یہ فصل ختم کروں انتہائی اہمیت کے حامل ایک موضوع کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے شیعہ امور سے دلچسپی رکھنے والے اور ہمارے فقہاء کی کثیر تعداد کی عادت ہے کہ مذکورہ کتابوں کی وحدت امت کو پارہ پارہ کرنے والے موضوعات سے تہلیل کی تجویز کو یہ کہہ کر رد کر ڈالتے ہیں کہ اہل سنت کی کتابیں بھی شیعہ کی تنقیص تکلیف اور انہیں زندق اور خارج از اسلام قرار دینے والے مواد سے بھری پڑی ہیں۔ ہم نے اپنے شیعہ فقہاء سے دو ٹوک بات کی اور ان سے کہا کہ تمہاری کتابیں خلفاء راشدین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات اور صحابہ کرام کو طعن و تنقید کا نشانہ بناتی ہیں جب کہ ان کا مسلمان کے دلوں میں عظیم مقام ہے۔ اہل سنت ائمہ شیعہ کے متعلق ایسی باتیں نہیں کہتے بلکہ ان کا احترام کرتے ہیں اور ان کے فضائل ذکر کرتے ہیں

(۱) راویان شیعہ و اہل سنت کا اس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے

لیکن جب اہل سنت عز و شرف میں بلند ترین جماعت میں نبیؐ کی سیرت کا پر تو دیکھتے ہوئے ان کا دفاع کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ شیعہ کتب میں ان کا ذکر ایسے طریقے سے کیا جاتا ہے جو ان کی غفلت شان کے کسی طرح مناسب نہیں تو اس کے نتیجے میں لازمی تھا کہ انہی کتابوں میں ایسے اقوال مدون کرنے والوں کو ہی مہتمم ٹھہرایا جائے۔

اس مقام پر کہا جاسکتا ہے کہ شیعہ کتب اور ان میں موجود خلفاء راشدین کے متعلق جارحانہ کلام اہل سنت کے شیعہ کے متعلق کلام سے کہیں زیادہ درشت و گراں ہے۔ یوں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس کے حکم کے مطابق اس اختلاف کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنا چاہتے ہیں اور ایسی اصلاحی تجاویز پیش کر رہے ہیں جو ان اختلافات کے جلد یا بدیر خاتمہ پر منتج ہوں۔ ضروری ہے کہ ہم واضح اور صراحت کا راستہ اختیار کریں اور ہم اس مقام پر اللہ تعالیٰ تاریخ اور تمام مسلمانوں کے سامنے ذمہ دار ہیں اس لئے ہم ملتے ہیں کہ اہل سنت مؤلفین کی بعض کتابوں میں شیعہ کے اماموں کے متعلق طعن و تشنیع موجود ہے شیعہ کے ائمہ سے یہاں ائمہ اہل بیت مراد ہیں انہیں ائمہ شیعہ اصطلاح کے مطابق مجازی طور پر کیا گیا ہے ورنہ حسنؑ حسینؑ اور زین العابدینؑ جیسے ائمہ اہل بیت اہل سنت کے بھی امام ہیں اور جو ان پر طعن و تشنیع کرے اہل سنت کے معیار کے مطابق وہ ان کے ہاں ملعون ہو جاتا ہے یہ تو واضح ہے کہ میری مراد حضرت علیؑ کے متعلق واضح اور صریح موقف رکھنے والے خارجی مؤلفین نہیں ہیں۔

باوجودیکہ اس قسم کی کتابیں انتہائی شاذ و نادر ہیں لیکن پھر بھی انہیں اصلاحی تحریک کو بے لوثاثر کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور فرقہ پرستی کے تاجر جو عظیم تر اسلامی وحدت کی تکمیل نہیں چاہتے اس کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس قسم کی شاذ و نادر کتابوں کو دلیل بنا لیتے ہیں جو عام طور پر دستیاب بھی نہیں لیکن ان کی موجودگی کو بہانہ بنا لیا جاتا ہے۔

میں اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ اُمتِ محمدیہ کے  
مصلحین کو توفیق دے کہ اس قسم کی کتابوں کی بھی تہلیل کریں تاکہ ہماری فکر پھیل کر عام  
ہو جائے۔



KITABOSUNNAT  
.COM

# قُبُورِ اُمَّہ کی زیارت

میرے نے آج تک اپنے فقہاء سے (اللہ انہیں معاف کرے) مخلوق کے کلام کی خالق کے کلام پر افضلیت کے بارے میرے کوئی شافی جواب نہیں سنا۔

غلو (مبالغہ آمیزی) کے مباحث کی فصل میں ہم نے شیعہ اور دیگر اسلامی فرقوں کے مابین مراد ائمہ اور قبور اولیاء کی زیارت کے متعلق وجہ اشتراک کی تفصیل ذکر کر دی ہے صرف سلفی حضرات اس سے مستثنیٰ ہیں جیسا کہ ہم اشارہ کر چکے ہیں اب ہم اس فصل میں مقام اختلاف کا ذکر کریں گے جہاں قبور ائمہ کی زیارت کے مسئلہ میں شیعہ دیگر فرقوں سے الگ ہو جاتے ہیں۔ شیعہ نے ائمہ کی قبروں کی زیارت کا مقصد و مفہوم ہی تبدیل کر دیا ہے ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ یہ عمل اللہ کی رضا کے لئے ہوتا مگر انہوں نے ان زیارتوں کو سیاسی، ثقافتی و مذہبی زیارتوں اور وسائل تشہیر میں تبدیل کر دیا ہے۔

آج جب میں یہ سطور لکھ رہا ہوں ادھر ایران، عراق اور مدینہ منورہ میں ہزار ہا شیعہ دن رات ائمہ کے مراد کی زیارت میں مشغول ہیں مجھے یقین ہے کہ شیعہ زائرین کی اس اکثریت میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جو قبرستان میں داخل ہوتے ہوئے یا امام کی قبر پر کھڑا ہو کر سورہ فاتحہ یا قرآن کریم کی کوئی دوسری سورتیں پڑھتا ہو۔ شیعہ کے ہاں صدیوں سے یہ رواج چلا آ رہا ہے کہ وہ اپنے ائمہ کی قبروں

کے پاس کھڑے ہو کر بیسی بیسی عبارتیں پڑھتے ہیں جسے وہ (زیارت) کا نام دیتے ہیں اور یہ زیارت ائمہ کی مدح و ثناء ان کے مخالفین پر تبرا بازی اور آخر میں کچھ تھوڑی سی دُعا پر مشتمل ہوتی ہے کم ہی کسی شیعہ کا گھر ہوگا جس میں دفناتح الجنان (نامی کتاب موجود نہ ہو اور اس کتاب میں ائمہ اور ان کی اولاد کے لئے سینکڑوں (زیارت) جمع ہیں اور



وہ سب کی سب ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں کہیں کہیں معمولی سا فرق ہوتا ہے اس کے ساتھ ہی ہم راہِ الجماعۃ البکیرۃ کے کچھ پیروے پڑھتے ہیں یہ اہم ترین شاندار اور طویل زیارتوں سے ہے جو امام کی قبر کے پاس پڑھی جاتی ہے۔ صدوق نے اپنی کتاب (الفقیہ) میں روایت کیا ہے کہ دسویں امام علی بن محمد الجواد نے اپنے ایک خاص آدمی موسیٰ بن عبداللہ النخعی کو اس (زیارت) کی تعلیم دی جس کے الفاظ یہ ہیں۔

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ بَيْتِ النَّبِوَةِ وَ  
مَوْضِعِ الرِّسَالَةِ وَمُخْتَلَفِ الْمَلَائِكَةِ وَ  
مَهْبِطِ الْوَحْيِ..... وَأَمْنَاءِ الرَّحْمَنِ وَسَلَالَةِ  
النَّبِيِّينَ بَصْفَةِ الْمُرْسَلِينَ وَعَتَرَةِ  
خَيْرَةِ دُبِّ الْعَالَمِينَ..... أَشْهَدُ أَنَّكُمْ  
الْأُمَّةَ الرَّاشِدُونَ الْمَهْدِيُونَ  
الْمَعصُومُونَ الْمَكْرُمُونَ الْمُقْرَبُونَ  
الْمُتَّقُونَ الصَّادِقُونَ..... الرَّغْبُ عَنْكُمْ  
مَارِقٌ وَاللَّازِمُ لَكُمْ لَاحِقٌ وَالْمَعْتَرِضُ فِي  
حَقِّكُمْ زَاهِقٌ وَالْحَقُّ مَعَكُمْ وَفِيكُمْ وَمِنْكُمْ  
وَإِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ أَهْلُهُ وَمَعْدَنُهُ وَمِيرَاثُ  
النَّبِوَةِ عِنْدَكُمْ وَأَيَاتُ الْخَلْقِ إِلَيْكُمْ  
وَحِسَابُهُمْ عَلَيْكُمْ وَفَضْلُ الْخُطَابِ عِنْدَكُمْ  
وَعِزَّتُهُمْ فِيكُمْ..... مَنْ وَالَكُمْ فَقَدْ وَالِيَ  
اللَّهُ وَمَنْ عَادَاكُمْ فَقَدْ عَادَى اللَّهَ وَمَنْ أَحْبَبَكُمْ  
فَقَدْ أَحْبَبَ اللَّهَ وَمَنْ أَبْغَضَكُمْ فَقَدْ  
أَبْغَضَ اللَّهَ..... أَشْهَدُ أَنَّ اللَّهَ وَأَشْهَدُكُمْ

انہی موال لکہ ولا ولایاکم مبغض لأعدائکم  
 ومعاد لہم سلم لمن سالکم وحرب  
 لمن حاربکم بکم یسلک الی الرضوان  
 وعلی من بحد ولایتکم غضب الرحمان  
 سلام تم پر اے نبی رسالت مآب کے اہل بیت جن کے  
 ہاں فرشتوں کی آمد و رفت رہتی تھی اور وحی نازل  
 ہوتی تھی۔ اللہ نے امانت تمہارے سپرد کی۔ تم سزا نبیاء  
 اور رسول مصطفیٰ کے فرزند اور اللہ تعالیٰ کے محبوب  
 کی اولاد ہو میں شہادت دیتا ہوں کہ تم رشد و ہدایت  
 کے پیکر، کرامت و عصمت پر سرفراز اور اللہ تعالیٰ کے  
 مقرب اور محبہ صداقت و تقویٰ تھے تم سے روگوانی  
 کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج اور تمہارے دامن  
 سے وابستگی رکھنے والا ہی ملت اسلام میں داخل  
 ہے اور تمہارے حق (خلافت) میں آٹے آنے والا  
 نابود ہے۔ حق تمہارے ساتھ ہے اس کا منبع بھی  
 تم اور اس کا بلجا و ماویٰ بھی تم ہو تم حق کا خزانہ ہو  
 میراث نبوت تمہارے پاس ہے لوگوں کو تمہاری طرف  
 لوٹ کر آنا ہے اور تمہی ان کا حساب لوگے۔ فیصلہ  
 کن کلام تیرے پاس ہے اس کے تمام احکام تمہارے  
 ہی متعلق ہیں تمہارا دوست اللہ کا دوست اور تمہارا  
 دشمن اللہ کا دشمن ہے۔ تمہارا محب اللہ کا محب اور  
 تمہارے ساتھ بغض رکھنے والا اور حقیقت اللہ کے  
 ساتھ بغض رکھنے والا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کو اور

تہمیں گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں تمہارا اور تمہارے دوستوں اور محبوں کا محب ہوں تمہارے دشمن سے عداوت و بغض رکھتا ہوں جس کے ساتھ تمہاری صلح اس کیساتھ میری صلح جس سے تمہاری جنگ اس کے ساتھ میری جنگ اللہ تعالیٰ کی رضا کا راستہ صرف تمہاری معیت میں طے ہو سکتا ہے جو تمہاری "ولایت" کا انکار کرے اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو۔

زیارت اسی قسم کی عبارت پر مشتمل ہوتی ہے آخر میں مختصر ہو جاتی ہے۔

جس (زیارت) کے مختصر اقتباسات ہم نے ذکر کیے ہیں یہ تمام زیارتوں سے بہتر اور معتدل مضمون کی حامل ہے جب کہ کئی ایک دیگر زیارات سخت اور تند و تیز الفاظ پر مشتمل ہیں بعض میں خلفاء راشدین پر جرح و قدح بھی ہے لیکن عام طور پر ان زیارتوں میں آلِ محمد پر ظلم کرنے والوں سے اظہارِ نفرت، حضرت علی اور ان کی اولاد کی فضیلت اور امامت پر ان کا حق فائق ہونے کا اعتراف ہے اور ایسی بھی کئی زیارتیں ہیں جو خصوصاً امام حسینؑ کے متعلق ہیں اور وہ امویوں سے اظہارِ نفرت اور ان میں سے بہتوں کے حق میں ان کے قتلِ حسینؑ کی وجہ سے صریح سب و شتم پر مشتمل ہیں۔

بلاشبہ واقعہ کربلا میں حضرت امام حسینؑ کا قتل، اور حضرت علیؑ کو منبروں پر بڑا بھلا کہنے کی ریت۔ جس کا آغاز معاویہؓ بن ابی سفیانؓ نے کیا اور حضرت عمر بن عبد العزیز کی خلافت ۹۹ھ تک یہ سلسلہ جاری رہا پھر حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے اسے ختم کر دیا۔ ان اہم ترین اسباب میں سے ہے جن کی وجہ سے شیعہ کی طرف سے سخت رد و عمل ظاہر ہوا اور انہوں نے بنی امیہ کے خلاف سب و شتم کو دینی اور قانونی حیثیت دے کر ان دینی اور داد و وظائف (زیارات) میں شامل کر دیا جنہیں ائمہ اور ان کی اولاد کی قبروں کے پاس تلاوت کیا جا رہا ہے اور





شیعی مذہب کے اہداف و مقاصد کی نشر و اشاعت کا طریقہ بھی تھا۔

اسی لیے جب میں ائمہ شیعہ کی طرف منسوب رہا ہے پاس موجود ان روایات کو پڑھتا ہوں جو لوگوں کو قبر حسین کی زیارت پر براہِ نیگمہ کرتی ہیں تو مجھے ہرگز کوئی تعجب نہیں ہوتا مثلاً بعض روایتوں میں ہے

لكل خطوة يخطوها الزائر في سبيل  
زيارة الحسين له قصر في الجنة "

" یعنی زائر کے لئے حضرت حسین کی زیارت کے راستے

میں ہر قدم کے بدلے جنت میں ایک محل ہے "

حتیٰ کہ انہوں نے کربلا کو کعبۃ اللہ سے بھی اعلیٰ مقام دے دیا ہے ایک

شیعہ شاعر کہتا ہے ۔۔

د فی حدیث کربلا والکعبہ

لکربلا بان علو الرتبة

" کربلا اور کعبہ کے متعلق گفتگو ہوئی تو پتہ چلا کہ کربلا

کو کعبہ سے بلند مرتبہ حاصل ہے "

ایسے ہی بعض دوسری روایات میں ہے

ان من بکی علی الحسين

أو تبکی غفر له ما تقدم من ذنبه

وما تأخر۔

" جس شخص کو حضرت حسین پر رونا آئے یا تکلف سے

روئے اللہ تعالیٰ اس کے گزشتہ اور آئندہ تمام گناہ

معاف کر دیتا ہے "

ان روایتوں کی تالیف اور انہیں آئمہ کی طرف منسوب کرنے سے کربلا کی طرف سفر کے لئے جدوجہد کو حیرت ناک تو انائی حاصل ہو گئی حالانکہ اس زمانے میں کربلا کا سفر سخت پر مشقت اور پُرخطر تھا۔ انہی روایات کی بدولت خلافت، بنو امیہ و عباسیہ کے عہد میں کربلا محرم الحرام اور صفر میں بڑے بڑے شیعہ منظر ہرات کا مشاہدہ کرتا تھا خصوصاً دس محرم الحرام کو کہ وہ یوم شہادت حسینؑ ہے۔ اور یہاں جمع ہونے والے زائرین خاموشی کے ساتھ امام کی قبر کے پاس کھڑے ہوتے ہیں زیارتوں کی قرائت کے وقت اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرتے ہیں اور یہ ان کا ایک شگفتی شو ہوتا ہے جس کے پس پردہ علماء و دانشوروں نے بڑی کاوش اور دانائی سے ایک خاک تیار کیا ہوتا ہے جس کے ذریعے وہ شیعہ کو ایک خاص راستے پر جمع کرتے ہیں جو کبھی منقطع نہیں ہوتا۔

بلاشبہ ان زیارتوں کی تالیف کے لئے خاکہ وضع کرنے والے بڑے عبقری ثابت ہوئے کہ وہ اموی اور عباسی عہدِ خلافت میں شیعہ نفسیات کو صحیح معنوں میں سمجھ پائے تھے تو ایسی زیارتیں معرض وجود میں آئیں جنہیں خاص مذہبی ایام میں شیعہ نے ہاتھ لیا گیا کہ یہ عمل خلافت کے خلاف ایک منظم تحریک تھا اس طرح ان زیارتوں کی صورت میں مذہبی ثقافت وسیع پیمانے پر عام اور شائع ہو رہی تھی باوجود اس کے کہ حکومتِ وقت اس کے خلاف تھی اور یہ سب کچھ اس دور میں ہوا جب صحافت، عام مدارس، مہمگیر نشریات، ذرائع ابلاغ و وسائل طباعت اور گروہی تنظیموں کا رواج نہیں تھا اسی لئے یہ امر ہمارے لئے باعث تعجب نہیں ہے کہ عباسی خلیفہ المتوکل نے لوگوں کو امام حسین کی قبر کی زیارت سے منع کر دیا تھا اور اسے اکھاڑ دینے کا حکم دیا تھا تاکہ لوگوں کے لئے اس کے نشانات بھی مٹ جائیں۔

اور آج جب کہ وہ تمام صورت حال ختم ہو چکی ہے اور عالمِ اسلام میں کہیں بھی اموی اور عباسی خلافت کا نام و نشان باقی نہیں رہا اور نہ ہی خلفاء اور خلافت کے بارے میں وہ فکری تصادم ہے کیا اب بھی شیعہ لوگ اسی راستے پر چلنا پسند کریں گے جس پر ہم تقریباً تیرہ صدیوں سے چل رہے ہیں کہ آئمہ کی قبروں کے پاس کھڑے ہو کر اس کلام کو دہراتے رہیں جسے



صدیوں تک دہرتے رہے ہیں حالانکہ اس سے کسی فائدے کی توقع ہے نہ اس پر کوئی مذہبی اثر مرتب ہوتا ہے، ماسوا ان خالص دعاؤں ولے چند فقروں کے جو ان زیارتوں میں صرف تھوڑے سے حصے میں ہوتے ہیں نیز ہم کب تک مخلوق کے کلام کو خالق کے کلام پر اہمیت دیتے رہیں گے خود ائمہ کرام اپنی قبروں کے پاس پڑھے گئے ان رلادینے ولے خطبوں سے کیا فائدہ حاصل کرتے ہیں کیا فی الواقع یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کریں اور اپنے آئمہ کی قبروں کے پاس قرآن کریم کی آیات تلاوت کریں اس میں نہ صرف زائمہ کے لئے ثواب و رحمت اور نور و ہدایت ہے بلکہ صاحب قبر کو بھی کچھ حاصل ہوتا ہے خواہ وہ نبی یا امام ہی ہو۔

## اصلاح

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ زیارتیں جن سے شیعہ کتب بھری ہوئی ہیں اور ہر شیعہ انہیں اپنے گھر میں رکھتا ہے اور جب مشاہد اہل بیت میں سے کسی مشہد کی زیارت کرتا ہے تو انہیں پڑھتا ہے یہ زیارات شیعہ ثقافت کی ترجمان ہیں اور اس عہد میں مرتب کی گئیں جب کہ شیعہ کو مذہبی ثقافت سے روشناس کرنے کی ضرورت تھی مجھے یقین ہے کہ ان زیارتوں میں موجود بعض فقرے جن میں اماموں کو بعض نافرمانیوں کی صفات دینے کا ذکر ہے جو اللہ کی صفات کے قریب یا ان میں شریک ہیں اگر امام علی رضی اللہ عنہ من لیتے تو ان کی تلاوت کرنے والوں اور تالیف کرنے والوں پر برابر حد جاری کرتے۔ یہاں میں تمام رئے زمین کے شیعہ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ فقورٹی دیر کیلئے اپنے اس عمل (زیارت قبور) پر غور کریں جس میں وہ مذکورہ عبارتیں تلاوت کرتے ہیں جو نہ ان کے لئے کسی خیر کا باعث ہیں اور نہ ہی آئمہ کے لئے جیسا کہ میں اپنی یہ بات بھی دہراؤں گا کہ اسکی ذمہ داری مذہبی قیادت پر ہے جس نے شیعہ کو اس راستے پر چیلنے کا عادی بنا یا ہے ہیں نے آج تک کسی قابل اعتماد شیعہ کو نہیں دیکھا کہ وہ مشاہد ائمہ میں سے کسی مشہد پر حاضری

دینے گیا ہوا اور اس نے مشہد کے پاس کھڑے ہو کر ان زیارتوں کی قرأت پر تلاوت قرآن کو ترجیح دی ہو۔ مجھے نہیں معلوم ہو سکا کہ ہم شیعہ لوگوں کا کلام اللہ کو چھوڑ کر مخلوق کے کلام کی طرف زیادہ جھکاؤ کیوں ہے حتیٰ کہ اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ زیارت امام ہی سے صادر ہوئی ہے تو بھی آخر ہم امام کے کلام کو کلام اللہ پر کیوں افضلیت دیں۔ اگر زیارت کا مقصد ثواب اخروی کا حصول ہے تو قرأت قرآن کریم اس ثواب کی ضامن ہے اور اگر مقصد زیارت تکمیل امام ہے تو بھی قرأت قرآن ہی اس کی ضامن ہو سکتی ہے۔

مجھے اس بات کا علم اور یقین ہے کہ میری تصحیح کی دعوت غور و فکر کو اسی روایتی جواب کا سامنا ہوگا جو ہم مدت مدید سے اپنے فقہاء - ساحم اللہ - سے سنتے آرہے ہیں کہ یہ زیارتیں ہمارے ائمہ سے منقول ہیں اور یقیناً وہ اس معاملے کو ہماری نسبت بہتر جانتے تھے میں اس موقع پر اپنے ائمہ سے تو بحث و تکرار نہیں کر سکتا کہ ہمارے دوران کے درمیان موت و حیات کا پر وہ حائل ہے لیکن اگر میں امام علی بن محمد کے زمانے میں موجود ہوتا اور ان کی معیت میں قبر حسینؑ پر حاضری دینے جانا اور انہیں "الوارث" اور "الجامعہ" جیسی زیارتیں قبر امام کے پاس تلاوت کرتے سنتا تو میرا ان کے ساتھ درج ذیل مکالمہ ضرور ہوتا۔ میں کہتا : اسے فرزند رسول یہ زیارت اللہ کا کلام ہے یا مخلوق کا کلام ؟

امام : مخلوق کا کلام۔

میرا دوسرا سوال یہ تھا کہ : کلام اللہ افضل ہے یا کلام مخلوق ؟

امام : کلام اللہ افضل ہے۔

میں ایک بار پھر پوچھتا : تو پھر آپ نے کلام اللہ پر مخلوق کے کلام کو فضیلت کیوں دی ؟ اور تلاوت قرآن کیوں نہ کی ؟

معلوم نہیں امام موصوف اس نقطے پر پہنچ کر مجھے کیا جواب دیتے۔ اس قسم کی تصوری ملاقات اور گفتگو کا یہ مطلب نہیں کہ میں یہ عقیدہ

رکھتا ہوں کہ زیارتیں ائمہ شیعہ سے منقول اور صادر ہوئی ہیں یہ تو میں بعید ترین احتمال تک پہنچا ہوں تاکہ ان لوگوں کا راستہ روک سکوں جو ہر چیز کی ترویج میں عمل امام کو ذریعہ بنتے ہیں میں اس فصل کو اس حدیث پر ختم کرتا ہوں جو کتب صحاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

تَرَكْتُ فِيكُمْ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ اللَّهِ  
وَسُنَّتِي مَا ان تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوا  
مَنْ بَعْدِي أَبَدًا

” میں تم میں دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں کتاب اللہ اور  
اپنی سنت جب تک انہیں مضبوطی سے تھامے  
رکھو گے میرے بعد ہرگز گمراہ نہیں ہوؤ گے “  
شیعہ یہی حدیث اس طرح روایت کرتے ہیں۔

تَرَكْتُ فِيكُمْ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ  
اللَّهِ وَعِتْرَتِي أَهْلَ بَيْتِي مَا ان  
تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوا مَنْ  
بَعْدِي أَبَدًا

” میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں اللہ کی کتاب  
اور خاندان نبوت اپنی آل جب تک ان دونوں کو مضبوطی سے  
تھامے رکھو گے میرے بعد کبھی ہرگز گمراہ نہیں ہوؤ گے “

شیعہ کیلئے یہ بات کس قدر بہتر خوب تر اور باعث فضیلت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کا حکم بجالائیں اور اس حدیث کے مطابق جسے وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں  
کتاب اللہ اور عترت رسول کو ایک جگہ جمع کر کے بیک وقت دونوں پر عمل کریں۔ ۱۷



KITABOSUNNAT  
.COM

# عاشوراء محرم

کو سنگینوں اور زنجیروں سے ماتم کرنا

کسی مقدس انقلابی تحریک کی صورت اسے طرح نہیں  
بگاڑی گئی جسے طرح شدید نے حسینؑ کی تحریک کا اعلیٰ محبت حسینؑ  
کے ذریعے بگاڑا ہے۔“

ضرورت کا تقاضا ہے کہ ہم دس محرم کو امام حسینؑ کے غم میں آہستی زنجیروں سے  
کنڈھے پٹینے، تلواروں اور سنگینوں سے سر پھوڑنے کا ذکر مستقل فصل میں کریں۔

چونکہ یہ بد صورت مظاہرہ تا حال شہادت حسینؑ کی یاد میں منعقد ہونے  
والی تقریبات و مجالس کی رسموں کا حصہ ہے اور ہر سال ایران، پاکستان، ہندوستان اور  
لبنان کے نبلی علاقہ میں برپا ہوتا ہے اور پاکستان کے بعض علاقوں میں تو اہل اثنیہ اور  
شیعہ کے درمیان خونی معرکے کا سبب بنتا ہے۔ فریقین کی سینکڑوں بے گناہ جانیں  
اس کی بھینٹ چڑھ جاتی ہیں، اس پر تفصیل سے روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

جیسا کہ ہم گزشتہ فصل میں کہہ چکے ہیں کہ شیعہ کئی صدیوں سے عاشورا  
محرم کا دن بطور یادگار مناتے ہیں ان زیارتوں کی قرأت کے علاوہ جن کا ہم تفصیل سے ذکر  
کر چکے ہیں اس دن شیعہ شعراء قبر حسینؑ کے پاس اپنے قصائد بھی پیش کرتے ہیں حتیٰ  
کہ ایک عربی شاعر ”شریف رضی“ نے جب قبر حسینؑ کے پاس اپنا ”عصماء“ نامی قصیدہ  
پڑھا جس کا مطلع ہے۔

اور جب درج ذیل شعر پر پہنچا:

كَمْ عَلَيَّ تَرْبُكُ لِمَا صرَعُوا

مِنْ دَمِ سَالٍ مَنْ قَتَلَ حَبْدِي

تیری قبر پر جب معرکہ بپا ہوا تو کس قدر خون بہا اور



اور کہتے ہی قتل ہوئے“

تورنے لگا اور اس قدر رویا کہ بے ہوش ہو گیا اور یہ بھی ثابت ہے کہ آئمہ شیعہ محرم کی دس تاریخ کو اہتمام سے مناتے اپنے گھروں میں بیٹھ رہتے، زائرین سے تعزیتیں قبول کرتے، اس دن لوگوں کو کھانا بھی کھلاتے، ان کے سامنے حضرت حسینؑ اور رسول اللہؐ کے اہل بیت کے فضائل اور ان کی شہادت کی یاد میں قیعدے پیش کرتے اور خطبے دیتے۔

زائرین کربلا میں اور قبر حسینؑ کے پاس جلوس کی صورت میں اور انفرادی طور پر گزرتے اور گریہ زاری کرتے ہوئے مذکورہ زیارتوں کی تلاوت کرتے ہیں اور یہ بھی اس احتفال و زیارت کا حصہ ہوتا ہے اور یہ رسم جو شیعہ دنیا میں امام حسینؑ کے لئے منفقہ مجالس میں اب تک جاری ہے اس کا خاتمہ لازماً آہ و بکا پر ہوتا ہے کیوں کہ،

”من بکی أو تبأکی علی الحسين و حبیبت

علیہ الجنة“

”جو شخص حسینؑ کے غم میں رویا یا مکر سے ٹسے

بہائے اس کے لئے نجت واجب ہے“

جیسا کہ ائمہ کی طرف منسوب بعض روایتوں میں ذکر ہے (لغوز باللہ)

کیا آئمہ ایسی بات کہہ سکتے ہیں؟

ایسے ہی شیعہ امام حسینؑ کے غم میں محرم و صفر میں سیاہ لباس پہنتے

ہیں اور اس سیاہ پوشی کی عادت نے اس وقت خاصی وسعت اختیار کر لیا جب شیعہ اور تشیع میں پہلا معرکہ بپا ہوا اور جب شیعہ سیاسی اور اسلامی شیخی پر ایک ایسی قوت بن

کر ابھرے جو برسر اقتدار خلافت کو ملیا میٹ کر دینا چاہتی تھی۔

عاشورہ محرم کی تقریبات کی ترویج و ترقی میں بوہی خاندان کا بھی

بڑا واضح کردار ہے جنہوں نے، میان و عراق پر خلافت عباسیہ کی حمایت کی۔ زمام سے حکومت کی لیکن ان محفلوں نے اس وقت عام رواج پکڑا اور شیعی طبیعت و مزاج کا گویا حصہ بن گئیں جب شاہ اسماعیل صفوی نے زمام اقتدار سنبھالی اور ایران کو شیعیت میں داخل کر دیا اور اہل ایران میں مذہب کے ساتھ خصوصی تعلق پیدا کر دیا تاکہ ایران کے پڑوس میں واقع ممالک خلافت عثمانیہ کے مقابلے میں ڈٹ جائیں جیسا کہ ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں اور صفوی شاہی دربار ہر سال عشرہ محرم میں سوگ منانے کا اعلان کرتا اور عاشوراء کے دن تقریب کے لئے آنے والوں کا استقبال شاہ خود کرتا شاہی محل سرا میں اس غرض سے خاص محفلیں منعقد ہوتیں جس میں عام لوگ جمع ہوتے اور شاہ بذات خود ان میں حاضری دیتا۔ ایسے ہی شاہ عباس اول صفوی جس نے پچاس برس حکومت کی اور وہ شاہان صفویہ میں قوت، گرفت، اور مکاری و عیاری میں سب سے بڑھا ہوا تھا وہ بھی عاشورہ محرم کو سیاہ لباس پہنتا اور اپنی پیشانی پر کچھڑ مل لیتا اور جلوس جب امام کی مدح اور ان کے قاتلوں کے خلاف اظہارِ نفرت کرنے کے لئے مرثیے گاتے ہوئے سڑکوں پر چلتے تو شاہ مذکور ان کی قیادت کرتا تھا۔

ہیں یہ تو بالضبط معلوم نہیں ہو سکا کہ عاشوراء کے دن آہنی زنجیروں سے کندھے پھینٹنے کا آغاز کب ہوا اور ایران، عراق وغیرہ جیسے شیعہ علاقوں میں اس رسم نے کب رواج پایا لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تلواروں سے سرکوبی اور لے زخمی کر کے عاشوراء محرم کو حضرت حسینؑ پر اظہارِ غم کا طریقہ ایران اور عراق میں ہندستان سے انگریزی استعمار کے زمانے میں گیا ہے اور انگریز شاطر نے شیعہ کی جہالت، سادگی اور امام حسین کے ساتھ اندھی عقل سوز محبت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں امام کے غم میں سرکوبی کی تعلیم دی۔

حتیٰ کہ ماضی قریب میں بھی بغداد اور تہران میں برطانوی سفارت خانے



حسینی تغزیہ کے جلسوں کی مدد کرتے رہے ہیں جو اسی مذکورہ بالا بدترین مظاہرے کی شکل میں گلیوں اور بازاروں میں چکر لگاتے تھے انگریزی استعمار کے ان بدترین جلسوں کی کاروائی کی ترویج و اشاعت کے پس پردہ انتہائی مکروہ سیاسی مقاصد تھے وہ ان کی نمائش کو برطانوی عوام اور آزاد اخبارات کے سامنے جو حکومت برطانیہ کے ہندوستان اور دیگر اسلامی ممالک میں نوآبادیاتی نظام کی مخالفت کر رہے تھے بطور ایک معقول وجہ جواز کے پیش کرنا چاہتا تھا تاکہ وہ ان ممالک کے عوام کے وحشیانہ مظاہرے سے یہ ثابت کر سکے کہ یہ تو میں کسی ایسے منتظم کی محتاج ہیں جو انہیں جہالت و بربریت سے نکال سکے۔ یہ تغزنی جلسوں جو دس محرم کو عام بازاروں کے چکر لگاتے ان میں ہزاروں لوگ شریک ہوتے جو آہنی زنجیروں سے اپنی پیٹھوں کو ہولہان کر لیتے تلواروں اور خنجروں سے اپنے سروں کو زخمی اور خون آلود کر لیتے ان کی تصویریں یورپ کے انگریزی اخبارات میں چھاپی جاتیں اس سے شاطر سامراجی یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ جن اقوام کی ثقافت کا مظہر یہ تصویریں جھلکیاں ہیں۔ نوآبادیاتی نظام کے ذریعے ان ممالک کے عوام کو شہریت و ترقی کے راستے پر گامزن کرنا ہماری انسانی ذمہ داری ہے۔

کہتے ہیں کہ عراق میں انگریزی عہد اقتدار میں اس وقت کے عراقی وزیراعظم یا سین ہاشمی جب انگریزی راج ختم کرانے کے لئے مذاکرات کرنے لندن گئے تو انگریز نے ان سے کہا ہم تو صرف اس لئے عراق میں رکے ہوئے ہیں کہ عراقی قوم کو احتمالاً انارکی سے نکالیں تاکہ وہ ہم دوش سعادت ہو سکے۔ یا سین ہاشمی اس بات پر بے افر و ختم ہو کر غصے کی حالت میں کمرہ مذاکرات سے باہر نکل آئے تو انگریز نے ان سے بڑی لجاجت اور نرم خوئی سے معذرت کر لی پھر پوسے احترام سے ہاشمی کو عراق کے بائے میں ایک دستاویزی فلم دیکھنے کو کہا جس میں نجف، کربلاہ اور کاظمیہ کی شاہراہوں پر چکر لگاتے ہوئے تغزیہ حسین کے جلسوں دکھائے گئے تھے جو بڑے خوفناک



اور قابلِ نفرت منظر پیش کر رہے تھے گویا انگریز یہ کہنا چاہتا تھا کہ جس قوم میں ذرہ بھر بھی تہذیب کا حصہ ہو وہ خود اپنے ساتھ یہ مار دھاڑ کر سکتے ہے؟

یہاں ایک پر لطف روشن خیال اور حکمت پر مشتمل مکالمہ کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، یہ گفتگو میں نے تیس برس قبل شیعہ فرقہ کے ایک بڑے عالم اور شیخ سے سنی تھی۔ وہ باوقار، کبیر السن شیخ دس محرم کے دن دوپہر بارہ بجے مقام کربلا میں روضہ حسینؑ کے قریب میرے پاس کھڑا تھا اسی اثناء میں ایک جلوس بھنگٹا ڈالتا ہوا آیا سروں کو تلواروں سے زخمی کئے ہوئے، غم حسین میں خون بہاتے ہوئے ایک جم غفیر روضہ حسین پر وارد ہوا پیشانیوں اور پہلوؤں سے بھی خون بہ رہا تھا اتہائی قابلِ نفرت شکل میں جسے دیکھ کر بدن کے رنگے کھڑے ہوتے تھے پھر اس کے پیچھے ایک اور جلوس آ گیا وہ بھی بہت بڑی تعداد میں تھا اور زنجیروں سے اپنی کریں پیٹ کر خون آلود کئے ہوئے تھے ان جلوسوں کو دیکھ کر وہیں اس بوڑھے شیخ اور وسیع النظر عالم نے کچھ سوالات کئے اور ہمارے مابین درج ذیل گفتگو ہوئی۔

شیخ نے پوچھا : ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے یہ خود ہی اپنی جانوں کو

ان مصائب و آلام میں مبتلا کئے ہوئے ہیں؟

میں نے کہا : آپ سن نہیں رہے یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ وہ

ہائے حسینؑ ہائے حسینؑ تو پکار رہے ہیں جس کا مطلب واضح ہے کہ یہ ماتم حسینؑ میں اپنی یہ حالت بنائے ہوئے ہیں۔

پھر شیخ نے نیا سوال کیا، کیا حسینؑ اس وقت تادار مطلق بادشاہ کے

پاس پاک مقام میں نہیں ہیں؟

میں نے کہا : یقیناً وہ ہیں۔

شیخ نے پھر پوچھا : کیا اس وقت حسینؑ اس جنت میں نہیں ہیں

جس کی چوڑائی آسمان وزمین کی طرح ہے وہ متقیوں کے لئے دیتا رکھی گئی ہے؟

میں نے کہا : ہاں (بالکل اسی جنت میں ہیں)

شیخ نے سوال کیا ، کیا جنت میں بڑی بڑی آنکھوں والی تہ کے ہونے آبدار

موتوں کی طرح حوریں نہیں ہیں؟

میں نے کہا : ہیں۔

شیخ نے ٹھنڈی آہ بھری اور نوح و عم سے بھرپور الجھے میں کہا ، صدافسوس

ان بددماغ جاہل لوگوں پر کہ یہ اس وقت امام مرحوم کی خاطر اپنی یہ حالت بنائے ہوئے ہیں جب کہ امام اسکی لمحے جنت اور اس کی نعمتوں میں ہیں اور دائم نوجوان خدمت گزار ان کے آس پاس آتا ہے ، آبِ خور سے اور شرابِ ناب کے گلاس لے کر پھر رہے ہیں۔

۱۳۵۲ھ ہجری میں جب شام کے سب سے بڑے شیعہ عالم سید محسن امین

عالمی نے ان جیسے اعمال کے حرام ہونے کا اعلان کیا اور اپنی رائے کے اظہار میں عدیم النظیر جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے شیعہ سے مطالبہ کیا کہ وہ یہ طوفان برپا کرنے سے باز آجائیں تو انہیں علماء کی صفوں میں سے ہی بعض مذہب کے ٹھیکیداروں کی طرف سے بڑی زور دار مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اور مذہب کے ان اجارہ داروں کے پیچھے حضرت علیؑ کے الفاظ میں ”کیئے بے لگام اور بیوقوف“ لوگوں کی طاقت تھی اور قریب تھا کہ سید امین کے یہ

اصلاحی اقدامات ناکامی سے دوچار ہوتے اگر ہمارے دادا مرحوم سید ابوالحسن شیعہ کے زعم اعلیٰ کی حیثیت سے ان کے موقف کی تائید کر کے ان کی پشت پناہی نہ کرتے ، جدِ امجد نے ان اعمال کے خلاف سید امین کی رائے کے حق میں غیر مشروط تائیدی اعلان کیا اور اس کی حمایت میں فتویٰ جاری فرمایا ،

سید امین کی اصلاحی تحریک کے حق میں ہمارے دادا مرحوم کے تائیدی موقف کے بڑے دور رس اثرات ظاہر ہوئے اگرچہ سید ابوالحسن کے خلاف بھی کئی مجتہدین



اور فقہائے آوازاٹھائی جیسا کہ اس سے قبل سیدائین کا ان سے پالا پڑا تھا مگر سید ابوالحسن نے بالآخر اپنے ارفع و اعلیٰ مقام و مرتبہ کی وجہ سے سب کو زیر کر لیا اور جمہور شیعہ نے اس بزرگ ترین راہنما کا فتویٰ تسلیم کرتے ہوئے اس کی اطاعت شروع کر دی اور آہستہ آہستہ ان اعمال شیعہ میں کمی واقع ہونے لگی اور یہ شیعیت کی سکین سے غائب ہونے لگے لیکن اس کے آثار بالکل مٹنے نہ پائے تھے بلکہ کچھ کمزور سے مظاہر ابھی باقی تھے کہ جد امجد رحمہ اللہ ۱۳۶۵ میں وفات پا گئے تو شیعیت کی نوخیز لیڈر شپ نے نئے سرے سے لوگوں کو ان اعمال کیلئے اکسانا شروع کر دیا اور ان کے اثرات پھر سے شیعہ دنیا میں رونما ہونے لگے لیکن وہ صورتحال دوبارہ نہیں آئی جو ۱۳۵۲ھ سے پہلے تھی۔

اور جب ایران میں اسلامی جمہوریت کا اعلان ہوا اور اقتدار پر ولایتِ فقیہہ نے قبضہ کیا تو مذہبی سیاست کے حصے کی حیثیت سے ان اعمال کے اجراء کے لئے احکام صادر ہوئے اور تازہ دم اسلامی جمہوریہ نے پوری دنیا میں موجود شیعہ کو مال اور اخلاق مدد کر کے اس بدعت کے اجراء کے لئے براہیگنہ کیا جسے انگریزی استعمار نے دو سو برس قبل عالم اسلام کے شیعہ علاقوں میں رواج دیا تھا انگریز کا مقصد یہ تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کا یہ بیع اور بدنامی منظر دنیا کے سامنے پیش کر کے عالم اسلام پر اپنے استعمار کا جواز حاصل کر سکے جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

اس وقت جب میں یہ سطور لکھ رہا ہوں صد افسوس کہ پاکستان، ایران ہندوستان اور لبنان کے شہروں میں دس محرم کو ہر سال بڑے بڑے جلوسوں کے مظاہرے ہوتے ہیں۔ بالکل اسی وحشیانہ صورت میں سڑکوں پر گشت کرتے ہیں جس کی ہم تصویر کشی کر چکے ہیں اور پھر اسی روز خونناک جنون اور انسانی حماقت کی منہ بولتی تصویریں مشرق و مغرب کی ٹی وی سکین پر دنیا کے سامنے پیش کی جاتی ہیں تاکہ اسلام اور مسلمانوں پر بڑے وقت کا انتظار کرنے والے دشمنانِ اسلام کی تعویث کا باعث بنیں۔



## اصلاح

امامیہ شیعہ کے تعلیم یافتہ اور مہذب طبقہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ جاہل عوام کو ہر ممکن کوشش کر کے اس قسم کے کاموں سے روکیں جنہوں نے حضرت امام حسینؑ کی انقلابی تحریک کا چہرہ مسخ کر کے اس کی شکل بگاڑ دی ہے اور مبلغ اور داعی حضرت پر تو اس سے بھاری ذمہ داری ہے کہ وہ اس بارے میں واضح ترین کردار ادا کریں یہاں میں پوری صراحت و وضاحت سے اس حقیقت کا اظہار کر دینا چاہتا ہوں کہ عاشورہ محرم کو شہادت حسین کا مقصد و سبب اس سے بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ تھا جس کی تصویر آج شیعہ پیش کرتے ہیں آپ نے ہرگز جام شہادت اس لئے نوش نہیں کیا تھا کہ لوگ ان کے غم میں روئیں، چہرے پریش، اور در ماندہ مسکین کی سی صورت اختیار کریں بلکہ امام مدوح تو ظلم و استبداد کے مقابلے میں شجاعت و بہادری، عزم بالجزم اور جان تک قربان کر دینے کا مؤثر ترین درس دینا چاہتے تھے چنانچہ اگر ضروری بھی ہو تو (شہادت حسین کی یاد میں منعقد محفل امام کے مقام و مرتبہ کے شایان شان اور طوفان بدتمیزی، جہالت، بیک وقت مضحکہ خیز اور رُلا دینے والے اعمال سے ہٹ کر ہونی چاہیے۔ وہ ثقافتی اجتماعات کس قدر خوبصورت ہوں جن میں مبلغ خطبے اور قصائد پیش کئے جائیں جو زاہق میں جان دینے اور جہاد کرنے سے متعلق ہیں۔

اس طریقے سے تعمیری انداز میں حسینؑ کی یاد میں اپنی تربیت کرنی چاہیے تخریبی انداز اختیار کر کے اپنے کو ہلاک نہیں کرنا چاہیے اور ہم پر یہ فرض ہے کہ حمایت و مدافعت کے میدان میں حسین کا حق ادا کریں نہ کہ مسئلے کا حلیہ بگاڑ کر موصوف کے ساتھ اہانت و بدسلوکی کے مرتکب ہوں۔ اگر ہم امام حسینؑ کے ساتھ محبت و نصرت کا جذبہ صادق رکھتے ہیں تو ہمیں مذکورہ طریقہ کار اختیار کرنا ہوگا۔

KITABOSUNNAT  
.COM

# تیسری شہادت

شیعہ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص اس اعتقاد سے  
(اذان میں) تیسری شہادت کہتا ہے کہ وہ شریعت میں وارد ہے، وہ حرام  
عمل کا مرتکب ہوتا ہے۔“



سید تفضلی جو پانچویں صدی ہجری کے اکابر علماء شیعہ امامیہ میں سے ہیں۔ فرماتے ہیں جس نے نمازوں کی اذان میں "اشہد ان علیاً ولی اللہ" کہا اس نے حرام عمل کا ارتکاب کیا۔ اس رائے سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان میں اس تیسری شہادت کا اضافہ غیبتِ کبریٰ کے بعد کیا گیا ہے لیکن مذہبی واقعات میں رسمی طور پر اس کا اظہار اس وقت ہوا جس وقت شاہ اسماعیل صفوی نے ایران کو تشیع میں داخل کیا اور اس نے مؤذنون کو حکم دیا کہ چوتروں پر نماز کے وقت کہی جانے والی اذان میں تیسری شہادت کا اضافہ کریں اس طرح اس نے امام علیؑ کو رسول اللہ کے بعد خلافت کا مستقل مقام دے دیا وہ دن اور آج کا دن تب سے پوری دنیا میں شیعہ کی تمام مساجد میں، یہی طریقہ جاری ہے جسے صفوی حکمران نے وسعت و ترویج دی۔ ہم مشرق و مغرب کی ایک بھی شیعہ مسجد اس سے مستثنیٰ نہیں کر سکتے۔

اس سلسلے میں دلچسپ اور باعثِ تعجب بات یہ ہے کہ ہمارے فقہاءِ ساہمہ اللہؑ کا اس پر مطلق و مکمل اجماع ہے کہ اس شہادت کا اذان میں اضافہ عصرِ ائمہ کے دیر بعد ہوا ہے اور چوتھی صدی تک اسے کوئی نہیں جانتا تھا اور اس پر سب فقہاء متفق ہیں کہ اگر امام علیؑ بقید حیات ہوتے اور اپنے بلے میں سن لیتے کہ ان کا نام اذان میں پکارا جاتا ہے تو ایسا کہنے والے پر شرعی حد نافذ کرتے۔

اس کے باوجود نہ صرف یہ کہ ہمارے فقہاء میں سے کسی نے اسے منع نہیں کیا بلکہ ان چند فقہاء کے خلاف مخالفانہ موقف اختیار کیا جنہوں نے اس بدعت کے خلاف آواز اٹھائی اور انہیں شیعیت سے خروج اور علی<sup>ؑ</sup> اور ان کی اولاد سے لاتعلقی کے طعنے دیئے اور انہیں یکہ و تہتا چھوڑ دیا عوام اور جاہل لوگ بھی اسی اکثریت کے نقش قدم پر چلے۔ اس سے اندھے تعصب کا پتہ چلتا ہے جو بیک وقت بعض فقہاء اور جاہلوں کے دلوں کو اپنی پیٹ میں لئے ہوئے ہے اور اس سلسلے میں وہ ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔

میں اس مسئلہ پر اپنے فقہاء کے ساتھ مجادلہ کر کے اکتا چکا ہوں کہ وہ گزشتہ کئی صدیوں سے ایک ہی نوعیت کے جواب دینے کے عادی ہو چکے ہیں اور ان جوابات میں کوئی نئی بات نہیں ہوتی۔ کہتے ہیں کہ تیسری شہادت نماز کا جزو تو نہیں ہے کہ اس نماز فاسد ہوتی ہو اس لئے اس کے اضلفے کی کوئی وجہ ممانعت نہیں ہے۔ ہم ان سے کہتے ہیں مسئلہ یہ نہیں ہے کہ تیسری شہادت نماز کا جزو ہے یا نہیں بلکہ مسئلہ اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے اس لئے کہ اذان کے الفاظ رسول اللہ<sup>ﷺ</sup> نے متعین فرمائے لہذا یہ الفاظ سنت تو قیسی ہیں ان میں کسی کی یا اضلفے کا جواز نہیں ہے خواہ اضافی کلمات اپنی جگہ درست صحیح اور مبنی برحقیقت ہی ہوں۔

پھر وہ کہتے ہیں کہ تیسری شہادت اب شیعہ فرقہ کا شعار بن چکی ہے۔ ہم نے ان سے کہا کہ شیعیت کی نسبت اسلام کا شعار زیادہ اہم ہے کیا شیعہ اسلام سے الگ کوئی فرقہ ہے اور اسے اپنی شناخت کے لئے الگ نہ بننا کی ضرورت ہے یہاں پہنچ کر وہ اپنی ذمہ داری دوسروں کے کندھوں پر ڈالتے ہوئے کہتے ہیں۔ ہم شیعہ سے اذان میں سے تیسری شہادت ترک کرنے کا مطالبہ نہیں کر سکتے کہ اب وہ ان کی طبیعت کا حصہ بن چکی ہے اور شیعہ اس سے اسی طرح دلچسپی رکھتے ہیں

جس طرح ایک بچہ اپنی ماں کے دودھ سے۔ اس طرح ہماری بات گرد و غبار کی طرح ہوا میں اڑ جاتی ہے۔

ہم ان سے یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر تم اکٹھے ہو کر ایک رلے کا اظہار کرو اور پوری صراحت اور شجاعت سے حکم الہی بیان کرو تو کوئی بھی اس کی اطاعت سے گریز نہیں کرے گا بصورت دیگر تمہاری ذمہ داری حکم الہی بیان کر دینا ہے اسے نافذ کرنا تو نہیں ہے۔

ان فقہاء کا ایک جواب یہ بھی ہوتا ہے کہ خلیفہ عمر بن خطاب نے اذان میں سے ”حی علی خیر العمل“ حذف کر کے اس کی جگہ ”الصلاة خیر من النوم“ کے الفاظ کو دی۔

ہم کہتے ہیں، اذلا تو الزامی جواب حق کو مسترد کرنے کے لئے کافی نہیں ہوتا اور اگر یہ بات درست ہوتی تو امام علیؑ اپنے عہد خلافت میں اسے برقرار نہ رکھتے بلکہ اس جملے کو تبدیل کرنے کا حکم دیتے اور شیعہ کی منطق کے مطابق اگر امام کا عمل صحیح ثابت ہو جائے تو حجت ہوتا ہے۔ نیز اس پر تمہارے نزدیک اجماع ہے کہ تیسری شہادت عہد نبوی میں نہیں پائی جاتی تھی اور نہ ہی عصر آئمہ میں اس کا وجود تھا بلکہ دیر بعد اذان میں اس کا اضافہ کیا گیا ہے۔

جب کہ ”الصلاة خیر من النوم“ کی عبارت ایک اختلافی امر ہے شیعہ کے علاوہ تمام اسلامی فرقے اس پر متفق ہیں کہ یہ عہد رسولؐ سے وارد ہے بخلاف شیعہ کے جو اسے خلیفہ عمر بن خطاب کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ایک اجماعی مسئلہ جس میں دو فقہی مہی آپس میں اختلاف نہ کرتے ہوں اور ایک اختلافی مسئلہ جس میں متعدد مختلف اور متضاد آراء ہوں، ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

**اصلاح :-** مجھے قطعاً اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تیسری شہادت جواب شیعہ



کے ہاں مسجدوں میں اذان کا جزو بن چکی ہے اور انفرادی شخصی عمل سے بڑھ کر شیعہ کا اجتماعی اور مذہبی مزاج اور جذباتی مسئلہ بن چکی ہے اب اسے تبدیل کرنا آسان نہیں رہا بالخصوص ایسے ممالک میں جہاں ایک ایسی مذہبی حکومت قائم ہے جو دینی جذبات کو ہوا دے کر ان سے اپنے پڑوسی ممالک کے ساتھ سیاسی معرکوں میں فائدہ حاصل کرتی ہے جن کے باشندوں کی کثرت سنیوں پر مشتمل ہے اسی لئے ایران میں تصحیح کی مساعی کو زبردست دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا اور تمام اصلاحی اقدامات کے ساتھ جن کے حق میں ہم نے ایران میں آواز بلند کی یہی سلوک ہوا۔ وہ دن بھی آئے گا جب ایران کی انتہا پسند اسلامی جمہوریت کا نظام تبدیل ہوگا اور اس کی جگہ اعتدال پر مبنی نظام لے گا جس کی ترجیحات مسلمانوں کا اتحاد اور اسلام کا مفاد ہوں گی اس وقت تصحیح کے نعرے کو قبولیت حاصل ہونا جس میں تیسری شہادت شامل ہے ایک طبعی امر ہوگا لیکن فی الوقت ہم ایران کے علاوہ جہاں کہیں بھی شیعہ ہوں اور انہیں ہماری یہ ندائے اصلاح و تصحیح پہنچ رہی ہو ان سے ہم بھی مطالبہ کریں گے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ، اور آئمہ کے عہد میں جو الفاظ اذان معروف و منتشر تھے انہیں واپس لانے کے لئے بھرپور جدوجہد کریں۔ فرزند ان شیعہ میں سے صاحب نظر اور تعلیم یافتہ طبقہ کی ذمہ داری ہے کہ جس مذہب کی طرف وہ اپنی نسبت کرتے ہیں اس کی اصلاح و تصحیح کے لئے بھرپور کردار ادا کریں۔

میں ایک بار پھر اپنے فقہاد سے فتویٰ اور یاس کا اظہار کرتا ہوں مجھے ان سے کوئی امید نہیں ہے کہ وہ حق بات کہیں گے اور اس خندق میں ہمارے دوش بدوش ڈٹ سکیں گے بلکہ وہ تو اس کے برعکس اس بدعت کی تائید اور مساجد میں اس پر عمل کرنے میں دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ شدت اختیار کئے ہوئے ہیں۔

اللہ کی قسم! اگر آج حضرت علیؑ بقید حیات ہوتے اور نماز کھانے اذان میں مناوڑوں سے اپنا نام ذکر ہوتا سنتے تو اسے جاری کرنے والے اور اس پر عمل کرنا مولے

دونوں پر برابر حد نافذ کرتے ہم بھی عجیب لوگ ہیں کہ علیؑ کی خاطر ایک ایسا عمل کرتے ہیں جسے وہ خود بھی پسند نہیں فرماتے۔

ہم ایک بار پھر اپنی اس اصلاحی تحریک کے ضمن میں شیعہ سے مطالبہ کریں گے کہ وہ اس اذان کی طرف رجوع کریں جو بلال حبشیؓ نے مسجد رسول اللہؐ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام جن میں حضرت علیؓ بھی تھے۔ کی موجودگی میں کہی اور اپنے شیعہ مساجد کے مؤذنوں کو بھی اس اذان کا پابند رہنے کے لئے کہیں اگر مؤذنوں نے مساجد میں اس کی پابندی نہ کی تو اس سے بڑا راستہ کھلے گا اور یہ اذان شیعہ گھروں میں داخل ہو جائے گی جیسا کہ قبیل ازیں علیؓ اور فاطمہؓ الزہراءؓ کے گھر داخل ہو چکی ہے۔

# وقتی نکاح یا متعہ

کوئی ایسی امت اپنی ماؤں۔ جنے کے قدوں میں اللہ نے  
جنت رکھی ہے۔ کے شرف و وقار کا تحفظ کیونکر کر سکتی ہے  
جو نکاح متعہ کو جائز کہتی اور اس پر عمل بھی کرتی ہو۔



KITABOSUNNAT  
.COM

متعہ سے مراد وقتی نکاح ہے جس پر ایران میں شیعہ عمل کرتے ہیں ہو سکتا ہے جن دوسرے علاقوں میں وہ آباد ہیں اگر کوئی بسیل نکلتی ہو تو وہاں بھی کرتے ہوں۔ یہاں میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ پرانے لایعنی فقہی بحث و جدل میں پڑنے کا کوئی فائدہ نہیں جس پر صدیاں بیت گئیں، تفسیر و فقہ وغیرہ کی کتابیں ان فقہی جدل کے مباحث سے بھری پڑی ہیں لیکن ان سے کسی فائدے کی امید نہیں رکھی جاسکتی۔ لیکن اس سب کے باوجود میں قارئین کے سامنے اس فقہی جدل کی مختصر روئیداد رکھتا ہوں اس کے بعد ان ہولناک خطرات کی نشاندہی کروں گا جو شیعہ کو اس بدترین نظریہ کو سرے سے ختم نہ کرنے کی صورت میں اجتماعی، اخلاقی اور انسانی مسائل کے گرداب میں پھنسا سکے، میں اول و آخر شیعہ نوجوان نسل کو اس پر خار اور بدنما راستے پر چلانے کی تمام تر ذمہ داری فقہاء پر ڈالتا ہوں اس کی تمام تر مسؤلیت و جواب دہی انہیں کے کندھوں پر ہے۔

شیعہ فقہاء۔ اللہ انہیں معاف کرے۔ کہتے ہیں کہ متعہ ہمدنبوی، عبد خلیفہ البوکیہ اور عمر کے نصف عہد خلافت میں مباح اور جائز تھا عمر بن خطاب نے اسے حرام کر دیا اور مسلمانوں کو اس سے باز رہنے کا حکم دیا اس پر وہ ان روایتوں سے استدلال کرتے ہیں جو کتب شیعہ اور بعض کتب اہل السنہ میں مروی ہیں۔

جہاں تک دیگر اسلامی فرقوں کا تعلق ہے تو وہ کہتے ہیں کہ متعہ زمانہ جاہلیت

کی ایک رسم تھی۔ عصر رسالت کے ابتدائی سالوں میں لوگوں نے اس پر عمل بھی کیا تا آنکہ حجۃ الوداع یا خیبر کے دن رسول اللہ نے اسے حرام قرار دے دیا بالکل اسی طرح جس طرح شراب جو بعثت نبوی کے کئی سال بعد حرام کی گئی جب اس کے بائے میں آیات تحریم نازل ہوئیں۔

یہ خلاصہ ہے اس فقہی نزاع اور جدل کا جو ہزار برس سے متعہ کے متعلق

جاری ہے۔

یقیناً یہ بات نہایت قابلِ افسوس ہے کہ بعض بڑے شیعہ علمائے وقتی

شادی (نکاح متعہ) کا دفاع کرتے ہوئے اس کے حق میں آواز بلند کی اور اس سلسلے میں کئی کتابیں لکھ ڈالیں اور اس کا زمانے پر فخر کرتے اور اترتے پھرتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس عزت و کرامت اور ذوق کے منافی بدترین نو پسید مذہبی رسم کی حقیقی نقشہ کشی کے لئے کسی تکلف کی ضرورت نہیں ہوگی لیکن میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ پہلے اس فقہی نظریہ کو دلائل سے طشت از بام کروں جو اس کا جو از فراہم کرتا ہے اس سے اٹکلا قدم پھراٹھاؤں گا تاکہ شیعہ کو مسئلہ کی سنگینی اور اس بللے بد کی اہمیت کا پتہ چل جائے۔

شیعی عرف اور ہلکے فقہاء شیعہ کے فتویٰ جو از کے مطابق وقتی شادی

یا متعہ صرف یہ ہے کہ ایک ہی شرط پر جنسی تعلقات کی عام آزادی ہے پس عورت کسی کے حوالہ عقد میں نہ ہو تو اس سے ایجاب و قبول کے ذریعے نکاح جائز ہے کوئی بھی شخص دو کلوں میں یہ نکاح کر سکتا ہے نہ گواہوں کی ضرورت اور نہ کسی خرچ اخراجات کی اور مدت نکاح بھی اپنی حسبِ منشاء رکھ سکتا ہے اور مطلق اختیارات بھی اپنے پاس محفوظ رکھتا ہے چاہے تو ایک ہی چھت تلے متعہ کے ساتھ اپنے پاس ہزار بیوی جمع کر لے۔

یہ فقہی نظریہ کہ متعہ کی حرمت حضرت عمرؓ بن خطاب کے حکم سے لگ گئی تھی

امام علی کے عمل سے باطل ہو جاتا ہے جنہوں نے اپنی خلافت کے زمانے میں اس حرمت کے حکم

کو برقرار رکھا اور جو از متعہ کا حکم صادر نہیں فرمایا شیعی عرف اور ہمارے فقہاءِ شیعہ کی رائے کے مطابق امام کا عمل حجت ہوتا ہے خصوصاً جب کہ امام با اختیار ہو، اظہارِ رائے کی آزادی رکھتا ہو اور احکامِ الہی کے ادا میں دناوہی بیان کر سکتا ہو۔ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ امام علیؑ نے منصبِ خلافت قبول کرنے سے معذوری ظاہر کر دی تھی اور اس کی قبولیت کے لیے یہ شرط رکھی تھی کہ کارِ حکومت میں صرف ان کی رائے اور اجتہاد ہی کا فرما ہوں گے اس صورت میں امام علیؑ کی حرمتِ متعہ کو برقرار رکھنے کا مطلب یہ ہوا کہ وہ عہدِ نبوی میں حرام تھا اگر ایسا نہ ہوتا تو ضروری تھا کہ وہ اس حکمِ تحریم کی مخالفت کرتے اور اس کے متعلق صحیح حکمِ الہی بیان کرتے اور علیؑ امامِ شیعہ پر حجت ہے میں نہیں سمجھ پایا کہ ہمارے فقہاءِ شیعہ کو یہ جرات کیسے ہوتی ہے کہ وہ اس کو دیوار پر مار دیتے ہیں ؟

جیسا کہ میں تھوڑی دیر پہلے کہہ چکا ہوں کہ میں فقہی بحث و جدل سے ہٹ کر بعض دیگر اہم ترین زاویوں سے متعہ کا گہری نظر سے جائزہ لوں گا اس کے بعد زندانِ شیعہ امامیہ میں سے تعلیم یافتہ اور مہذب طبقہ کے سامنے اس کی بھیانک صورت رکھوں گا میری تمام اصلاحی کوشش اور اس کی عملی صورت گیری اسی طبقہ کے ساتھ وابستہ ہے انہی سے مجھے امید اور توقع ہے کہ وہ اصلاح و تصحیح کی مساعی کو آگے چلانے کے لئے قیادت کریں گے بلاشبہ جو اسلام انسان کی تکمیل کے لئے آیا ہے جیسا کہ درج ذیل آیت میں ارشاد ہوا ہے۔

دَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ - ۱۱

”ہم نے بنی آدم کو عزت و تکریم بخشی  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :



## إِنَّمَا بُعِثَ لِاتِّعَمِّ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ

(الحديث)

” مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے“

کیا ممکن ہے کہ یہ اسلام کوئی ایسا قانون دے جس میں ایسی جنسی اباحت ہو اور عورت کے وقار کی اس حد تک توہین کی گئی ہو کہ جس کی نفی ہمیں اباحت پر قائم معاشروں کی قدیم و جدید تاریخ میں کہیں نہ مل سکے حتیٰ کہ ” لونی چہار دہم “ وارسا میں واقع اپنے محل میں، ترکی اور فارسی بادشاہ اپنے محلات میں ایسا کرنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے۔

مذکورہ بالا آیت میں نبی آدم کے لفظ میں مرد و عورت دونوں برابر شامل ہیں اور جن مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے رسول اللہ تشریف لائے تھے وہ بھی مرد و عورت دونوں جنسوں کے لئے ہیں قانون متعہ میں عورت کی تکریم اور اس کے اخلاق کی حفاظت کا کیا مقام ہے؟ اس قانون میں عورت کا مقام صرف ذلت و رسوائی ہے اور اس کی حیثیت بالکل اس سوئے کی طرح ہے جسے مرد جب چاہے ایک کے بعد دوسرا بغیر کسی حد و شمار کے بدلتا رہے عورت جسے اللہ تعالیٰ نساء شرف سے نوازا ہے کہ جہاں وہ ماں کی حیثیت سے عظیم مردوں اور عورتوں کو برابر طور پر جنم دیتی ہے وہاں اسے ایک ایسا مرتبہ بھی دیا ہے جو ماں کے علاوہ کسی کو نہیں دیا۔ فرمایا:

الجنہ تحت أقدام الأمهات

” جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے“

کیا اس بلند مرتبہ ماں کے شایان شان ہے کہ وہ اپنے اوقات یکے بعد دیگرے مختلف مردوں کی آغوشِ عشرت میں دادِ عیش دیتے ہوئے گزرائے اور ایسا جو بھی شریعت کے نام سے؟

، ہمارے بعض نقہار نے۔ اللہ انہیں معاف کرے۔ متعہ کی ایک تصویر

پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہتے ہیں گویا یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جو اس نے ایسا شرعی قانون دیا جس کی بدلت مرد بدکاری میں مبتلا ہونے سے بچ جاتا ہے لیکن اس کے ذہن میں یہ پہلو نہ آیا کہ اسلام صرف مردوں ہی کا دین نہیں بلکہ یہ پوری انسانیت کیلئے نازل ہوا ہے جس میں عورتیں بھی شامل ہیں اور قوانین الہیہ اور شرائع سماویہ اس لئے نہیں آئیں کہ انسان کی شہوتیں اور جنسی تعلقے شریعت و قانون کے پردے میں پوشے ہوئے رہیں، اسلام تو اس لئے آیا ہے کہ لوگوں کو زمانہ جاہلیت کی اباحت سے نکال کر فضائل و اخلاق سے آراستہ کرے نہ اس لئے کہ جاہلیت اور اس کے مظاہر کو تشریح اور قانون الہی کا تقدس دے۔

اسلام بیک وقت چار سے زائد بیویاں جمع کرنے کو حرام قرار دیتا ہے اور ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کے لئے سخت ترین شرط رکھتا ہے جیسا کہ آیت ذیل میں تصریح آئی ہے۔

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً ۚ  
 ”پھر اگر ڈرو کہ ان میں انصاف نہ کر سکو گے تو ایک  
 ہی نکاح کرو۔“ (۱)

اور بیویوں کے درمیان عدل قائم کرنا مشکل ترین کام ہے بعض اوقات تو ناممکن کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ اس قسم کی شرط (عدالت) رکھنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مرد کو مقید رکھا جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تعدد ازواج کے راستہ پر چلتا ہوا انسان، طبعی تعلقے، بشری ضرورت، نسل اور خاندان کی تنظیم اور امت کے مفاد سے بڑھ کر شہوات نفسانی کی وادی میں چل نکلے اسی لئے طلاق کی گراہت کے

متعلق سختی سے بیان ہوا ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ہے

لَا يُلْفِئُ أَبْفَضَ الْحَلَالِ إِلَى اللَّهِ

الطَّلَاقِ -

” حلال امور میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے ناپسند

طلاق ہے“

اور طلاق کو بھی سخت ترین شروط و قیود کے ساتھ مقید کر دیا ہے ان

شروط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وقوع طلاق کے لئے دو گواہوں کی حاضری ضروری ہے۔“

ایک ایسا آسانی دین جس کا موقف نکاح اور اس کی شروط کے بارے میں اتنا واضح اور ٹھوس ہو کیا یہ بات قرین عقل ہے کہ وہ خود ہی اپنے اس قانون کے منافی کوئی ایسا قانون جاری کرے جس میں اتنی بے لگام اباحت ہو کہ آسمان اور زمین اس سے لڑنے لگیں اور اسلام جیسا دین ایسی اباحت کا اختیار دے؟

اب یہاں میں قاری کے سامنے نکاح کی دو مختلف صورتیں پیش کرتا

ہوں ایک پر شیعہ سمیت تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے اور وہ ہے ہمیشہ کے لئے نکاح کرنا اور دوسری صورت عارضی نکاح یا متعہ کی ہے۔ جس کے جواز کا فتویٰ صرف امامیہ کے فقہاء دیتے ہیں اور میں شیعہ سے مطالبہ کروں گا کہ وہ اس کے بارے میں اپنے ریبارکس دیں۔

عارضی نکاح جس پر صرف شیعہ امامیہ

کا اتفاق ہے

(۱) بغیر گواہ کے صرف عقد پر مشتمل الفاظ بولنے

سے نکاح ہو جائے گا۔

تمام مسلمانوں کے ہاں متفق علیہ دائمی

نکاح کی شرطیں۔

(۱) دو گواہوں کے روبرو عقد نکاح

پر مشتمل الفاظ بولنے پر زوجین

میں نکاح مکمل ہوگا



(۲) بیوی کے اخراجات کے متعلق خاوند

با اختیار ہے

(۳) خاوند کو اجازت ہے کہ وہ لاتعداد

بیویاں بغیر کسی شرط کے رکھ سکتا

ہے۔

(۴) بیوی خاوند کی وارث نہیں

ہوتی۔

(۵) کسی حالت میں بھی باپ کی

موافقت شرط نہیں ہے۔

(۶) عارضی نکاح کی مدت پندرہ منٹ

بھی ہو سکتی ہے ایک دن بھی اور

نوتے برس بھی جس قدر مدت خاوند

تجویز کرے اور بیوی اسے قبول کرے

شروط طلاق

(۱) نسیء اور اپنی یقینہ مدت مہرہ کہنے کے

الفاظ سے طلاق واقع ہو جائے گی

شیعہ جیسے نسیء عقد کا نام دیتے

ہیں۔

(۲) رہائش اور لباس سمیت بیوی کے

جملہ اخراجات خاوند کے ذمہ ہونگے

(۳) خاوند چارے زاد بیویاں ایک

وقت میں اپنے نکاح میں نہیں

رکھ سکتا اور چار کی اجازت بھی

سخت ترین شرط کے ساتھ ہے۔

(۴) خاوند کے پہلے فوت ہو جانے

کی صورت میں بیوی اس کی

وراثت میں حصہ دار ہوگی

(۵) کنواری لڑکی کے نکاح کیلئے

اس کے باپ کی اجازت و

منظوری شرط ہے

(۶) دائمی نکاح کی مدت زوجین

کی پوری زندگی ہے

شروط طلاق

(۱) دو عادل گواہوں کے سامنے

لفظ طلاق بولنے سے ہی طلاق

واقع ہوگی

- |  |   |
|--|---|
| <p>(۲) عورت کے لئے فسخ کی عدت وہی ہو گی جو لونڈی کی آزاد ہونے پر ہوتی ہے یعنی آزاد عورت کی عدت سے نصف مدت۔</p> <p>(۳) ہر حال میں فسخ واقع ہو جائے گا۔</p> <p>(۴) ایام عدت فسخ میں خاوند با اختیار ہے بیوی کے اخراجات برداشت کرے یا آنکھیں پھیرے۔</p> | <p>(۲) عورت کے لئے تین ماہ دس دن طلاق کی عدت ہے۔</p> <p>(۳) عورت ایام ماہواری میں ہو تو طلاق واقع نہیں ہوتی</p> <p>(۴) عدت کے دوران بیوی کے اخراجات خاوند کے ذمہ ہونگے۔</p> |
|--|---|

یہ تعابلی نقشہ جو ہم نے پیش کیا ہے اس پر گہری نظر ڈال لینے کے بعد متعہ کے معاشرتی خطرات و فسادات پر کسی طویل گفتگو کی ضرورت باقی نہیں رہتی مجھے یقین ہے کہ میری یہ ندائے اصلاح اپنے گرد ان تمام فرزند ان شیعہ کو جمع کرے گی جو ایسے قلب نظر سے بہرہ ور اور ایسی سوچ رکھتے ہیں جس سے وہ معاملے کی سنگینی گراںباری اور ذلت و رسوائی کا ادراک کرتے ہیں اور معاملہ آفتاب نصف النہار سے بھی زیادہ واضح اور ظاہر ہے۔

## اصلاح

یہاں مسئلہ تفسیح سے بہت زیادہ اہم ہے یہ بڑی ہوشربا حالت بد شیعہ افکار میں داخل ہو گئی ہے حتیٰ کہ وہ روایات جو اس کے حلال ہونے کے بارے میں آئی ہیں خواہ وہ کتب شیعہ میں ہوں یا دیگر لوگوں کی کتابوں میں حتیٰ کہ وہ روایات جو یہ بیان کرتی ہیں کہ صدر اسلام میں جائز تھا تا آنکہ خلیفہ عمرؓ نے خطاب

نے اسے حرام قرار دے دیا۔ میں یہی باور کرتا ہوں کہ یہ تمام روایات اسلام کے رِخِ زیبا کو داغدار کرنے کے لئے وضع کی گئی ہیں اور دوسری جانب دیگر تمام اسلامی فرقوں نے اس نظریہ کی اہمیت اور اس کے بڑے بڑے معاشرتی اور اخلاقی مفاسد کی کہنہ کو پا کر اس کے مقابلے میں ایسا موقف اختیار کیا جو حق، عدل، اور فضیلت کے امتیازی نشانات کا حامل ہے لیکن ہمارے فقہاء شیعہ یا تو مسئلہ کی سنگینی کا ادراک نہیں کر سکے یا سب کچھ سمجھنے کے باوجود صرف جمہور اہل اسلام کی مخالفت کے شوق میں ہی متعہ جیسی غضب الہی کو دعوت دینے والی لغت کو حلال قرار دیا اور اس کی اجازت دی کیوں کہ جمہور مسلمانوں کی مخالفت کی فضیلت میں کئی روایات وضع کر کے انہیں جھوٹ اور بہتان باندھتے ہوئے امام صادق کی طرف منسوب کیا گیا جن میں آیا ہے۔

”الرشد فی خلاہم“

(ہدایت ان کی مخالفت میں ہے)

یعنی اہل السنۃ والجماعت کی رلٹے سے اختلاف کرنے میں ہی رشد و

ہدایت ہے۔

ہمارے فقہاء کے فقہی استدلالات میں اس ناقابل فہم پیچیدگی کے علاوہ میرا خیال ہے کہ وقتی نکاح کے نظریہ کو شیعہ خصوصاً نوجوانوں کے لئے مذہب کو جاذب نظر بنانے کے لئے استعمال کیا گیا ہے کیوں کہ اس مذہب میں کچھ خاص امتیازات ہیں جنہیں دیگر اسلامی مذاہب تسلیم نہیں کرتے بلاشبہ دین کے نام سے جائز قرار دے کر جنسی لاپرواہی دینا ایک ایسا عمل ہے جو اپنے اندر ہر جگہ اور ہر وقت نوجوانوں اور کمزور طبع لوگوں کے لئے بڑی کشش رکھتا ہے جب میں اپنی کتب روایات میں ایسی روایات پڑھتا ہوں جو متعہ کی فضیلت، اس کے ثواب اور لوگوں کو اس پر عمل کرنے کے لئے ائمہ کے نام منسوب ہیں تو مجھے ہرگز کوئی تعجب نہیں ہوتا۔ میں ان روایتوں کے بارے میں اپنے صریح اور واضح گواہی کے موقف کی طرف اس کتاب



میں کئی مقامات میں اشارہ کر چکا ہوں۔

اور ہماری تمام تر توجہ اسی پر مرکوز ہے کہ شیعہ گروہ کو اللہ ان روایات سے

نجات دلانے۔

میں جب یہ سطور لکھ رہا ہوں تو شیعہ کے مستقبل، اصلاح کے بارے میں ان کے موقف، اس کے اصول و مبادی کی طرف غیر مشروط رجحان و میلان سے لمحہ بھر کے لئے بھی ناامیدی سے دوچار نہیں ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ اس اصلاحی کوشش کو ابتدائی مرحلے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے لیکن کلمہ حق بالآخر اپنا راستہ خود بخود بنا لیا کرتا ہے؛ بیدار مغز، تعلیم یافتہ مہذب طبقہ، جو اپنے آپ کو ان ناکارہ افکار سے آزاد کرا سکتا ہے جو انہیں ماں باپ اور فقہاء و مشائخ نے تلقین کئے ہوں، کی خصوصی توجہ دینا بھر میں شیعہ کے مستقبل کی بہترین ضمانت ہے۔

میں ایک بار پھر فارسی نکاح کی طرف آتا ہوں اور ان فقہاء سے سوال کرتا ہوں جو متعہ کے جوہر اور اس پر عمل کے مستحب ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں کیا وہ اپنی بیٹیوں، بہنوں اور رشتہ دار لڑکیوں کے ساتھ اس قسم کی کسی حرکت کی اجازت دینا پسند کریں گے یا ان کے بارے میں ایسی بات سن کر ان کے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے، رگیں پھول جائیں گی اور غصے پر قابو نہیں رکھ سکیں گے۔؟

میرے اس سوال کے قریب قریب ہی کسی سوال کا جواب دینے کی کوشش

کرتے ہوئے ایک بڑے عالم سید امین عامل نے کہا تھا:

اگر متعہ جائز ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر

شخص اس پر عمل کرے ایسے کتے ہی مباح امور میں

جو پاکدامنی، شخصیت کا وقار اور برتری ملحوظ رکھ کر

ترک کر دیئے جلتے ہیں (۱)

لیکن میں کہوں گا کہ بات بالکل واضح ہے کہ مسئلہ کی صورت یہ نہیں ہے یعنی جو

لوگ اپنی بیٹیوں، بہنوں اور قرابت داروں کے لئے متعہ پسند نہیں کرتے یہ اجتہاد پاکستان اور بلند اخلاقی تک محدود نہیں ہے بلکہ ان کے خیال میں یہ گھریلو وقار، خاندانی شرافت کے منافی رسوا کن اور معیوب امر ہے اور بعض شیعہ علاقوں کی صورت حال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی نقیبہ

یا اپنی قوم کے سردار سے متعلقہ لڑکی سے متعہ کا مطالبہ کرے تو شاید اس سوال پر خونریزی ہو

جائے۔ حتیٰ کہ ایران جہاں بعض شہروں میں عملاً یہ کاروبار جاری ہے وہاں ایسے علاقے بھی پائے

جاتے ہیں کہ وہاں کوئی شخص متعہ کے بارے میں ایک کلمہ بھی زبان پر لائے تو اسے شرم محسوس کرنا ہے

ایران کے علاوہ دیگر ممالک خصوصاً بلاد عرب میں جہاں کہیں شیعہ آباد ہیں

وہاں متعہ پر بات چیت خونریزی اور ہلاکت خیزی کا ہمیشہ خیمہ ثابت ہو سکتی ہے، پاکستان،

بھارت اور افریقہ میں معاملے کی تفصیلی نوعیت سے واقف نہیں ہوں لیکن ان تمام علاقوں

میں نقیبہ اپنا فتویٰ تو تبدیل نہیں کرتا البتہ اگر اس سے دریافت کیا جائے تو اسے جائز کہتا ہے

لیکن وہ خود جس معاشرے میں رہ رہا ہوتا ہے اس ماحول کے زیر اثر ہوتا ہے اگر اس کی بیٹی

وقتی نکاح (متعہ) کے لئے طلب کر لی جائے تو وہ شورش برپا کرے اور دنیا تہ و بالا کڑھائے

اس طرح یہ واضح طور پر نظر آ رہا ہے کہ اس ناپسندیدہ مسئلے پر عمل کی اول

و آخر ذمہ داری انہی لوگوں کے کندھوں پر ہے جنہوں نے مسلمان خواتین کی عصمتیں مباح قرار

دیں لیکن اپنی عصمتیں محفوظ رکھیں۔ مومن خواتین کی عزت و وقار کو رائیگاں ٹھہرایا مگر اپنی

بیٹیوں کی عزت پر آہنچ نہیں آنے دی۔

# خاکِ کربلاء پر سجدہ

خاکِ کربلاء پر یہ سجدہ شیعہ اور شیعیت کے درمیان معرکے کے  
عہدِ روم میں شروع ہوا پھر وسیع تر آفاقی سطح پر پھیل گیا  
اور تمام شیعوں میں عام ہو گیا۔



کم ہی شیعہ کا کوئی ایسا گھر ہوگا جہاں مٹی کی وہ ٹکیا نہ ہو جس پر شیعہ اپنی نازوں میں سجدہ ریز ہوتے ہیں وہ خاکِ کربلا ہوتی ہے جہاں حضرت حسینؑ نے شہادت پائی اور وہیں ان کا جسد پاک مدفون بھی ہے۔

اور میں بخوبی جانتا ہوں کہ ہمارے فقہاء و خاکِ کربلا پر سجدے کے موضوع پر کیا کہتے ہیں وہ مکانِ سجد اور ذاتِ مسجد میں فرق کرتے ہیں یعنی خاکِ کربلا پر پیشانی رکھنے کا مطلب اس کو سجدہ کرنا نہیں بلکہ اس پر سجدہ کرنا ہے کیوں کہ شیعہ مذہب میں صرف مٹی اور اس سے نکلے ہوئی اشیاء پر ہی سجدہ جائز ہے باس یا اس سے بنی ہوئی اور خوردنی چیزوں پر سجدہ روا نہیں ہے۔

م اچھی طرح سمجھتے ہیں بلکہ خود شیعہ بھی یہ جانتے ہیں کہ خاکِ کربلا پر سجدہ کا مسئلہ اسی فقہی حد تک پہنچ کر رک نہیں جاتا یا یہ صرف مٹی پر سجدے کی بات نہیں ہے بلکہ اس سے بہت دور نکل چکا ہے جو لوگ اس مٹی پر سجدہ کرتے ہیں ان میں بہت سے اُسے بوسہ دیتے اور تبرک حاصل کرتے ہیں اور بعض اوقات تو حصولِ شفاء کے لئے خاکِ کربلا میں سے کچھ کھا بھی لیتے ہیں حالانکہ شیعہ فقہ میں مٹی کھانا حرام ہے پھر ان لوگوں نے مٹی کی مختلف شکلیں بنا رکھی ہیں جنہیں اپنی جیب میں رکھتے ہیں اور سفر میں جہاں جائیں ساتھ لے جاتے ہیں اور اس کے ساتھ تقدس و تکریم کا سلوک کرتے ہیں میرے ان سطور کی تائید تک مشرق و مغرب میں لاکھوں شیعہ پابندی

سے خاکِ کربلا پر سجدہ کر رہے ہیں ان کی مسجدیں اس سے بھری پڑی ہیں اور جب کہیں دوسرے اسلامی فرقوں کی مسجدوں میں نماز پڑھیں تو "تقیہ" پر عمل کرتے ہوئے اسے پھیلانے رکھتے ہیں۔ غیر شیعہ کے اعتراض کے خوف سے ظاہر نہیں کرتے کئی غیر شیعہ حضرات کو اشتباہ ہوا اور انہوں نے سمجھا کہ مٹی کی یہ مختلف شکلیں بت ہیں جن پر شیعہ سجدہ کرتے ہیں بعض شہروں میں تو قریب تھا کہ نسنے کھڑے ہو جاتے جہاں لوگ خاکِ کربلا اور اس کے منظر کے باہرے میں کچھ نہیں جانتے۔ معلوم نہیں یہ بدعت کب شیعہ کی صفوف میں در آئی جب کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی خاکِ کربلا پر سجدہ نہیں کیا مٹی کو مقدس سمجھنے کا عقیدہ بھی مسلمانوں میں معروف نہ تھا ممکن ہے اس رواج نے صفویوں کے عہد میں وسعت اختیار کی ہو جب خاص رسوم کے سلسلے میں کربلا کی زیارت کے لئے قافلوں کی آمد شروع ہوئی اور وہاں سے واپسی پر تھکن کے آثار ساتھ لے جانے لگے۔

خاکِ کربلا کے (نماز میں) استعمال کے ساتھ ایک اور بدعت کا بھی اضافہ کیا گیا جو دیگر بدعتوں کی نسبت حد سے تجاوز کر گئی ہے وہ ہے فقہاء کا فتویٰ کہ مسافر جب قبرِ حسینؑ کے احاطے میں ہوں تو قبر کے ارد گرد پندرہ ہاتھ کے ایر یا میں قصر کرنے کی بجائے پوری نماز ادا کریں حالانکہ ہمارے فقہاء کے نزدیک اس پر اجماع ہے کہ مسافر پر نماز قصر ادا کرنا ہی واجب ہے لیکن انہوں نے قبرِ حسینؑ کے احاطہ کو اس قاعدے سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ میں نہیں سمجھ پایا کہ ہمارے فقہاء نے - اللہ انہیں معاف کرے - ایک ایسے معاملے میں اجتہاد کی ہمت کیسے کی جس کی اصل اور فرع کا عہد نبوی میں کہیں نام و نشان تک نہیں تھا تا آنکہ شریعتِ پائیدار کیلئے کو پہنچ گئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا کیا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احاطہ قبرِ حسینؑ میں اس نام کی کسی چیز کے وجود سے قبل ہی وہاں مسافر کو پوری یا قصر نماز کا اختیار دے دیا تھا یا قانونِ الہی نے ایسے موضوع پر شرعی حکم دے دیا تھا جس کا اس وقت کہیں نشان بھی نہ تھا؟

پہلے ایسی روایات ملتی ہیں جو ائمہ شیعہ کی طرف منسوب ہیں اور اس قہر کا



اعتیار دیتی ہیں اور ہمارے فقہاء نے اپنے مذکورہ فتوؤں کی بنیاد انہی روایات پر رکھی ہے۔ اس خطرناک نظریے کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے فقہاء کے نزدیک امام قانون سازی کا ماخذ (SOURCE OF Law) ہے جیسا کہ شیعہ اور تشیع میں اختلافات کا معرکہ برپا ہونے سے قبل بھی شیعیان اہل بیت ائمہ کے متعلق یہی عقیدہ رکھتے تھے اور اس وقت تشیع سے مراد یہ تھا کہ ائمہ اہل بیت احکام اسلام کو باقی لوگوں کی نسبت بہتر جانتے ہیں کیوں کہ قرآن ان کے گھر میں نازل ہوا جیسا کہ ہم اس کی طرف ایک سے زیادہ مرتبہ اشارہ کیچکے ہیں۔ فی الواقع بڑے افسوس کی بات ہے کہ اس قسم کے نظریے کا وجود کئی فقہاء کے دلوں میں کھٹکتا ہے اگرچہ انہوں نے کھل کر اس کا اظہار نہیں کیا وگرنہ احاطہ قبر حسین میں مسافر کے لئے نماز قصر کرنے اور پوری پڑھنے کے اختیار کا فتویٰ چہ معنی وارد؟ کس شرعی قاعدے اور اصول کی بنیاد پر احاطہ حسین کو یہ امتیاز حاصل ہوا ہے اور اس احاطہ کے وجود میں آنے سے نصف صدی پیشتر ہی اس کے بارے میں آسمانی حکم الہی نازل ہو گیا؟

ہم یہاں ایک بار پھر اپنی وہی بات دہرائیں گے کہ اس گہری نگرہی پس ماندگی سے۔ جس نے صدیوں سے ہمیں اپنی پلیٹ میں لے رکھا ہے اور آج تک ہمیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ نجات حاصل کرنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ راہ راست پر گامزن ائمہ ہدایت کی طرف منسوب اس قسم کی روایتوں سے ہماری کتابوں کی چھائی کی جلتے ہمارے آئمہ ان روایات سے بری الذمہ ہیں، ایسے ہی ہاں۔ فقہاء کے ذہنوں کی صفائی ہونی چاہیے ان بدعتوں کی ایجاد و ترویج کے پس پردہ اکثر و بیشتر انہی کا ہاتھ ہے۔ ائمہ نے اپنی طرف سے تو قرآنین ایجاد نہیں کئے اور نہ ایسے احکام دیئے ہیں جن کا نام و نشان کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں نہ ملتا ہو اس قسم کا تو دعویٰ بھی انہوں نے نہیں کیا بلکہ ان کا طرہ امتیاز تو صرف یہی ہے کہ وہ کتاب اللہ اور اپنے جدا جدا رسول اللہ صلی اللہ



عیدِ وسلم کی سنت سے خوب واقفیت رکھتے تھے اور انہوں نے کاشانہ رسالت اور مہدی  
میں علم حاصل کیا اور احکام شریعت نسلًا بعد نسل اپنے بڑوں سے اخذ کئے۔

## اصلاح

اگر شیعہ اس فقہی قاعدے کی پابندی کرتے جو ہماری فقہانے مٹی اور اس  
سے ماخوذ اشیاء پر سجدے کے بائے میں وضع کیا تھا اور ہماری فقہاء اس فتویٰ پر کاربند بھی  
رہتے تو معاملہ اس قدر گرانبار نہ ہوتا اور دیگر اسلامی فریقے بھی اس رائے کو قبولیت اور  
احترام کی نظر سے دیکھتے۔

مگر ہوا یہ کہ شیعہ ہماری فقہاء کے عمل پر چلتے ہوئے اس فقہی قاعدے سے  
بھی تجاوز کر گئے اور اس سے ایک خاص عادت اختیار کر لی اور ایک خاص مقام - کربلا - کی  
مٹی پر سجدہ شروع کر دیا اور اس مٹی کی لمبی، گول اور مربع شکلیں بنا لیں جنہیں وہ سفر و حضر  
میں برابر اپنے ساتھ اٹھائے رکھتے ہیں تاکہ نماز کے وقت ان پر سجدہ کر سکیں۔

اور یہ بھی شیعہ کی عادت بن چکی ہے کہ جب وہ دیگر اسلامی فرقوں کی مسجدوں  
میں نماز ادا کرتے ہیں تو اس مٹی کو تکیہ پر عمل کرتے ہوئے یا اس ڈر سے چھیلانے رکھتے ہیں  
کہ کہیں اس کے متعلق شور و ش برپا نہ ہو جائے یا اکثریت سے شرماتے ہیں جو ان کے اس کام  
کو تعجب و تمسخر کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔

حقیقتاً یہ بات بڑے رنج و غم اور افسوس کا باعث ہے کہ شیعہ ایک ایسے  
عمل کی پابندی کرتے ہوئے جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں اتاری۔ اس درجہ ذلت میں  
گر جائیں۔ اللہ کے نزدیک اس کی عبادت میں اس ملاوٹ سے بڑھ کر کوئی چیز باعثِ ناراضگی  
نہیں ہوگی۔

اگر شیعہ یہ سمجھتے ہیں کہ "خاکِ کربلا" پر سجدے کے مسئلے میں وہ برحق  
ہیں تو پھر وہ اسے اپنے سنی برادرانِ دین کے سامنے ظاہر کرتے ہوئے خوف کیوں کھاتے

میں جب کہ ان کی کتاب ایک، نبی ایک، قبلہ ایک اور نماز بھی ایک ہی ہے اگر وہ حق پر نہیں ہیں تو پھر اس پر اس قدر اڑے ہوئے کیوں ہیں اور انہیں شرمندگی اور خوف کیوں لاحق ہے؟

جیسا کہ ہم قبل ازیں بھی عرض کر چکے ہیں کہ دین سے الگ اس طریقہ کار کی ایجاد میں فقہاء و اساطین مذہب کا بڑا کردار ہے جنہوں نے شیعہ کو اس کا خوگر بنایا اور وہ ان سطور کے رقم کئے جانے تک اسی طریقہ پر چل رہے ہیں ہماری اس صلئے اصلاح کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم شیعہ کو مٹی پر سجدہ نہ کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

”جُعِلَتْ لِي الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهْرًا“

”تمام زمین میرے لئے سجدہ گاہ اور حصولِ طہارت کا ذریعہ بنائی گئی ہے“

اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں اپنی مسجد میں مٹی پر سجدہ کرتے تھے۔ لیکن ہم یہ بھی وضاحت کر دینا چاہتے ہیں کہ شریعت میں زمین کے ایک حصے کی دوسرے حصے پر فضیلت اگر ثابت بھی ہو تو اس کا یہ معنی ہرگز نہیں ہے کہ سجدہ صرف اسی خاص زمین پر کیا جائے ورنہ مسلمان خاکِ مکہ و مدینہ اپنے ساتھ اٹھائے پھرتے تاکہ اس پر سجدہ کر سکیں۔

شیعہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے تمام امور میں نظریاتی تعلید کا بندھن توڑ دیں جن کے متعلق وہ جانتے ہیں کہ وہ بالکل باطل ہونے کے باوجود ان پر ٹھونس دیئے گئے ہیں تاکہ قوی دلیل کے پیش نظر سر بند کر کے برابری کی بنیاد پر وسیع اسلامی صف میں شامل ہو سکیں نہ کہ ایسی بدعتوں کی خاطر جنہیں وہ دوسروں کی نسبت بہتر جانتے

ہیں تقیہ جیسی ذلت برداشت کر کے دوغلی شخصیت اپنا کر عزت و کرامت سے آنکھ چرا کر مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوں۔

میں ایک بار پھر اصل موضوع کی طرف آتا ہوں ہم شیعہ سے اس سے زیادہ کوئی مطالبہ نہیں کرتے کہ مٹی اور اس سے ماخوذ چیزوں مثلاً، لکڑی، چٹائی اور کنکریوں پر سجدہ صحیح ہونے کے متعلق اسی رائے پر عمل کریں جس پر مسلمانوں کے تمام فقہاء کا اجماع ہے اذ شیعہ فقہاء بھی ان میں شامل ہیں ان میں سے جس پر سجدہ درست ہے اسی پر کریں اس طرح وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امام علیؑ اور آئمہ کی پیروی کریں گے جنہوں نے کبھی خاک کر بلا نامی کسی چیز پر سجدہ نہیں کیا اور خاک کر بلا پر سجدہ کی پابندی ترک کر دیں گے جس میں بیک وقت بدعت اور فترتہ بندی کے تمام اثرات موجود ہیں اور مجھے کوئی شک نہیں ہے کہ دیگر اسلامی فرقوں کو جو نہی اس فقہی نظریہ کا علم ہو گا جس کی اساس اجتہاد پر ہے تو یقیناً وہ کسی ایسی مسجد کی ضمانت دے دیں گے جو شیعہ کے اپنی مساجد میں اس اہتمام کے لئے موزوں ہو اور وہ انہیں چٹائی یا اس سے ملتی جلتی کوئی زمین یا درخت سے ماخوذ چیز ہتیا کر دیں گے تاکہ ان کے دینی بھائیوں کو کوئی تکلیف نہ ہو“



KITABOSUNNAT  
.COM

# دہشت گردی

صفر شیعہ ہی ایک ایسا اسلامی گروہ ہے جسے نے اپنے آپ کو بغیر کسی قید و شرط کے مذہبی قیادت کے سپرد کر رکھا ہے۔ مذہبی قائدین جیسے چاہتے ہیں پاؤں کی ٹھوکر سے کبھی انہیں لڑائی کے میدانوں میں دھکیل دیتے ہیں تو کبھی دہشت گردی اور قتل و غارتگری کے خازن بن جاتے۔

مذہبی قیادتوں نے تاریخ کے مختلف ادوار میں شیعہ مسکینوں کو ان کی سادگی اور دینی مراجع پر ایمان سے فائدہ حاصل کرتے ہوئے استعمال کیا اور ان میں سے ایک گروہ تیار کیا جنہیں بدعت کی تند و تیز آندھیاں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں اور تاحال شیعہ واحد اسلامی گروہ ہے جس نے اپنے آپ کو غیر مشروط طور پر بغیر کسی سوال و جواب کے اپنی قیادتوں کے سپرد کر دیا ہے وہ جیسے چاہتے ہیں انہیں پاؤں کی ٹھوک سے کبھی جنگ کے محاذوں پر اور کبھی غنڈہ گردی اور دہشت گردی کے میدانوں میں دھکیلے رہتے ہیں اسی لئے گزشتہ چند سالوں سے پورا انسانی معاشرہ شیعہ مذہب کو اس نظر سے دیکھنے لگا ہے کہ گویا یہ ایک ایسا مذہب ہے جو اپنے پیروکاروں کو جنگ و جدل، دہشت گردی اور قتل و غارت گردی کا حکم دیتا ہے۔ اکثر خبریں جو شیعہ کے بارے میں عالمی اخبارات اور دیگر ذرائع ابلاغ کے ذریعے نشر ہوتی ہیں وہ صرف شیعہ گروہ تک محدود نہیں رہتیں بلکہ اسلام کی شہرت پر بہت بُری طرح اثر انداز ہوتی ہیں کیوں کہ عام انسانی معاشرہ شیعہ اور دیگر اسلامی فرقوں میں کوئی امتیاز نہیں کر سکتا۔ گویا کہ شیعہ کی دہشت گردی اسلام کے کھاتے میں ڈال دی جاتی ہے اور تمام مسلمان اس کی لپیٹ میں آتے ہیں۔

قتل اور دہشت گردی کی تاریخ تو گزشتہ کئی صدیوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ عصر حاضر کی تاریخ میں یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے لیکن شیعہ ممالک اور شیعہ مذہب کے



نام پر یہ ایک صدی یا اس سے ذرا کم عرصہ سے شروع ہوئی ہے لیکن دکھ اور افسوس اس بات پر ہے کہ شیعہ دنیا میں جب سے دہوکہ دہی قتل و اغوا اور گزشتہ چند برسوں سے اس میں جو غنڈہ گردی اور خوف و ہراس پھیلانے کا اضافہ ہوا یہ سب کچھ مذہب کے نام پر ہوا اور اس کے پس پردہ نامور فقہاء اور بلند پایہ مجتہدین ہیں۔ ۱۳۱۱ھ میں مرزا رضا الکرمانی نے اپنے اُستاد سید جمال الدین افغانی کے حکم سے شاہ ناصر الدین کو اغوا کیا۔ اس وقت سے لے کر آج تک خصوصاً اہل ایران وقتاً فوقتاً مذہبی اغواء، قتل، دہشت گردی اور تخریب کاری کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں سیاسی ماحول اور حالات کے مطابق یہ کاروائیاں جاری رہتی ہیں اور ان کے پیچھے فقہاء کا ہاتھ ہوتا ہے۔ لیکن یہ بات عبرت حاصل کرنے کے قابل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون انصاف اسی دنیا میں حرکت میں آیا تاکہ ان لوگوں کو درس عبرت دے جنہوں نے لوگوں کے دلوں میں دین کے نام پر اس نظریے کے بیج بوئے۔

دہشت گردی انہی لوگوں کے لئے جو پس پردہ اس کے منصوبے بنا رہے تھے اُلٹا ایسا وبال ثابت ہوئی جس کی مثال ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔ ان فقہاء کے مخالفین نے ان کے مقابلے کے لئے وہی طریقہ کار اپنایا جو انہوں نے ان سے سیکھا تھا صرف کچھ برس کی مختصر مدت (۱۴۰۰ھ سے ۲۰۰۶ھ تک) میں مذہبی علماء و فقہاء کی اتنی بڑی تعداد مخالفین نے دہشت گردی کے ذریعے ٹھکانے لگائی جو اس سے کئی گنا زیادہ ہے جو گزشتہ سو برس میں اس دینی فتویٰ، دھوکہ دہی سے قتل، اور دہشت گردی کا شکار ہوئے۔

اس طرح یہ تخریبی کاروائیاں انہی لوگوں کے لئے اُلٹا وبال جان ثابت ہوئیں جو خفیہ طور پر انکی سازشیں کرتے تھے اور ان کی زندگی کو ناقابل برداشت جہنم میں تبدیل کر دیا، یہ سب کچھ ایران میں مذہبی فقہاء کے زمام اقتدار سنبھالنے کے بعد

ہو جو اس دہشت گردی کے لئے برکت کی دعا کرتے۔ اور اس کے سُمن بنے ہوئے تھے۔ مزید وضاحت کے لئے میں دائیگات الفاظ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جب میں نے نئے ڈاک ٹکٹ دیکھے جو اسلامی جمہوریہ ایران نے جاری کئے ہیں اور ان پر میرزا کرمانی اور جماعت فدائیان کے لیڈر محبتی نواب صفوی جیسے دہشت گردوں کی تصویریں ہیں اور اسی فدائیانِ سلام تنظیم نے متعدد وزراء وغیرہ کو مجتہدین میں سے ایک صاحب کے فتویٰ پر اغوا کر کے قتل کیا تھا تو میں نے شیعہ امامیہ کی بد نصیبی پر آنسو بہائے اور اس ملک کا بھی ماتم کیا جو بظاہر شیعیت اختیار کئے ہوئے ہے اور اپنے آپ کو تشیع کا محافظ بھی سمجھتا ہے۔

میں یہاں بغیر کسی خوف و ہراس کے واضح الفاظ میں اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ ہماری یہ تالیف کوئی سیاسی کتاب ہے نہ ہمارا مقصد اس کے ذریعے کسی حکومت یا سیاسی جماعت کو محاذ آرائی ہے، اور نہ ہی اسلامی جمہوریہ ایران یا اس میں قائم نظام حکومت کے ساتھ ٹھہرنا چاہتے ہیں اس لئے میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ اس رسالہ کی تالیف سے میرا مقصد صرف شیعہ عقیدہ کی اصلاح ہے اس میں جو بدعتیں پیدا ہو چکی ہیں یا ہو رہی ہیں سبھی کی اصلاح برا بر میرے پیش نظر ہے اسی لئے میں نے خاص شخصیتوں یا ناموں کا سامنا کرنے سے اجتناب کیا ہے البتہ بعض اوقات ضرورت ہوتی ہے کہ کھل کر حق کہوں اور خیر خواہی کروں اور اس کے لئے کسی کا نام لے کر مخاطب کروں حتیٰ کہ ایسے ملک یا ایسی حکومت کو بھی کہیں آواز دیتا ہوں جو ہو سکتا ہے میری اس صدائے اصلاح پر کان دھرے یا سنی ان سنی کر دے لیکن یہ تو ضروری ہے کہ کلہ حق سب کے لئے کہا جائے جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :-

”الساکت عن الحق شیطان أخرس“

حق کے بارے میں چپ رہنے والا گونگا شیطان ہوتا ہے۔



کیا خیال ہے کہ ایسا ملک عالمی برادری میں عزت و اعتماد حاصل کر سکتا ہے اور امن پسند آزاد قومیں اسے عزت و احترام کی نظر سے دیکھ سکتی ہیں جو ایک طرف تو نظر یاتی ہونے کا دعویٰ کرتا ہو اور شیعہ مذہب کو اس نے اپنا شعار بنا رکھا ہو اور دوسری طرف دہشت گردوں اور تمخیزب کاروں پر فخر بھی کرتا ہو اور ان کی تصویروں کو اپنے نظام حکومت کی علامت قرار دیتا ہو؟ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ دنیا بھر میں موجود ان لاکھوں شیعوں پر یہ شعار سخت گراں بار ہو جن کا اس ملک سے کوئی تعلق نہیں اور نہ وہ اس نظام حکومت و سیاست پر یقین رکھتے ہیں۔ اس صورتحال میں شیعہ اپنے عقیدے کا دفاع اور شہادت میں دہشت گردی کا انکار کیے کر سکتے ہیں جبکہ شیعہ عقیدہ کی ترجمان ریاست و حکومت دہشت گردی کو بطور قومی شعار اپنائے ہوئے ہو۔

اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ ایران کے حکام میری بات پر کان دھریں گے اور وہ اس حقیقت سے بھی اچھی طرح واقف ہوں گے کہ ایران میں آباد شیعہ دنیا بھر کے شیعہ کا ایک تہائی سے زیادہ حصہ نہیں ہیں اور باقی اہل تشیع اس وسیع کرہ ارض پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ہر ملک کے لوگوں کی اپنی شناخت، اپنی شہریت اور اپنی زبان ہے اور ایران کی شیعہ حکومت کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں ہے اور نہ کبھی ہوگا کہ وہ تمام روئے زمین کے شیعہ کی نمائندگی یا ترجمانی کرے بلکہ وہ تو ایران کے تمام شیعہ کے نام پر بات کرنے کا حق بھی نہیں رکھتی، اس لئے اس کا فرض ہے کہ کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے اس فرقے کی اکثریت بدنام ہو جیسا کہ وہ اب تک کرتی آئی ہے اب اس کی شہرت کو مزید داغدار نہ کرے

ایرانی حکام سے میری اپیل ہے کہ وہ اہل تشیع سے کوئی مزید بدتمیزی نہ کریں جو کچھ وہ کر چکے ہیں شیعہ کی ذلت و رسوائی کے لئے وہی کیا کم ہے؟ اور حضرات شیعہ سے بھی مجھے امید ہے کہ وہ انسانی معاشرے کے سامنے اپنے



اور اپنی عزت کے دفاع کے لئے آواز بلند کریں گے اور بے گناہ لوگوں کے خلاف جو عناصر شیعیت کے نام پر غنڈہ گردی اور تخریب کاری کر رہے ہیں ان سے لاتعلقی کا اعلان کریں گے۔

کبھی بذاتِ خود میں غور کرتا ہوں یہ دہشت گردی کا رُحمان جو چند برس سے ایران میں پیدا ہوا ہے اور ہمارے فقہاء نے اس کے لئے برکت کی دُعاؤں کی ہیں یہ اس الموت کے قلعے کی باقیات تو نہیں ہیں، جسے حسن الصباح نے اسماعیلی مذہب کی نشر و اشاعت کا مرکز بنایا تھا کبھی طاقت کے بل بوتے پر اور کبھی حشیش اور منشیات کے ذریعے وہ اپنے مذہب کی تبلیغ کرتا تھا اور یہ قتل و غارت گری بھی انہیں کاروائیوں کا حصہ ہے جو اسماعیلی دہشت گرد ممالکِ اسلامیہ میں گھوم پھر کر اپنے دشمنوں کو ٹھکانے لگانے کے لئے کرتے تھے اور ہم سب کو معلوم ہے کہ وزیر نظام الملک بھی اسی جماعت کے ایک دہشت گرد کے مجرمانہ وار سے قتل ہوا تھا جو براہِ راست ان کے سربراہ حسن الصباح کے حکم سے کیا گیا تھا۔ میرے اس خیال کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ حسن الصباح کی گوریلا دہشت گرد پارٹیوں اور شیعہ کے انتہا پسند دہشت گرد گروہوں کی منصوبہ بندی اور تاج میں بھی بڑی مشابہت پائی جاتی ہے۔

یہاں ایک بار پھر میں شیعہ کو مخاطب کر کے کہوں گا :-

اگر چھٹی صدی ہجری کے وسط میں حسن الصباح کی گہری سازش اور اس کی پارٹی کے حشاشین ساتھیوں کی بد اعمالیوں نے عالمِ اسلام میں بُرائی اور فساد کو جنم دیا تھا، تو اس دور کے کربناک واقعات کی اصل میں وجہ یہ تھی کہ سادہ لوح لوگوں کی اسلام اور اس کے بنیادی اصولوں سے عدم واقفیت سے ایک گروہ نے فائدہ حاصل کیا تھا مگر آج کے اس زمانے میں جبکہ میدانِ علم میں تیز و درخشاں ہے اور اعلیٰ اسلامی اصولوں کا مفہوم بھی سب پر عمال سے تو شیعہ پر حجت قائم ہو چکی ہے کہ وہ حق و عقل کا راستہ اختیار کریں اور ایسے

احکام تسلیم کرنے سے انکار کر دیں جن میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی ناراضگی ہو۔  
 اگر دہشت گردی کا پیر ہے تو پس پر وہ اس کے منصوبہ ساز بذاتِ خود اپنے لئے  
 یا اپنے خاص لوگوں کے لئے اسے کیوں پسند نہیں کرتے اور جب اس کا انکشاف  
 ہو جاتا ہے تو اس سے اظہارِ برأت کیوں کر دیتے ہیں حالانکہ اسلام دہشت گردی  
 سے بری ہے اور اس کی تعلیمات اس کے منافی ہیں۔ اگر ان دہشت گردوں اور ان کے  
 خفیہ سربراہوں کے کوئی سیاسی مقاصد ہوں تو انہیں چاہیے کہ ان کے حصول کے لیے دین  
 و مذہب کا نام استعمال نہ کیا کریں بلکہ پوری ہمت سے کام لے کر اپنی سیاہ کاریوں کا ذمہ دار  
 خود ہی بننا چاہیے نہ کہ انہیں اپنے دین و مذہب کے سر تقوٰن چاہیے۔

## اصلاح

دہشت گردی کسی بھی شکل و صورت میں ہو اس کے حرام ہونے کے بارے  
 میں قرآن کریم نے اپنا ابدی دستور قائم کر دیا ہے بالخصوص جب کوئی بے گناہ کسی  
 مجرم کی جگہ پکڑا جا رہا ہو، فرمایا :-

وَلَا تَنزِرُوا زِينَةَ الَّذِينَ فِيكُمْ الَّذِينَ اتَّخَذُوا

کُوْنِي بُوْجْهُ اُتْھَانِي وَاٰلِي (جان کسی دوسری جان) کا بوجھ نہیں اُٹھاتی“

جو شخص قرآن کریم کو اپنا رہبر و پیشوا کر دانتا ہے اس کے لئے یہ قرآنی جملہ مشعلِ ہدایت  
 ہے اور مینارۂ نور ہے۔ اگر ائمہ شیعہ کی سیرت و کردار پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ وہ  
 خوف و ہراس پھیلانے والی کاروائیوں سے سب سے زیادہ دُور اور انہیں سنت ناپسند کی  
 کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یہ امام حسین ہیں اس گروہ سے مخاطب ہیں جنہوں نے آپ کے  
 حرم اور اہل خانہ کے غموں پر عاشورہ کے دن حملہ کر دیا تھا امام مہدیؑ نے ان سے جو



کچھ کہا آج تک تاریخ اُسے فراموش نہیں کر سکی فرمایا :-

”و لے گروہ ابی سفیان ! اگر تمہارا کوئی دین نہیں اور تم آخرت کے خوف

سے آزاد ہو تو مردانِ حُر کا کردار تو اپناؤ، عورتوں کا تو کوئی گناہ نہیں ہے“

اس طرح امام حسینؑ نے جو سید الشہداء میں اور شیعہ ان کے ساتھ اندھی محبت کی شہرت

لکھے ہیں شجاعت و بزدلی کے درمیان خطِ فاصلہ کھینچ دیا ہے اور انسانی وقار جس پر اللہ

رامنی ہے اور باعثِ رنجِ کارِ بد جس پر اللہ ناراض ہوتا ہے دونوں وضاحت سے بیان

کر دیئے۔ ان بلیغ اور صریح عبارتوں میں حضرت امام حسینؑ نے تمام مسلمانوں کو حکم دیا

خواہ ان کا تعلق شیعانِ حسین سے ہو یا کسی دوسرے گروہ سے کہ اپنے دشمنوں اور جنگی

قیدیوں کے محلے میں عزت و وقار کا راستہ اختیار کریں، حالتِ جنگ میں بھی ان کی

عورتوں اور بچوں کے ساتھ بدسلوکی نہ کریں۔

اور یہ اہلِ کوفہ کی طرف حضرت حسینؑ کے سفیرِ مسلم بن عقیلؑ ہیں عبید اللہ بن زیاد کو

دھوکہ دہی سے قتل کرنے سے انکار کر دیتے ہیں جب کہ انہیں ہانی بن عروہ نے اس

کا موقع بھی فراہم کر دیا تھا اور فرماتے ہیں :-

”نَحْنُ أَهْلُ بَيْتٍ لَا نَغْدُرُ“

ہم اہلِ بیتِ غدر نہیں کرتے“

اور عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ میں اس وقت آیا تھا جب اہلِ کوفہ سفیرِ حسین کی حیثیت

سے مسلم بن عقیل کی بیعت کر چکے تھے لیکن وہ مسلم بن عقیل کو تنہا چھوڑ کرنے والی سے

جا ملے اور مسلم کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ یا تو آخری دم تک لڑیں اور

قتل ہو جائیں یا عبید اللہ کو دھوکے سے ٹھکانے لگا دیں اور نئے سرے سے اقتدار

حاصل کریں، لیکن انہوں نے کوئی ایسی تجویز برائے کار لانے کو مسترد کر دیا جس پر عزت

و مردانگی صا د نہ کرتی ہو خواہ اس طرح وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں یا اپنے سپرد کی گئی



ذمہ داری میں ناکام رہیں۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ نتائج خواہ کتنی ہی اہمیت کے حامل ہوں مگر اسلام کے سرمدی دستور اور اہل بیت رسول اللہ کے عرف و رواج میں دھوکہ دہی سے قتل اور غداری جیسی خمیس کاروائیوں کا جو از فراہم نہیں کرتے۔ ہم ایک بار پھر امام علیؑ کا عمل بطور شاہد پیش کرتے ہیں۔ شیعہ جن کی اقتداء کا دم بھرتے ہیں اور ہمارے بعض فقہاء کا عقیدہ ہے بالخصوص ان حضرات کا جو اپنے آپ کو دہشت گرد کاروائیوں کے معاون و مددگار بھی سمجھتے ہیں کہ امام موصوف کا عمل حجت ہے ہم ان سے عرض کریں گے کہ امام مدوح نے تو اپنے ساتھیوں کو ہر ایسی کاروائی سے منع کر دیا تھا جو احترام انسانیت کے منافی ہو، یہاں تک کہ جب صفین میں شیعان علیؑ نے نہر فرات پر جو رکاوٹیں کھڑی کر دی تھیں تاکہ شامی لشکر کی پانی تک رسائی نہ ہو امام موصوف نے وہ رکاوٹیں دور کرنے کا حکم دیا اور اپنے لشکر کو کسی بھی ایسے عمل سے روک دیا جو مردانہ جنگوں میں جاری طریقہ کار سے میل نہ کھاتا ہو۔ جب بلوائیوں نے خلیفہ حضرت عثمانؓ بن عفان کو قتل کیا اور امام علیؑ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے بیٹوں حسنؑ اور حسینؑ کے منہ پر ٹمانچہ مارا کہ انہوں نے باغیوں کو شہید خلیفہ کے نزدیک آنے سے روکا کیوں نہیں اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ حسن و حسین کا امام علیؑ کے نزدیک بڑا مقام و مرتبہ تھا جس کا اظہار انہوں نے ایک جنگ کے موقع پر کیا تھا جب دونوں صاحبزادے دشمن کی صفوں میں پیش قدمی کر رہے تھے فرمایا :-

”املکے واعنی الغلامین فانی اُخات أن ينقطع نسل

رسول اللہ“

”مجھ سے یہ دو بچے لے لو میں ڈرتا ہوں کہ (ان کے قتل سے) کہیں رسول اللہ

کی نسل نہ کٹ جائے“

اور جب ہم عصر نبویؐ پر تحقیقی نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں علم یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ

دہشت گردی قسم کی کوئی چیز ان کے ہاں معروف نہ تھی۔ جب ابو لؤلؤ نے خلیفہ عمر بن خطاب کو یہ کہتے ہوئے دھمکی دی کہ :-

”سأصنع لك رحى تتحدث عنها العرب“

میں تمہارے لئے ایسی چکی تیار کروں گا جس کی اہل عرب باتیں کیا کریں گے۔

تو خلیفہ نے فرمایا :-

”هددني ابن المجوسية“

”مجوسی عورت کے بیٹے نے مجھے دھمکی دی ہے۔“

لیکن خلیفہ نے اس کا کوئی بندوبست نہیں کیا، اسے قید کرنے یا شہر بدر کرنے کا

حکم بھی نہیں دیا۔

ہاں ذہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ دھوکہ دہی سے قتل کرنے کا مسلمانوں کے ہاں تصور تک نہیں تھا نہ عصر رسالت میں اور نہ ہی عہد خلفاء راشدین میں اور اسے ان کے ہاں کوئی نہیں جانتا تھا اسی لئے مسلمانوں نے سنجیدگی اور احتیاط سے اس کی طرف توجہ نہیں دی۔ خلیفہ عمر بن خطاب کے مجوسی ابو لؤلؤ کے ہاتھوں دھوکہ سے قتل ہونے کے بعد بھی ان کے جانشین عثمانؓ اور علیؓ نے خلیفہ عمرؓ کے ساتھ جو ہوا تھا اس قسم کی کسی مزید کارروائی سے بچنے کے لئے کوئی احتیاطی تدابیر اختیار نہیں کیں، سو وہی ہوا جس کا ڈر تھا کہ حضرت عثمانؓ کا قتل بھی دہشت گردی کے مشابہ تھا اور امام علیؓ ابن طلحہ نامی ایک خارجی کے ہاتھوں نماز صبح کے دوران قتل ہوئے ایک سے زیادہ مرتبہ ان سے کہا گیا کہ خوارج سے چوکتا رہیں لیکن وہ اس قسم کی نصیحت کو یہ کہہ کر مسترد کر دیتے تھے :-

”كفى بالموت حارسا“

”نگرانی کے لئے موت کافی ہے۔“

ان تمام واقعات کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ صحیح اسلامی معاشرہ اس بات سے

ایا کرتا ہے کہ دہشت گردی اور دھوکے سے قتل جیسے جرائم اس کے نام منسوب ہوں، اسی وجہ سے ایسے کسی کام کو اسلام نے کبھی کوئی قانونی تحفظ نہیں دیا بلکہ اسے وقتی مجرمانہ حرکت کی حیثیت سے ہی دیکھا ہے جس سے اسلام بری الذمہ ہے اور مسلمان بیزار ہیں اور ایسی تخریبی کاروائیوں کا ارتکاب صرف ابو لؤلؤ مجوسی اور ابن لمجم خارجی جیسے بد قماش ہی کرتے ہیں اور ایسی مثالیں مسلم معاشرہ میں نادر و کمیاب ہیں۔

میں ایک بار پھر تخریب کاری اور دہشت گردی کے بارے میں کہوں گا کہ ان تخریبی کاروائیوں کے پس پردہ باقاعدہ پلاننگ کرنے والے لوگ ہوتے ہیں جو ایسے لوگوں کی نفسیاتی کمزوری کو سمجھتے ہیں جو ایسی دہشت گردی کی کاروائیوں کے لیے اپنے آپ کو رضا کارانہ طور پر پیش کرتے ہیں، ان کی بقیہ اربعہ طبعیت، جذباتی مزاج سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں، انہیں غزال چشم حوروں اور بلوریں جام شراب ٹھہور کی اُمیدیں دلاتے ہیں۔ شجاعت و بہادری تاریخ میں ہمیشہ رہنے اور ظلم کا بدلہ لینے کے دروس ان کے جذبات برانگیختہ کرنے کے لئے مزید جلتی پرتیل کا کام دیتے ہیں۔ اس طرح انہیں قربانی کے بکرے بنا کر جائے وقوعہ پر بھیج کر خود میدان کارزار سے دور بیٹھے رہتے ہیں تاکہ اپنے مطلوبہ نتائج کے فوائد حاصل کر سکیں جو ان کا اصل مقصد ہے۔ خود ہمیشہ مضبوط اور محفوظ قلعوں میں وقت گزارتے ہیں سادہ لوح کارکنوں کو میدان قتل و غارت گری میں جھونک دیتے ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور امام علیؑ کے نام پر بے گناہ انسانی جانیں اور لوگوں کی املاک تباہ و برباد کرتے ہیں۔



KITABOSUNNAT  
.COM

# نمازِ جمعہ

میرے پختہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ ہمارے فقہاء نے نص صریح کے مقابلے میں اجتہاد کیا جس کا واحد سبب یہ تھا کہ وہ عظیم مسترد اسلامی صف میں ایک نیا فرقہ پیدا کر کے شیعہ کو اس بات پر آمادہ کرنا چاہتے تھے کہ وہ نمازِ جمعہ میں دیگر اسلامی فرقوں کے ساتھ شرکت سے باز رہیں۔

# KITABOSUNNAT.COM

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُوذِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ  
الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ  
ذَلِكَ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ (۱۱)

”و مومنو! جب جمعے کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کی  
یاد (یعنی نماز) کے لئے جلدی کرو اور (خریدو) فروخت ترک کر دو،

اگر سمجھو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے!“

سلام نے اس قطعی نص صریح کے ذریعے نماز جمعہ مشروع قرار دی اور اسے ہر اس شخص  
پر فرض کیا جو اللہ، رسول اللہ اور کتاب اللہ پر ایمان رکھتا ہے لیکن شیعہ فقہاء سا محم اللہ  
کی اکثریت نے اس نص صریح کے مقابلے میں اجتہاد کیا اور جمعہ کے دن نماز ظہر اور جمعہ  
میں سے ایک کو ادا کرنے کا موقف اختیار کیا اس نص پر اپنی طرف سے یہ اضافہ کیا، کہ  
اقامت جمعہ کے لئے ”امام“ کی موجودگی شرط ہے اور امام سے مراد امام مہدی ہیں۔  
ان کی غیبت کے زمانہ میں جمعہ کا فرض عین ساقط ہو جاتا ہے اور مسلمانوں کو یہ اختیار ہے  
کہ جمعہ یا نماز ظہر میں سے جو چاہیں ادا کریں۔

ہمارے فقہاء شیعہ میں سے ایک دوسرا گروہ یہاں تک کہتا ہے کہ غیبت امام  
کے زمانے میں جمعہ ادا کرنا حرام ہے نماز ظہر ہی اس کے قائم مقام ہوگی۔ ہمارے فقہاء  
کی ایک چھوٹی سی جماعت ایسی بھی ہے جن میں شیخ خرالعالمی مؤلف کتاب (وسائل الشیعہ)



جیسے بعض چوٹی کے علماء بھی شامل ہیں جو زمانہٴ غیبتِ امام میں بھی جمعہ واجب ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں۔

میں یہاں بھی ایسے بے مقصد اور لالیعنی فقہی بھگڑے میں نہیں پڑنا چاہتا جو ہزار برس سے فقہاءِ اسلام سے حل نہیں ہو سکا اور اگر ہم انہی قدیم روایات کی زبان میں گفتگو کرنا چاہیں جن پر شیعہ فقہاء کا اعتماد ہے تو یہ مسئلہ ہرگز حل نہیں ہوگا۔

غیبتِ امام کے زمانے میں جمعہ ساقط ہونے کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے یا کہا جا رہا ہے سب صریح نص سے متصادم ہے جس میں کسی اجتہاد کی گنجائش نہیں بشرطیکہ ہم دستورِ اسلام کے پابند ہوں۔ ہمارے سامنے ایک واضح، صریح اور ناقابلِ تغیر دستور تھا جس میں کوئی قید تھی نہ شرط، میں نہیں سمجھ پایا کہ ہمارے فقہاء کو ائمہ شیعہ کی طرف منسوب روایات پر اعتماد کرتے ہوئے اس واضح، بلیغ نص قرآنی کے مقابلے میں اجتہاد کی ہمت کیسے ہوئی؟ ان روایات کے بارے میں بھی میرا وہی موقف ہے جو باقی تمام من گھڑت جھوٹی روایات کے بارے میں ہے، مجھے اس میں کبھی شک نہیں گزرا کہ ان روایات کا زیادہ حصہ شیعہ اور تشیع کے مابین معرکہ آرائی کے عصرِ اول میں معرضِ وجود میں آیا تاکہ شیعہ کو جمعہ کی نمازوں میں حاضری سے روکا جاسکے جو درحقیقت شوکتِ اسلام کے انہار کا ایک بڑا ذریعہ ہے اور وہ اسلامی فرقوں کے ساتھ میل جول اور ان کی معیت میں اس عظیم اسلامی شعار میں شرکت سے بھی باز رہیں۔

میں نے جو رائے اختیار کی ہے اس کی ایک اور واضح دلیل بھی ہے جو ان تمام لوگوں پر معنی رہی جنہوں نے نماز جمعہ کے موضوع پر لکھا اور اس کی تاریخ بیان کی میری مراد اس سے یہ ہے کہ صفوی بادشاہ جو ایران میں شیعیت کے حامی تھے اور تشیع کے سر جو بدعتیں تھوپی گئیں زیادہ تر انہی کی حوصلہ افزائی اور سیاست کا نتیجہ ہیں، نماز جمعہ کے پر زور علمبرداروں میں سے تھے۔ ایران کی سب سے بڑی اور وسیع ترین مسجد صفوی بادشاہوں کے عہد میں ہی تعمیر ہوئی اور

مرکزی مسجد کا نام ہی (مسجد الجمعہ) تھا۔ ایران کا کوئی بڑا شہر ایسا نہ تھا جس میں اس طرح کی کوئی بڑی مسجد نہ ہو اور اس کے امام کو (امام الجمعہ) کے لقب سے عقب کیا جاتا تھا اور خاص فرمانِ شاہی سے اس کی تعیین ہوتی تھی اور یہ منصب قابلِ احترام سمجھا جاتا تھا جو کسی بڑے عالم کو سونپا جاتا اور اکثر اوقات تو (شیخ الفقہاء) کو اس سے نوازا جاتا تھا اور یہ عہدہ شاہی خاندان کے محلِ سرا میں بھی موجود تھا تا آنکہ چند برس پیشتر ایران میں شہنشاہیت نے دم توڑا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ غیبتِ امام کے زمانہ میں حرمتِ جمعہ کا شوشہ صرف ان ممالک میں چھوڑا گیا جہاں شیعہ اور دیگر اسلامی فرقوں کے باہمی روابط خاصے مضبوط تھے تاکہ شیعہ کو عام مسلمانوں کی متحدہ جماعت کے ساتھ یکجہتی اور ہم آہنگی سے روکا جاسکے لیکن ایران میں جہاں شیعہ اکثریت میں تھے شیعہ فقہاء نے نماز جمعہ کی مخالفت نہیں کی بلکہ ملک کے طول و عرض میں تمام مساجد میں جمعہ کا اہتمام ہوتا تھا البتہ فقہی نظریہ کی حیثیت سے جمعہ اور نماز میں ایک کے اختیار کا فتوے موجود تھا ایران کے شہروں کی بعض مساجد میں جمعہ ادا کیا جاتا تھا تو بعض دوسری مساجد میں نماز ظہر پڑھی جاتی تھی۔

ان سطور کی تائید تک بعض شیعہ فقہاء جو بقیہ حیات ہیں نماز جمعہ واجب ہونے اور غیبتِ امام میں اس کے ساقط نہ ہونے کا فتوے دیتے ہیں لیکن ایسے فقہاء کی تعداد ایک ہاتھ کی انگلیوں سے زیادہ نہیں ہوگی، یہ لوگ فقہی تاریخ میں ہمیشہ قلیل اقلیت شمار ہوتے ہیں۔

ایران میں فقہاء کے زمامِ اقتدار سنبھالنے کے بعد نماز جمعہ حکومت کے بنیادی سیاسی معاملات میں داخل ہو گئی اور ”ولایتِ فقہیہ“ سے ہر شہر میں ایک امام مقرر کیا جسے ”امام الجمعہ“ کہا جاتا ہے۔ اس سے قبل شاہِ ایران اپنے عہدِ حکومت میں بھی یہی کرتا تھا البتہ اب کہ حکومت نے اس کے لئے ایک نیا نام تجویز کیا ہے اسے ”الصلاة العبادی السیاسی“ کہتے ہیں۔ خطیب حضرات خطبہ جمعہ میں حالاتِ حاضرہ، سیاست اور ملکی مسائل وغیرہ موضوعات پر گفتگو کرتے ہیں۔ اس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں کہ خطبے میں کیا کہا جاتا ہے کیوں کہ اہم بات یہ ہے کہ



فریضہ جمعہ پر عمل ہونا چاہیے، رہا یہ کہ خطباء کس موضوع پر گفتگو کرتے ہیں یا کیا کہتے ہیں تو یہ ان کا مسئلہ ہے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ ایران سے باہر جن علاقوں میں شیعہ آباد ہیں وہاں ماحال نماز جمعہ متروک ہے شیعہ اپنی مساجد میں جمعہ کے دن اس کا اہتمام نہیں کرتے۔ میں یہاں پر گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ نص قرآنی اور مقاصد و روح اسلام کے منافی اس طرز عمل کو ختم کر کے شیعہ کو اپنی اصلاح کرنی چاہیے۔

## طریقہ اصلاح

اگر شیعہ آبادی کے علاقوں میں اس اہم فرض کی ادائیگی کی ذمہ داری ائمہ مساجد پر چھوڑ دی جائے تو مزید کئی صدیوں تک یہ عمل متروک رہے گا کیونکہ شیعہ مساجد کے ائمہ اکثر و بیشتر اپنے دینی مزاج میں کسی مزاج یا فقیہ کے اوامر پر کاربند رہتے ہیں اور ایسا امام جس نے کسی دینی مزاج کو یہ مقام دے رکھا ہو اپنے پیشوا کے فتویٰ سے تجاوز کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا خاص طور پر جب اس کی مادی زندگی کا انحصار بھی اس کے اسی پیشہ اور اپنے سربراہ کی اطاعت پر ہو۔ اس صورت حال میں پروایان شیعیت کا فرض ہے کہ وہ اپنے ائمہ مساجد کو نماز جمعہ ادا کرنے پر مجبور کریں اور ان سے اس فرض کی ادائیگی کا مطالبہ کریں اور اگر ائمہ اسے تسلیم نہ کریں تو انہیں ادائیگی جمعہ کے لیے ان مساجد کا رخ کرنا چاہیے جہاں جمعہ پڑھایا جاتا ہے کیوں کہ اس الہی فرض کی بجا آوری تمام حالات میں ضروری ہے اور یہ کسی بھی حالت میں ساقط نہیں ہوتا۔

مجھے پختہ یقین ہے کہ اگر تعلیم یافتہ، بیدار مغز فرزندان شیعیت اس عظیم اسلامی شعار کی پابندی کر لیں تو تفرقہ بازی کی ایک بڑی خلیج پاٹنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور تفرقہ سے اللہ اور اس کے رسولؐ نے منع فرمایا ہے، اس طرح وہ وسیع تر اسلامی وحدت کا از سر نو آغاز کریں گے اور اس کے حامی ہوں گے۔



KITABOSUNNAT  
.COM

# تحریفِ قرآن

تحریفِ قرآن کا قائل ہونا اسے پر ایمان کے  
مناف ہے۔

معلوم نہیں کیسے کوئی شخص تحریف قرآن کا قائل ہو سکتا ہے درآں حالیکہ اس کے سامنے صریح نص ہو جو تحریف کے متعلق تمام اقوال کا صفایا کر دیتی ہے۔ میں اس بات کو سمجھنے سے بھی قاصر ہوں کہ کوئی شخص قرآن کریم کے مندرجات کے خلاف رائے پر قائم رہتے ہوئے قرآن پر ایمان لانے کا دعویٰ کیسے کر سکتا ہے قرآن پاک کی آیت کریمہ :-

” اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَٰحٰفِظُوْنَ “ (۱۱)

بیشک یہ (کتاب) نصیحت ہم ہی نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ قرآن میں تحریف کے خلاف ہر طرح کے استدلال سے ہمیں مستغنی کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دو ٹوک الفاظ میں یہ وعدہ ہے کہ وہ قرآن حکیم کو اضافہ، تحریف اور دیگر ہر قسم کی غیر سنجیدہ حرکت سے محفوظ رکھے گا۔ تمام اسلامی فرقوں کو دیکھا جائے تو معدودے چند علماء ہی تحریف قرآن کے قائل ہیں البتہ ان میں شیعہ علماء و محدثین کی اکثریت ہے۔ شیعہ علماء کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ قرآن میں تحریف نہیں ہوئی وہ بھی اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں جس کا ہم نے ذکر کیا ہے، جب کہ ایک دوسرا فریق پورے اصرار و ضد سے تحریف کا قائل ہے۔ ”نوری“ کا تعلق بھی اسی مؤخر الذکر گروہ سے ہے جس نے اس موضوع پر کتاب لکھی اور اس کا نام ”فصل الخطاب فی تحریف کتاب رب الارباب“ رکھا، اس میں کچھ عباتیں نقل کی ہیں جنہیں وہ بڑے خواہش تحریف شدہ آیات قرآنیہ سمجھتا ہے۔ اس موضوع پر انصاف پسندی سے غور کرنے



والاشخص بنجوبی جان سکتا ہے کہ شیعہ محدثین جو بخوشی تحریف قرآن کے قائل ہوئے تو اس کا سبب ان آیات سے استدلال تھا جو حضرت علیؓ کی امامت پر نص عین انہی مزعومہ محرف آیات کی بنیاد پر بعض بڑے شیعہ علماء اس بات کی تردید کرتے ہیں کہ قرآن میں امامت علیؓ پر کسی نص الہی کا وجود نہیں ہے۔

شیعہ علماء کے نزدیک تحریف قرآن کے نظریے کو ایک اور بڑی رکاوٹ کا سامنا ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنی خلافت کے ایام میں عام مسلمانوں کے پاس موجود اسی قرآن کو برقرار رکھا اگر اس کی آیتوں یا سورتوں میں کہیں تحریف کر دی گئی تھی تو امام علیؓ نے بتا دیا ہوتا اور صحیح آیات کو دوبارہ قرآن میں مثبت کر دیا ہوتا۔

تحریف قرآن کا نظریہ ان افکار میں سے نہیں ہے جو شیعہ ماحول میں خطرناک اثرات کے حامل عام نظریے کی حیثیت سے رائج ہونے لگے ہوں کیوں کہ شیعہ کی ایک بڑی اکثریت اس پر یقین نہیں رکھتی اور نہ ہی اس بحث میں پڑتی ہے جس کی وجہ ہمارے کسی علماء کا یہ قیاس ہے کہ قرآن پاک تحریف سے محفوظ ہے البتہ اس وقت یہ نظریہ افسوس ناک صورت اختیار کر لیتا ہے جب نامشرحہ حضرات کوئی ایسی کتاب شائع کر دیتے ہیں جو ہمارے علماء نے تحریف کے حق میں تالیف کی ہیں پھر وہ کتابیں عام لوگوں میں تقسیم ہوتی ہیں دوسری کتابوں میں درج کرنے کے لئے ان سے اقتباسات لئے جاتے ہیں جو تمام مسلمانوں کے مطالعے میں آتے ہیں۔

اس صورت حال کے پیش نظر ہم شیعہ ممالک کے تمام ناشرین کتب کی خدمت میں اصلاح و تفسیح کی اپیل کرتے ہیں کہ یہ کتابیں چونکہ قرآن کریم ا، اس کی نصوص کے خلاف ہیں لہذا انہیں شائع کرنے سے باز رہیں، اس سے سلام اور قرآن کی شہرت کو نقصان پہنچتا ہے۔ کتاب اللہ جو مسلمانوں کیلئے ابدی دستور ہے اگر اسے کوئی کمزوری لاحق ہوگی تو مسلمان کمزور ہوں گے اور اسے قوت حاصل ہوگی تو مسلمان طاقتور ہوں گے۔

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں فقہاء شیعہ کی اکثریت کے ہاں رائج نظریہ قرآن میں عدم تحریف ہی ہے لیکن اس کے علاوہ ایک تیسری رائے بھی ہے جو خاصی نامانوس اور عجیب و غریب ہے۔ شیعہ راویوں کی بیان کردہ چند روایتوں کے علاوہ اس کی کوئی دلیل بھی نہیں ہے اور ہم اپنی اصلاح شیعیت کی تحریک میں اس قسم کی شاذ آراء کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ ان آراء کا اشارہ ذکر ہم اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں تاکہ اصلاح و تصحیح جامع اور مانع ہو۔ یہاں ہم شیعہ کے ایک بڑے عالم امام ”خوئی“ کی رائے پیش کرتے ہیں موصوف اپنی تفسیر ”البيان“ کے صفحہ ۲۵۹ پر شیعہ سمیت مسلم فقہاء و محدثین کی قرآن کریم میں تحریف یا عدم تحریف کے موضوع پر آراء پیش کرنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں :-

دو ہمارے مذکورہ بیان سے قاری پر بخوبی واضح ہو گیا ہو گا کہ تحریف قرآن کی حدیث خرافات میں سے ہے اس کا قائل یا تو کوئی ضعیف العقل ہو سکتا ہے یا جس نے اس کے تمام پہلوؤں پر کما حقہ غور نہ کیا ہو یا وہ شخص جو مجبور ہو۔ صرف اس قسم کے لوگ اس قول کو پسند کرتے ہیں۔ کسی بھی چیز کی محبت انسان کو اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے کوئی بھی عقلمند، انصاف پسند اور غور و فکر سے بہرہ ور شخص اس میں شک نہیں کرے گا کہ یہ رائے باطل اور خرافات ہے۔“

دوسری رائے جس کی طرف ہم نے ابھی اشارہ کیا ہے وہ بھی اسی کتاب کے صفحہ ۲۲۲ پر مذکور ہے اس کے الفاظ یہ ہیں :

دو اس بات میں کوئی شک نہیں ہونا چاہیے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام کے پاس ایک مصحف موجود تھا جس کی سورتوں کی ترتیب موجودہ قرآن سے بالکل متغایر تھی سربراہ آوردہ علماء کا اس پر اتفاق ہمارے لئے کافی ہے اس کے اثبات کے لئے مزید کسی تکلف کی ضرورت نہیں ایسے ہی یہ بات کہ



اس قرآن میں کچھ زائد چیزیں تھیں جو اس وقت موجود قرآن میں نہیں ہیں بھی اگرچہ درست ہے مگر یہ اس امر کی دلیل نہیں بن سکتی کہ وہ زائد چیزیں قرآن کا حصہ تھیں اور انہیں تحریف کر کے اڑا دیا گیا ہے بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ زائد اشیاء تفسیر تھیں جو تاویل اور مفہوم کلام کے طور پر لکھی گئی تھیں یا مقصد قرآن تھا یا منشاء و مراد کی تشریح کے لئے وحی الہی تھی۔“

ان عبارتوں سے ہمارے فقیہ موصوف امام علیؑ کے مصحف کا وجود ثابت کرتے ہیں جو عام مسلمانوں کے پاس موجود قرآن سے مختلف نہیں اور اس کے ساتھ ہی اس حیرت انگیز جملے کا اضافہ بھی کر دیتے ہیں۔

”یا وہ زائد اشیاء قرآن کی تفسیر کے لئے وحی الہی کی حیثیت سے لکھی ہوئی تھیں“ سمجھ نہیں آتی کہ شیعہ یا تفسیر قرآن کو مصحف کہنے پر اصرار کا کیا مطلب ہے؛ اور موصوف نے جس اجماع کا درج ذیل الفاظ سے دعوے کیا ہے اس کا وجود کہاں ہے۔

دو نامور علماء کا اس کے وجود پر اجماع ہمارے لئے کافی ہے۔ اس کے اثبات کے لئے کسی تکلف کی ضرورت نہیں!“

علماء نے اس پر کب اجماع کیا سوائے ان چند لوگوں کے جنہوں نے امام علیؑ کی طرف منسوب کلام پر اعتماد کیا ہے طبرسی نے اپنی کتاب ”الاحتجاج“ میں اس کا حوالہ دیا ہے۔

امام علیؑ کے خطبات اور سیرت پر غور کرنے والا محقق شخص ان اقوال کے نامانوس معنویات کی وجہ سے انتہائی شک میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ ایسا کلام امام علیؑ جیسی شخصیت سے کیونکر صادر ہو سکتا ہے، نیز دوسرے حیرت انگیز جملے سے کیا مراد ہے؛ کیا قرآن کی کوئی ایسی شرح بھی ہے جو خود ذات الہی کی طرف سے نازل ہوئی ہو مگر قرآن مجزؤ نہیں، تو منزل من اللہ قرآن دو چیزوں پر مشتمل ہوا ایک متن اور دوسری شرح۔ متن تو تمام لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اور شرح صرف امام علیؑ کے پاس تھی۔



اگر میرا حافظ مجھے دھوکہ نہیں دے رہا تو مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے مصحف کے موضوع پر علامہ کبیر دہلویؒ سے گفتگو کی تو موصوف نے بھی بطرسی کی مذکورہ روایت کے علاوہ کوئی نئی چیز پیش نہیں کی تھی ہماری ملاقات تند و تیز بحث و جدل پر ختم ہوئی، میں اس پر اللہ تعالیٰ سے معافی کا امیدوار ہوں اگر میں نے اپنے اُستاد گرامی کے ادب و احترام سے تجاوز کیا جن سے میں نے کچھ وقت فقہ اور اُصول فقہ کا درس لیا یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں نجف میں زیر تعلیم تھا۔

ہمارے فقہاء و علماء امام علیؑ کے پاس خاص مصحف ہونے کی دلیل وہی روایت پیش کرتے ہیں جسے بطرسی نے اپنی کتاب (الاحتجاج) میں ذکر کیا ہے امام علیؑ فرماتے ہیں۔

”وَلَعَلَّكُمْ يَسْتَفْهِمُونَ مَا كُنْتُمْ مُخْتَلِفِينَ فِيهِ“  
 ”وہ لے طلحہ! بہر وہ آیت جو اللہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی میرے پاس اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی اور رسول اللہ کی اِطاء کروائی ہوئی موجود ہے اور ہر آیت کی تاویل بھی جو اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری اور ہر حلال و حرام اور حکم قیامت تک امت کو جس کی ضرورت پڑ سکتی ہے، سب میرے پاس آنحضرتؐ کی اِطاء اور میرے ہاتھ سے لکھا ہوا موجود ہے

حتیٰ کہ خراش کا جرمانہ بھی مذکور ہے“ (۱)

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اس روایت میں واضح ضعف اور حیران کن غرابت ہے

اور اسی غرابت کی وجہ سے ان گنت اور بے شمار سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ سب سے

پہلے تو یہ امر توجہ طلب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے احکام کی صرف امام علیؑ

کو بطور خاص کیوں تعلیم دی جن کی پوری امت کو تا قیامت ضرورت ہے لیکن آپ نے

امت کو ان کی خبر نہیں دی بلکہ انہیں چھپانے رکھا جبکہ قرآن کہتا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا حَكِيمَةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا  
وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (۱۱)

”اور (اے محمدؐ) ہم نے تم کو تمام لوگوں کے لئے خوشخبری سننے والا اور  
ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

دوسری جگہ ارشاد ہے :-

أَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ... الْآيَةَ... (۲)

”آج کے دن میں نے تمہارے لئے اپنا دین مکمل کر دیا۔“

امام علیؑ نے اپنے پیشرو خلفاء کے عہد میں یا خود اپنے عہدِ خلافت میں یہ احکام بیان کیوں  
نہیں کئے اور ان احکام کو چھپانے کیوں رکھا جن کی پوری اُمت کو قیامت تک ضرورت تھی اور  
ان میں حلال و حرام حتیٰ کہ زخموں کے جُرمانہ کا بھی ذکر ہے۔ درحقیقت یہ پریشانی خیالی ہے جو  
عقل و دانش میں غفل انداز ہوتی ہے۔ ان لوگوں کی عقلوں میں ہم بخوبی اسے پڑھ سکتے  
ہیں جنہوں نے اس قسم کی روایتیں وضع کیں اور امام علیؑ کی طرف انہیں منسوب کیا۔ اس پر  
مستزاد یہ مصیبت کہ ہمارے فقہاء۔ اللہ انہیں معاف کرے۔ نے ایسی روایات پر  
اعتماد کیا اور انہیں مسلمات کی حیثیت دی۔

### اصلاح کا طریق کار

جو کچھ بھی کتبِ شیعہ میں امام علیؑ کے مصحف کے بارے میں لکھا یا کہا گیا ہے وہ اس  
سے زیادہ کچھ نہیں کہ امام علیؑ کے گرد ان لوگوں کے حسب منشاء حد سے بڑھے ہوئے  
ادب و احترام کا مالہ بننے کی کوشش ہے جو ان جھوٹی کہانیوں کے پس پردہ تھے اور ان

(۱)، سبأ ، ۲۸

(۲)، المائدۃ ، ۳

کا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ امام علیؑ نبی علیہ السلام کے جانشین اور خلافت کے اولین حقدار تھے اسی لئے وہ اپنے پاس ایک مصحف محفوظ رکھے ہوئے تھے جو کسی دوسرے کے پاس نہیں تھا۔ معاملے کی ظاہری صورت حال تو یہی ہے لیکن حقیقت میں ان لوگوں نے دوسری طرف امام علیؑ کے ساتھ گستاخی کی ہے امام موصوف کا تعارف اس طرح کرایا کہ ان کے پاس احکام الہی کا ایک ذخیرہ تھا۔ جس میں حدود، حلال و حرام، اور تمام وہ امور تھے جن کی اُمتِ محمدیہ کو تاقیات ضرورت پڑ سکتی ہے، حضرت علیؑ نے انہیں مخفی رکھا اور صرف اپنی اولاد میں سے ان لوگوں کو بتائے جو منصب امامت پر فائز تھے اور ائمہ نے بھی اپنے اپنے زمانے میں مسلمانوں سے انہیں چھپائے رکھا حتیٰ کہ اپنے شیعہ تک کو نہیں بتایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تمام علوم و معارف بارہویں امام کے غائب ہونے کے ساتھ ہی غائب ہو گئے۔

اور اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اندھی محبت جب حد سے گزرتی ہے تو اس کا نتیجہ بے لگام گستاخی ہوتا ہے کوئی بھی چیز جب حد سے گزر جائے تو الٹ ہو جاتی ہے۔

”ہر زولے را کمالے ہر کمالے را زوال“

یہیں سے ہم ایک بار پھر اپنے اصلاحی نظریے کی بات چلاتے ہیں اور امام علیؑ اور تمام ائمہ شیعہ کے گرد بنے ہوئے وہم گمان کے جال سے نکلنے کی دعوت دیتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ ان لوگوں نے گویا سورج کے گرد و ٹمٹاتے ستارے رکھ کر یہ باور کر لیا ہے کہ ان سے سورج کی آب و تاب میں اضافہ ہوگا گویا کہ ان کی حالت ان لوگوں کی سی ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الَّذِينَ ضَلَّ سَعِيَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا. (۱۱)

”وہ لوگ جن کی سعی دُنیا کی زندگی میں برباد ہو گئی اور وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اچھے کام کر رہے ہیں۔“



با وجود اس کے کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ائمہ کے نام سے گھڑی گئی زیادہ تر روایتیں غیبت کبریٰ کے بعد وضع کی گئی ہیں اور یہی وہ زمانہ ہے جسے ہم شیعہ اور تشیع کے درمیان اولین معرکہ آرائی کا زمانہ کہتے ہیں مگر انصاف پسند غور و فکر کرنے والا شخص یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ائمہ شیعہ کے عہد میں بھی ان کے نام سے منسوب احادیث وضع کی گئیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے احادیث وضع کرنے کا عمل عصر رسالت کے بعد مسلمانوں کو ذہنی طور پر مشغول کئے ہوئے تھا البتہ ائمہ شیعہ کی طرف منسوب موضوع روایات سے ان کے لوگوں میں موجود ہونے کی وجہ سے ان کی زندگی میں پُرخطر اثرات نہیں تھے لوگ براہ راست ان سے رابطہ قائم کر کے ان روایتوں کے بارے میں پوچھ سکتے تھے۔ امام صادق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا :

إِن عَلَى كُلِّ حَقِّ حَقِيقَةٌ دَعَىٰ كُلِّ صَوَابٍ نَوْرًا  
فَمَا دَفَقَ كِتَابَ اللَّهِ فَنَحَذُوهُ وَمَا خَالَفَ كِتَابَ اللَّهِ  
فَدَعُوهُ .

ہر حق پر حقیقت کا رنگ اور ہر راستی پر نور ہے جو امر کتاب اللہ کے موافق ہو اس پر عمل پیرا ہو جاؤ اور جو کتاب اللہ کے مخالف ہو اسے چھوڑ دو۔  
ابن ابی یعفور کہتے ہیں کہ انہوں نے امام صادق سے دو حدیثوں کے باہم اختلاف کے متعلق دریافت کیا جن کے کچھ راوی ثقہ اور کچھ غیر ثقہ ہوں تو فرمایا :

وَإِذَا رَدَّدَ عَلَيْكَ حَدِيثٌ فَتَرَجَّدْتَ لَهُ شَاهِدًا مِنْ  
كِتَابِ اللَّهِ أَوْ مِنْ قَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَالْأَفْالَ ذِي  
جَاءَ كَمَبِهِ أَدْلَىٰ بِهِ - (۱۱)

جب تم تک حدیث پہنچے اور تمہیں کتاب اللہ یا فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

میں اس کا شاہد مل جائے (تو اس پر عمل کرو) ورنہ تم تکسب پہنچانے والا ہی اس کا ذمہ دار ہے۔“

امام صادق ہی سے ابن ابی عمیر نے یہ قول روایت کیا ہے۔

من خالف کتاب اللہ دستة محمداً فقد كفر“ (۱۱)  
 ”جس نے اللہ کی کتاب اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی مخالفت کی  
 بلاشبہ وہ کافر ہو گیا۔“

امام نے ایک اور مقام پر فرمایا :-

كل شيءٍ مردود إلى الكتاب والسنة و كل  
 حديث لا يوافق كتاب الله فهو زخرف“ (۱۲)  
 ”ہر بات کتاب و سنت پر ٹوٹائی جائے گی اور ہر وہ حدیث جو کتاب اللہ  
 کے مطابق نہیں وہ طبع سازی ہے۔“

اس طرح امام صادق نے صحیح اور موضوع احادیث کے مابین تمیز کرنے کے لئے واضح  
 طریقہ مقرر فرمایا اور اسی طریقہ پر سچی اور جھوٹی روایات کے مابین تمیز کرنی چاہیے تاکہ دین  
 کے نام پر دین میں پیدا ہونے والی بدعات کا سدباب ہو سکے۔  
 یہ بحث ختم کرنے سے پہلے میں یہ اشارہ کرنا چاہتا ہوں کہ شیعہ عالم نے اپنی  
 کتاب میں مصحف علیؑ کے ساتھ ساتھ مصحف فاطمہؑ کا تذکرہ بھی کیا ہے اس کے متعلق ہمارا  
 موقف وہی ہے جو ہم مصحف علیؑ کے متعلق رکھتے ہیں اور اس بارے میں جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں  
 وہی کافی ہے۔

(۱) الکافی ج ۱، ص ۷۰

(۲) ” ” ” ” ۶۹

# الجمع بین الصلاتین

(دو نمازیں اکٹھی کر کے پڑھنا)

نمازوں کو ان کے اوقات میں ادا کرنا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء ہے اور قرآن کریم کہتا ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ

وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ۝ ۲۱

”تم کو اللہ کے پیغمبر کی پیروی کرنی بہتر ہے۔ (یعنی اس شخص کو) جسے اللہ (سے ملنے) اور روز قیامت (کے آنے) کی امید ہو اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرتا ہو۔“



شیعہ امامیہ حضرت میں بھی ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھنے کے قائل ہیں اور وہ اس موقف میں تمام اسلامی فرقوں میں منفرد ہیں۔ اس فقہی اختلاف میں میرا موقف دوسرے فقہی مسائل کی نسبت بالکل مختلف ہے، مگر یہ طرز عمل جس کے ساتھ شیعہ منفرد ہیں وسیع اسلامی اتحاد کو نقصان پہنچانے کا سبب بن سکتا ہے خصوصاً جبکہ شیعہ فقہاء کی اکثریت مقررہ اوقات میں نماز پڑھنے کے مستحب ہونے کا فتویٰ دیتی ہے لیکن عملی طور پر جمع کر کے ہی پڑھتے ہیں اور شیعہ کی مساجد میں عادتاً اس کے مطابق عمل ہو رہا ہے۔

پانچ نمازیں اپنے مقررہ اوقات میں فرض کی گئی ہیں، انہی اوقات کی نسبت سے ان کے الگ الگ نام بھی ہیں، چنانچہ عصر کا وقت ظہر سے مختلف ہے عشاء بھی وقت کے اعتبار سے مغرب سے الگ ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ نمازوں کو ان پانچ اوقات میں فرض کرنے میں اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمت ہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں دین کا ستون اور اسلامی شعائر میں سے قرار دیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں واقع اپنی مسجد میں پانچ اوقات میں نماز پڑھتے تھے اور آپ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سمیت تمام خلفاء کا عمل بھی یہی رہا ائمہ شیعہ کا طریقہ بھی یہی تھا۔ اگر آپ نے سفر کے بغیر ایک یا دو بار و نمازوں کو جمع کر کے پڑھا بھی تو دوسری یا کسی دوسری وجہ سے جمع کی رخصت بیان کرنے کے لئے تھا۔ رہا آپ کا مستقل عمل

تو آپ نے ہمیشہ پانچ اوقات کی پابندی فرمائی۔

کاشش! میں جان سکوں کیا دافع سُستی اکثریت کے ساتھ اختلاف کے اس مظاہرہ کا کوئی فائدہ بھی ہے یا کہ عام انسانوں کا وضع کردہ عمل ہے جس سے ان کی غرض شیعہ کو وحدت کے تمام مظاہر سے دور رکھنا تھا پھر فقہاء اور ائمہ مساجد و انستہ یا نادانستہ اسی پر کار بند ہو کر رہ گئے۔ ہم تحریک اصلاح و تصحیح میں فکری اور عملی ہر دو اعتبار سے اتفاق کو اہمیت دیتے ہیں اور ہمارا پیغام یہی ہے کہ فکری اور عملی اختلاف کے تمام مظاہر اور ان کے متعلقات کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے اور یہ کام عہد رسالت کی طرف پلٹے اور آپ کی سنت پر سختی سے کار بند ہونے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا۔ میں نہیں سمجھتا کہ مسلمانوں میں ایک فرد بھی ایسا ہوگا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کے طریق کار کے بالمقابل دوسروں کے عمل و آراء کو افضل خیال کرتا ہو۔ اسی بنا پر ہم شیعہ ائمہ مساجد اور خود شیعہ کو تنبیہ کرتے ہیں کہ بروقت نماز ادا کرنے کا التزام کریں اور وہ پانچ نمازیں اپنے پیش نظر رکھا کریں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ مہاجرین و انصار کے ساتھ مدینہ منورہ میں واقع اپنی مسجد میں ادا کرتے تھے اور اس راستے سے انحراف نہ کریں جو پیغمبر اسلام نے اہل اسلام کے لیے مقرر فرمایا ہے اس لئے کہ ان کی عزت، کرامت اور شوکت آپ کی اقتداء کرنے اور آپ کی سنت پر عمل پیرا ہونے میں ہے۔

یہ دیکھئے امام علیؑ بھی مختلف شہروں کے حاکموں کو نماز اور اس کے اوقات کے متعلق خط لکھتے ہیں اس میں ہے :

اما بعد! لوگوں کو ظہر کی نماز بکریوں کے باڑے سے دھوپ لوٹ جانے سے پہلے پڑھایا کرو اور عصر کی نماز اس وقت پڑھاؤ جب کہ سورج تیز سفید اور روشن ہو اور مغرب اس وقت پڑھاؤ جب روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے اور عشاء کی نماز شفق غائب ہونے سے ایک تہائی رات گزرنے

تک پڑھا دیا کرو اور صبح کی نماز اس وقت پڑھایا کرو جب آدمی اپنے  
ساتھی کا چہرہ پہچان سکتا ہو۔ (۱)





## رہبت

جب دیونا لائے کہانیاں عقائد کے ساتھ اور اہام حقائق  
میں خلط ملط ہو جائیں تو ایسی بدعتیں نہہور پذیر ہوتی ہیں  
جو ایک ہی وقت میں ہنسائی بھی ہیں اور رلاتی بھی۔ !

دو موضوع ایسے ہیں جو شیعہ امامیہ کے عقائد میں بہت بڑا مقام نہیں رکھتے اور ان کا شیعہ کی فکری اور اجتماعی زندگی پر کوئی اثر بھی نہیں ہے سولے اس کے کہ جب بھی کوئی گروہ ہر چھوٹے بڑے فرق کو شمار کرنے بیٹھ جاتا ہے تو یہ دونوں موضوع شیعہ مذہب کے متعلق بحث و جدال کو خوب ہوا دیتے ہیں، یہ موضوع ہیں :

۱۔ رجعت۔ (یہ عقیدہ کہ تمام ائمہ شیعہ دنیا میں دوبارہ آئیں گے۔)

۲۔ البداء۔ (یہ عقیدہ کہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ پر کسی واقعہ کے پیش آنے کے بعد

نئی صورت حال کا انکشاف ہوتا ہے جس کا اسے پہلے سے علم نہیں ہوتا۔)

ہم اپنی اس کتاب میں ان کے تذکرے سے پہلو تہی کرنا چاہتے تھے لیکن بعد ازاں میں نے سوچا کہ ان میں سے ہر ایک کے لئے مختصر طور پر مستقل اور خاص فصل قائم کرنا بہتر ہے خصوصاً ماضی قریب میں شیعہ مذہب کے متعلق مقالات اور باتوں کی اشاعت کے بعد جبکہ بہت سے قلم اور جرائد شیعہ ان کے مذہب اور ان سے منسوب امور پر کافی روشنی ڈال چکے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے کہا رجعت اور بداء کے موضوعات شیعہ عقائد میں اہم اور بنیادی حیثیت کے حامل نہیں ہیں حتیٰ کہ شیعہ مذہب کے بعض اعیان نے ان دونوں نظریوں کی تردید کی ہے شیعہ کی غالب اکثریت ان کے متعلق کچھ نہیں جانتی اور نہ ان کے تہ منظر سے واقف ہے خصوصاً نظریہ بداء اور اس کے گرد بعض شیعہ علماء کے اپنی کتابوں میں قائم کردہ عقلی بحث مباحثے

تو وہ قطعی طور پر نابلد ہیں، تاہم کچھ علماء شیعہ نے ان نظریوں کو اپنایا بھی ہے اور کچھ کتابیں بھی لکھی گئی ہیں لیکن اس سب کچھ سے بڑھ کر حیران کن امر یہ ہے کہ رجعت و بداء کے نظریے ان ”زیارات“ میں وارد ہوئے ہیں جنہیں شیعہ اپنے ائمہ کے مقبروں اور زیارت گاہوں کے سامنے شب و روز پڑھتے ہیں لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ شیعہ کے دل و دماغ پر قابض مذہبی قیادتوں نے ان جملوں اور عبارتوں پر اعتراض کیا ہو یا ان کے مضامین کو زیارات میں سے حذف کر دینے کا مطالبہ کیا ہو یا ان کے مضامین کی تردید کی ہو، حالانکہ ان میں سے بعض قائدین اپنی خاص مجلسوں میں نظریہ رجعت اور بداء کے متعلق ناپسندیدگی کا اظہار اور ان پر نکیر کرتے رہے لیکن اعلیٰ طور پر کبھی اظہار رائے نہیں کیا، اس لئے میں نے محسوس کیا کہ احساس فرض مجھ سے تقاضا کرتا ہے کہ اس کتاب کو ان دونوں نظریات کے ساتھ مکمل کروں۔ پہلے ہم رجعت کا ذکر کرتے ہیں۔

شیعہ مذہب میں رجعت کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علیؑ سے لے کر گیارہویں امام حسن عسکری تک تمام ائمہ شیعہ اس دنیا میں دوبارہ آئیں گے تاکہ اس معاشرہ پر حکومت کریں، جس میں امام مہدی عدل و انصاف کی بنیادیں مضبوط کر چکے ہوں گے۔ امام مہدی ائمہ کی دوبارہ آمد سے قبل ظاہر ہوں گے اور تمام روئے زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے اور اپنے آبا و اجداد کی دوبارہ آمد اور عثمانی حکومت سنبھالنے کی راہ ہموار کریں گے اس کے بعد ائمہ میں سے ہر ایک اپنی امامت کی ترتیب کے مطابق زمین پر حکومت کرے گا پھر دوبارہ فوت ہوگا تاکہ اس کے بعد اس کا جانشین منصب حکومت پر فائز ہو سکے اس کے بعد حکومت حسن عسکری تک پہنچے گی اور اس کے بعد روز قیامت ہوگا۔ یہ سب کچھ خلافت میں ان کے شرعی حق اور ان کی حکومت کے معاوضہ کی خاطر ہوگا جسے وہ رجعت سے پہلی زندگی میں حاصل نہ کر سکے تھے، جن شیعہ علماء نے ”رجعت“ کے موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ اس آیت

کہ یہ :-



وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ

الْأَرْضَ لِلَّهِ عِبَادِيَ الصَّالِحِينَ - (۱۱)

ہم نے (نصیحت کی کتاب یعنی تورات) کے بعد زبور میں لکھ دیا تھا کہ  
میسے نیکو کار بندے ملک کے وارث ہوں گے۔

کی تفسیر یہ کہ ہے کہ ”العباد الصالحون“ (نیک بندوں) سے مراد ائمہ شیعہ ہی ہیں۔  
یہ اس نظریہ کا خلاصہ ہے جس کی طرف ہم نے اجمالی اشارہ کیا ہے۔ یہ بتانا بھی ضروری  
ہے کہ رجعت کے موضوع پر لکھنے والوں اور ائمہ شیعہ کی جانب منسوب روایات پر مشتمل  
کتابوں کی روایات سے استشہاد کرنے والوں نے ائمہ شیعہ کی دوبارہ آمد کے نظریہ پر  
اکتفا نہیں کی بلکہ اس پر دوسرے افکار کا اضافہ کر دیا ہے اور وہ سب بھی ان میں گھڑا  
روایات سے اخذ کئے گئے ہیں جن کی طرف ہم کسی مرتبہ اشارہ کر چکے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ  
دوبارہ آمد صرف ائمہ شیعہ تک ہی محدود نہیں بلکہ دوسرے افراد بھی دوبارہ آئیں گے اس  
ضمن میں وہ اصحاب رسولؐ میں سے غیر معمولی جماعت کا نام لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ  
ائمہ کے دشمن تھے اور یہی لوگ ان کے حق حکومت و خلافت میں سدِ راہ بنے تھے ان سب  
کو دوبارہ زمین پر بھیجا جائے گا تاکہ ائمہ ان سے اسی دنیا میں انتقام لے سکیں۔

مجھے تو کبھی کبھی یہ خیال آتا ہے کہ نظریہ رجعت کو ثابت کرنے کے لئے روایات وضع  
کرنے والوں اور اس کی پشت پناہی کرنے والوں کا مقصد ائمہ کی دوبارہ آمد سے زیادہ  
ان کے مزعمو اعداء کی دوبارہ آمد کا نظریہ ثابت کرنا تھا تاکہ ان سے انتقام لیا جاسکے  
اس لئے کہ یہ نظریہ شیعہ اور دیگر اسلامی فرقوں کے مابین تفرقہ ڈالنے کا موجب ہوگا  
جس کے بعد ان کے دل بیٹھنے کا امکان ہی نہیں رہے گا۔ اگر اس نظریہ کی پشت پناہی  
کرنے والے ائمہ شیعہ کے لئے منحصص ہوتے تو وہ ان ائمہ کی ایسی تصویر پیش

نہ کرتے جس کے مطابق وہ اقتدار کی اس قدر طمع رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اسی نانی دُنیا میں دوبارہ لوٹا دے گا تاکہ کچھ دیر حکومت کر سکیں جبکہ ائمہ کے لئے تو وہ جنت ہے جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، اور جو متقین کے لئے تیار کی گئی ہے اور جبکہ امام علیؑ کا ارشاد ہے۔

”وَاللّٰهُ اِنَّ دُنْيَاكُمْ هٰذِهِ لَا تُهَوِّنُ عِنْدِيْ مِنْ

دِدْقَةٍ فِيْ نَجْرَادَةٍ تَقْضُمُهَا“

وہ اللہ کی قسم تمہاری یہ دُنیا میرے نزدیک اس پتے سے بھی حقیر ہے جسے مکڑی

چبا رہی ہو۔“

حقیقت جو کچھ بھی ہو ہمیں بعد افسوس! اس قسم کے افکار کا سامنا ہے ہمارے بعض علمائے نے تو اس کے متعلق کتاب بھی لکھی ہے اور یہ نظریہ شیعہ عقائد کا جُز نہ ہوتے ہوئے بھی ان میں جگہ پا گیا ہے۔

یہ نظریہ بہت سے فرق کے باوصف نظریہ تنازع سے مشابہت رکھتا ہے جسے ”فیثاغورث“ نے پیش کیا، اس کے مقلدوں نے اپنا یا اور آج تک اس کے حامی موجود ہیں۔ یہ نظریہ متعدد صورتوں میں ظاہر ہوا اس کی مختلف تعبیریں کی گئیں اور بعض پس ماندہ عقائد میں داخل بھی ہوئیں، لیکن ائمہ شیعہ کی دوبارہ آمد کے موضوع پر تصنیف کرنے والوں نے ان امور کو بطور دلیل استعمال نہیں کیا جنہیں ”فیثاغورث“ کے متبعین نظریہ تنازع بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں ایک جسم سے دوسرے جسم میں انتقال کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں کیونکہ نظریہ تنازع کے قائلین کا یہ عقیدہ نہیں کہ ایک ہی شخص مرنے کے بعد واپس لوٹے گا بلکہ وہ مختلف شکل و صورت میں متعدد زندگیوں اور متعدد اموات کے قائل ہیں لیکن نظریہ رجعت کے مطابق یہ متعین اشخاص کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ ایک سے زیادہ مرتبہ نہ ہو گا اسے دہرایا نہیں جاسکتا کیوں کہ اس کے بعد دوسری موت ہوگی جس کے بعد حشر کے لئے اُٹھنا ہوگا۔ اسی وجہ سے میں کہتا ہوں کہ جو لوگ اس نظریہ کے پس منظر میں کارفرما تھے شاید فیثاغورث کے فلسفے سے متاثر تھے اور انہوں نے اس کا



نظریہ اسلامی دنگ دے کر مذہب میں داخل کر دیا۔

میں یہ بھی نہیں جانتا کہ خاص طور پر کس زمانہ میں یہ نظریہ شیعہ مذہب میں داخل ہوا اور اس کے متعلق کتابیں لکھی گئیں، تاہم اس میں شک نہیں کہ اس قسم کے بعید از عقل افکار و نظریات شیعہ اور تشیع کے درمیان معرکہ آرائی کے پہلے دور میں ظہور پذیر ہوئے جبکہ لوگ عام طور پر سادہ لوح تھے اور اس قسم کے مبالغہ آرائی پر مبنی بعید از عقل افکار کا بازار گرم اور ان کی طرف میلان عام تھا۔

یہ بدعت شیعہ افکار میں ملانی گئی دیگر بدعات سے اس اعتبار سے مختلف ہے کہ اس پر کوئی سیاسی، علمی، اجتماعی یا اقتصادی اثر مرتب نہیں ہوتا سوائے ایک چیز کے اور شاید وہی اس نظریہ کے وضع کئے جانے کا سبب بھی ہے اور وہ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں اس قسم کی خرافات کے ذریعہ مسلمانوں کی صفوں میں مکمل و شمنی اور انتشار پیدا کرنا ہے جو ائمہ کے اصحاب رسولؐ سے اور ان لوگوں سے انتقام کے متعلق وضع و جمع کی گئیں جنہوں نے بقول ان کے امامت و خلافت کے بارے میں نص الہی کی خلاف ورزی کی۔ اس قسم کی ہر بات زمانہ ماضی میں بھی اور اب بھی فتنہ کی آگ کو بیڑ کاتی اور وحدت امت کو نقصان پہنچاتی اور باہمی اُلفت و قربت کے ہر موقع اور ہر منظر کو ختم کرتی رہی ہے۔ اس مقام پر میں ایک واقعہ سنانا چاہتا ہوں جو مجھے چند سال پیشتر میسکہ نجف میں قیام کے دوران پیش آیا۔ میسکہ پاس ایک عالم تشریف لائے انہوں نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ میں ان سے ایک کتاب خریدوں جس کی تالیف و طباعت سے انہیں دنوں فارغ ہوئے تھے کتاب کا نام تھا (شیعہ اور رجوت) میں نے کتاب کا موضوع پوچھا تو انہوں نے کہا: ”ائمہ کی اس دنیا میں دوبارہ آمد کا ثبوت“۔

میں نے پوچھا: یہ کب ہوگا!

کہنے لگے: مہدی کے ظہور کے بعد جو زمین میں عدل و انصاف کا دور



دوبارہ کر دیں گے۔

میں نے ایک بار پھر سوال کیا؛ جب عدل و انصاف مکمل طور پر قائم ہو چکا ہوگا تو تو ان کی دوبارہ تشریف آوری کا فائدہ؟ ائمہ اس بات سے بلند تر ہیں کہ حکومت برائے حکومت کا مطالبہ کریں جبکہ امام علیؑ کا قول ہے :-

«إِنَّ دُنْيَاكُمْ هَذِهِ أَهْوَنُ عِنْدِي مِنْ عَفْطَةِ  
عِزِّي إِلَّا أَنْ أَتِيَهُمْ حَقًّا وَأَبْطَلُ بَاطِلًا»

کہ تمہاری یہ دنیا میرے نزدیک بکری کے فضلات سے بھی حقیر تر ہے  
إلا یہ کہ کوئی حق قائم کر سکوں یا باطل مٹا سکوں۔

اس پر وہ عالم چکر لگے اور کہنے لگے، لیکن ہماری کتابوں میں ایسی روایات موجود  
ہیں جن سے ائمہ کا دوبارہ آنا ثابت ہوتا ہے۔

تو میں نے تقریباً چھینے ہوئے کہا: کیا بہتر نہ تھا کہ یہ موضوع امام مہدی کے  
لئے اٹھا رکھا جاتا تاکہ وہ خود اس بارے میں کچھ کہہ سکتے؟  
تو اس پر وہ عالم ”ہائے دین کا ضیاع“ کہتے ہوئے منہ پھیر کر بھاگ نکلے۔

## اصلاح

میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ رجعت کا نظریہ شیعہ امامیہ کے عقائد میں اہم مقام نہیں  
رکھتا سوائے اس کے کہ بہت سے شیعہ جامعہ کبیرہ کی ”زیارت“ پڑھتے ہیں جو کہ  
اہم ترین زیارت ہے اور شیعہ کے ہاں معتبر سمجھی جاتی ہے اس میں رجعت کے متعلق  
صریح عبارتیں موجود ہیں اور ایسا کبھی نہیں ہوگا کہ ہمارے کسی فقیہ یا دینی رہنما نے اس  
جملہ کی صریح طور پر تردید کی ہمت کی ہو یا اسے حذف کر۔ نہ کا حکم دیا ہو یا اس کی  
کوئی ایسی تشریح کی ہو جو عقل سے مطابقت رکھتی ہو۔ اگر اس کی تشریح و تفسیر ممکن ہے

زیارت ”الجماعۃ“ جس کے بعض اقتباسات کی طرف ہم قبور ائمہ کی فصل میں اشارہ کر چکے ہیں وہی ہے جسے شیعہ اپنے ائمہ کے مقبروں اور زیارت گاہوں کے سلسلے میں سلام پیش کرنے کے لئے جلاتے ہوئے پڑھتے ہیں، اس زیارت کے فقروں میں یہ عبارت بھی آتی ہے۔

” مؤمن یا یا بککم، مصدق بر جعتکم منتظر

لأمرکم مر قتب لدولتکم “ (۱۱)

میں آپکی دوبارہ آمد پر ایمان رکھتا ہوں، رجعت کی تصدیق کرتا ہوں، آپ کے حکم کا منتظر ہوں، آپ کی حکومت کے قیام کے لیے دن گنتا ہوں۔“

کوئی شک نہیں کہ اس عبارت میں رجعت سے مراد حشر میں اٹھنا نہیں کیونکہ اسلامی عقیدے کے مطابق اس میں تو سب انسان شریک ہیں، یہی تیسرا رکن ہے جو توحید و رسالت کے بعد آتا ہے۔ لہذا رجعت سے مراد اسی دنیا میں دوبارہ ٹوٹنا ہی ہو سکتا ہے۔ یہی وہ عبارت ہے جسے بنیاد بنا کر بہت سے شیعہ علماء نے رجعت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ سوان کی حالت لیے ہے جسے کسی نے موضوع یعنی من گھڑت روایت یا موضوع جملہ پر وہم و گمان کا ادنیٰ نچا عمل تعمیر کیا ہو۔ یہاں ارسطو کے فرمودہ ایک جملہ کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا جو اس نے اپنے استاذ افلاطون کے بارے میں نظریہ ”مثالیت“ (Idealism) کی طرف دعوت دینے پر اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا تھا :-

دو افلاطون کے نظریہ مثالیت کی مثال اس شخص کی سی ہے جسے چیزوں

کی گنتی دشوار ہو اور وہ انہیں دو گنا کر لے تاکہ گنتی کرنے میں آسانی ہو جائے“

لیے ہی ہمارے بعض فقہاء جب کسی جملہ کے فہم و ادراک میں دشواری محسوس کرتے ہیں جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ جملہ اصول اسلام اور عقل کے منافی ہوتا ہے تو بجائے اس

کے کہ وہ اسے زمین پر دے ماریں اور عوام الناس کو اس سے بچائیں اور دُور رکھیں۔ اس کی شرح و تفسیر میں دو گنا زور صرف کر دیتے ہیں اس طرح بدعت پر بدعت اور گمراہی پر گمراہی کا اضافہ کرتے چلے جاتے ہیں نتیجہً خرابی بسیار سے بسیار تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور شر سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

ایسی تمام عبارتوں اور جملہ مضامین سے، جو عقل سلیم اور رُوحِ سِلام کے منافی ہیں خصوصاً وہ عبارتیں اور جملے جن میں خلفاء راشدین اور دیگر صحابہؓ رسولِ رُضی اللہ عنہم کے بارے میں طعن و تشنیع، مذمت اور ان کی تنقیص پائی جاتی ہے۔ ان سے کتب زیارات کی تیغ و تہذیب اور تلہیر ہماری اس عمل اصلاح و صحیح کے دائرے میں داخل ہے۔ کُل روئے زمین کے شیعوہ کا فرض ہے کہ وہ جو کچھ پڑھیں ہوشیار ہو کر، آنکھ کھول کر پوری توجہ سے پڑھیں نہ یہ کہ جو کچھ بھی لکھا ہو یا چھاپا ہو ان کے ہاتھ میں تھما دیا جائے اسے صرف اس لئے دہراتے رہیں کہ ائمہ شیعوہ میں سے کسی کے نام سے جاری ہوا ہے۔

مجھے اس میں ہرگز شک نہیں کہ ہمارے ائمہ کی طرف منسوب ان زیارتوں میں اکثر ایسی ہیں کہ اگر وہ ائمہ کے علم میں آجاتیں تو وہ انہیں ایجاد کرنے والوں پر یقیناً جھوٹ اور بہتان طرازی کی حد جاری کرتے۔ روز قیامت سب سے سخت عذاب افترا پر دازوں کو ہوگا۔

وَيَلِكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلٰى اللّٰهِ كَذِبًا فَيَسْحِتْكُمْ  
 بِعَذَابٍ وَّكَذَّابٍ مِّنْ اٰتٰىيْ " " «  
 ” ہائے تمہاری کم بنجی اللہ پر جھوٹ نہ باندھو کہ وہ تمہیں عذاب سے  
 فنا کر دے گا اور جس نے افترا کیا وہ ناماد رہا۔ “



KITABOSUNNAT  
.COM

# بداء

”بداء“ کا نظریہ درج ذیلے ارشاد باری تعالیٰ کے منافی ہے :-  
 وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ  
 وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا  
 إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ  
 ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَلِكَ  
 وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ - « ۱۱ »

” اور تم جس حال میں ہوتے ہو یا قرآن میں سے کچھ پڑھتے ہو یا تم لوگ کوئی  
 اور کام کرتے ہو ہم تمہارے سامنے ہوتے ہیں اور تمہارے پروردگار سے  
 ذرہ برابر بھی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے زمین میں اور نہ آسمان میں اور  
 نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی یا بڑی مگر روشن کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔“

غلطی کی غلط تفسیر یا مذرگناہ بدتر از گناہ کا مطلب مسن غلطی اور گناہ کرنا ہے اور تاقیامت اس سے نکلنے کی صورت پیدا نہیں ہو سکتی۔ میرا مطلب اس سے یہ ہے کہ اگر ہمارے بعض علماء کی نیت خالص، ذہن صاف اور رائے صائب ہوتی اور وہ علمی جرأت سے کام لیتے تو وہ من گھڑت کلام، جملہ یا ایسے نظریہ کی تفسیر کے لئے ایسا خار دار راستہ اختیار نہ کرتے جو واضح طور پر بیک وقت اصول عقیدہ اور عقلی مسلمات کے خلاف ہے۔ نظریہ ”بداء“ اختیار کرنا اور پھر اس پر ڈٹے رہنا کتب ”زیارات“ اور کتب ”روایات“ میں اسے باقی رکھنا یہ اس امر کا مکمل نمونہ ہے کہ یہ لوگ گناہ پر اصرار کرتے ہیں اور ان پر عزت نفس غالب آجاتی ہے۔ جب صورتِ حالات ایسی ہو تو وہ ہم وگمان سے نجات حاصل کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ توفیق الہی بھی ایسے لوگوں کے شامل حال نہیں ہوتی جن کے بارے میں ارشاد ہے :

« دَمِينِ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ

وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُبِينٍ » (۱۱)

اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں، نہ علم

رکھتے ہیں، نہ ہدایت اور نہ کتاب روشن۔

جیسا کہ ہم پہلے ”رجعت“ کی فصل میں ذکر کر چکے ہیں کہ فرزندِ ان شیعہ امامیہ کی بڑی اکثریت کو ”بداء“ کا مفہوم معلوم نہیں بلکہ وہ اس کا مقصد بالکل نہیں جانتے حتیٰ کہ



آپ ان میں سے کسی سے اس کلمہ کا معنی دریافت کریں تو وہ جواب میں حیرانی کا اظہار کرینگے لیکن اس کے باوجود بڑے گہرے رنج اور افسوس کی بات ہے کہ صرف مذہبی قیادتوں کی مہربانیوں سے امت کا یہ حال ہو چکا ہے کہ دسیوں ہزار شیعہ بلکہ اگر صحیح کسب تو لاکھوں شیعہ کی زبانوں پر بتکرار یہ کلمہ جاری ہے :

”وَالسَّلَامُ عَلَيكُمْ يَا مَنْ بَدَّ إِلَهًا فِي شَأْنِكُمْ“  
 سلامتی ہو تم پر دو شخصیتو! تمہارے بارے میں اللہ کے علم میں نئی بات آئی ہے۔“

شیعہ یہ کلمہ اس وقت کہتے ہیں جب اپنے دسویں اور گیارہویں امام پر سلام کے لئے ان کی قبروں پر حاضر ہوتے ہیں۔ شیعہ جب بھی الگ الگ یا اکٹھے امام علی نقی اور جن عسکری کی قبر پر حاضر ہوتے ہیں تو یہ کلمہ بار بار دُہراتے ہیں۔

”یا مَنْ بَدَّ إِلَهًا فِي شَأْنِكُمْ“

حالانکہ انہیں نہ تو ”بداء“ کا معنی آتا ہے اور نہ ان اسباب کا علم ہے جو اس جملہ کی تالیف کے پس پردہ کار فرما تھے اور نہ ہی اس کے خطرناک تا منفرد کو جانتے ہیں کہ اس کلام میں اللہ رب العزت کی ذاتِ گرامی کی حکمت، ارادہ، علم اور سلطنت کی تنقیص ہے لیکن اس سب سے بڑھ کر تکلیف دہ بات یہ ہے کہ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہمارے علماء میں سے کسی عالم نے شیعہ زیارتوں سے اس جملہ کو حذف کرنے کے لیے یا اس کی تلاوت کو روکوانے کے لیے آواز بلند کی ہو۔ یہ جملہ بھی ان سینکڑوں دیگر عبارتوں کی طرح ہے جس سے کتبِ زیارات و روایات بھری پڑی ہیں ہم کئی مرتبہ کہہ چکے ہیں کہ یہ سب عبارتیں رُوحِ سلام اور اسس عقیدہ سے ٹکراتی ہیں۔

”بداء“ کا معنی اور اس کے بین السطور میں جو نظریہ پوشیدہ ہے نیز دونوں عسکری اماموں کی قبروں پر پڑھی جانے والی زیارات میں مذکور جملہ کا مقصد یہ ہے کہ شیعہ امامیہ

کے عقیدہ کے مطابق امامت بالترتیب باپ سے بڑے بیٹے کی طرف منتقل ہوتی رہی البتہ امام حسن و حسین اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں امام حسن کے بعد ان کے بڑے بیٹے کی بجائے ان کے بھائی حسین کو امامت منتقل ہوئی اور یہ نص حدیث کی وجہ سے ہوا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« الحسن و الحسين إمامان قاما أو قعدا »

حسن و حسین دونوں ہر حال میں امام ہیں ۔

اس کے بعد یہ ہوا کہ اسماعیل جو شیعہ کے چھٹے امام جعفر صادق کے بیٹے تھے اپنے باپ کی زندگی میں وفات پا گئے تو امامت ان کے بھائی موسیٰ بن جعفر، جو امام کے چھوٹے بیٹے تھے، کو منتقل ہوئی۔ امامت جو منصب الہی ہے کے سلسلہ میں تبدیلی کو بداء کہا جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو نئی صورت حال پیدا ہونے کے بعد اس کا علم ہوتا ہے۔ ان نئی معلومات کے بموجب امامت اسماعیل بن جعفر سے موسیٰ بن جعفر کو منتقل ہوئی اور پھر ان کی اولاد میں جاری رہی، طبعی طریق کار تو یہ ہے کہ باپ کے بعد اس کے بڑے بیٹے کو منصب امامت حاصل ہو۔

لیکن یہاں ایک حیرت انگیز سوال پیدا ہوتا ہے کہ روش امامت کی تبدیلی کو بداء، کا نام کیوں دیا گیا؟ اور ایک ایسی شئی ذات باری تعالیٰ کی طرف کیوں منسوب کی گئی صرف ایک ایسا امر ثابت کرنے کے لئے جس کے ثبوت کے لئے ہرگز ضرورت نہ تھی کہ قدرت و سلطان الہی کی تنقیص کی جاتی۔

اس سوال کا جواب ان حالات و ظروف میں پوشیدہ ہے جو شیعہ اور تشیع کے مابین اولین معرکہ آرائی کے زمانے میں پیش آئے۔ امامیت جب منصب الہی ہے تو اسے براہِ راست انتخاب کے تابع نہیں ہونا چاہیے اور نہ شرعی امام کی موت سے اس کے تسلسل میں کوئی تبدیلی آنی چاہیے اس صورت حال میں تو امامت وحی الہی کے مطابق باپ سے بیٹے کو منتقل ہونی



چاہیے اور وحی الہی تو تبدیل نہیں ہوتی۔ اسی لئے تو امامت کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ کموبہ ہے، زمان و مکان کی تبدیلیوں کے تابع نہیں، بالکل علت ذاتیہ و معلول ذاتی کی طرح ہے جو کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ باپ امام کو دوسرے امام کی تعیین میں دخل اندازی کا حق نہیں جو اس کے بعد امام ہو گا کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے معین ہوتا ہے۔ یہ فکری نزاع قبل اس کے کہ آفاقی سطح پر وسعت اختیار کرے فیبت کبریٰ سے متصل پہلے خود شیعوں کے مابین ظہور پذیر ہوا۔ یہ تب کی بات ہے جب اسلامی افکار میں اسماعیلی مذہب ظاہر ہونا شروع ہوا اور اس نے شیعوں کو داخلی اختلاف سے دوچار کیا۔ مذہب اسماعیلی کی رو سے ارادہ الہی کے عین مطابق سلسلہ امامت جاری و ساری تھا اور زمانی تسلسل کے ساتھ علیؑ، اولاد علیؑ اور ان کی نسل میں رواں تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ باپ امام کو اپنے جانشین امام کی تعیین میں مداخلت کا کوئی حق نہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے معین ہوتا ہے۔ جب شرعی وارث وفات پا گیا تھا تو اس کے باپ امام صادق کو یہ حق حاصل نہ تھا کہ اپنے چھوٹے صاحبزادے موسیٰ کو امام نامزد کرتے بلکہ (حسب قاعدہ) امامت بڑے بیٹے اسماعیل کو منتقل ہونا تھی۔ شیعوں نے بھی چونکہ نظریہ امامت الہیہ کو اسی صورت میں اپنایا تو اس فکری بحران کا حل انہوں نے یہ نکالا کہ نظریہ دو بداء، پیش کر دیا تاکہ اسماعیل ابن جعفر کی بجائے موسیٰ بن جعفر کی طرف انتقال امامت کی ذمہ داری امام جعفر صادق کی بجائے اللہ تعالیٰ پر ڈال دی جائے اور ساتھ ہی اسماعیلی عقیدہ غلط ثابت ہو جائے جیسا کہ سبھی جانتے ہیں کہ اسماعیلیوں کے نزدیک آج تک امامت ان میں جاری ہے ان کے نزدیک امام زندہ حاضر اور خاندانہ اسماعیل بن جعفر کافر ہوتا ہے وہ اس طرز فکر سے انگشت برابر ادھر ادھر نہیں ہوتے جس کی ان کے مذہب نے، نہیں تعلیم دی تھی۔

ہم ایک بار پھر نظریہ دو بداء کی طرف آتے ہیں۔ یہ اس زلزلے میں سامنے آیا جب فرقہ اسماعیلیہ شیعوں کے مقابلے میں ظہور پذیر ہوا اور ان کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے لگا۔



اسی لئے ہمیں نظریہ ”بداء“ کا تیسری صدی کے اوائل تک کہیں نام و نشان نہیں ملتا۔ آپ دیکھیں گے کہ سب سے پہلے جس کے حق میں ”بداء“ کا ذکر کیا گیا وہ شیعہ کے دسویں پھر گیارہویں امام ہیں حالانکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ امام موسیٰ بن جعفر کے حق میں اس کا ذکر کیا جاتا اس لئے کہ امام موسیٰ اس نظریے کے اولین موضوع تھے پس امام موسیٰ، ان کے بیٹے علی رضا ان کے پوتے محمد الجواد ان میں سے کسی کو ایسے کلمے سے خطاب نہیں کیا گیا جس سے ان کے حق میں حصول ”بداء“ (اللہ تعالیٰ کے لئے ظہور علم) کا اشارہ ہو۔ اس امر سے ہمارے خیال کی مزید تاکید ہوتی ہے کہ نظریہ ”بداء“ کی ضرورت تب پڑی تھی جب تیسری صدی ہجری کے اوائل میں اسماعیلی مذہب کا رجحان عالم وجود کی طرف اپنا راستہ پیدا کر رہا تھا اور شیعہ کے دسویں اور گیارہویں امام کا یہی زمانہ تھا۔

بعض کبار علماء شیعہ نظریہ ”بداء“ کے اس لئے قائل ہوئے تاکہ اسماعیل بن جعفر کی طرف انتقالِ امامت سے تسلسلِ امامت میں جو تبدیلی رونما ہوئی اس کا ثبوت فراہم کر سکیں حالانکہ شیعہ اور تشیع کے مابین اختلاف سے قبل امامت اور سلسلہ وار اس کی منتقلی نیز خود شیعہ نے جو اس کی صورت پیش کی تھی، کے لئے اراذالہٰی میں تغیر اور علیم و جبر الہ العالمین کے بارے میں یہ عقیدہ اختیار کرنے کی ہرگز ضرورت نہ تھی کہ اس ذات والا صفات کو ظہور واقعہ کے بعد اس کا علم ہوتا ہے، نامزد امام کی انتقالِ امامت سے قبل وفات کی صورت میں اس کا جانشین خود بخود نامزد ہو جاتا اور امامت اسے منتقل ہو جاتی جیسا کہ امام جعفر جن کے سامنے ان کے نامزد بیٹے کی وفات ہوئی نے وصیت کر دی تھی بلاشبہ انہوں نے بتا دیا تھا کہ کون ان کے بعد فقہ و فتوے کے لئے مسند نشین ہوگا۔ امام اور شرعی وراثت کی تعیین کے بارے میں امام موصوف کا کلام فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔

نظریہ ”بداء“ (اللہ کے لئے ظہور علم) کتبِ تشیع میں کافی اہمیت و طولت کا حامل موضوع ہے۔ بعض علماء نے تو اس پر مستقل کتابیں لکھیں یا اپنی کتب میں مستقل فصول

اس نظریہ کا اور اس کے نتائج کا دفاع کرنے کے لئے مخصوص کی ہیں۔ یہ بحث و جدل بالآخر فلسفیانہ اور کلامی مباحث تک پہنچے اور علم کلام کی کتابوں کے کئی کئی اجزاء ارادۃ الہی جیسی بالعد الطبیات بحثوں کی نذر ہوئے؛ مثلاً کیا اشیاء کی اجل حتمی اور مقرر ہے؟ کیا احتیاط سے تقدیر اور صدقات سے آزمائش ٹل جاتی ہے؟ اور ایسی دیگر بحثیں جنہیں اہل علم و فضل کے علاوہ ہر وہ شخص سمجھتا ہے جسے معتزلہ و اشاعرہ وغیرہ مفکرین اسلام کے مابین فکری اختلاف کے موضوع سے دلچسپی ہو، لیے ہی بعض علماء شیعہ نے ”بداء“ کے فکری ورطے سے خلاصی حاصل کرنے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ نسخ کی قسمیں بنادی ہیں؛ کہ ایک نسخ تشریحی ہوتا ہے اور دوسرا کمونینی، بدار کا تعلق نسخ کمونینی سے ہے۔ معلوم نہیں ہوسکا کہ ”بداء“ کے موضوع پر لکھنے والوں کو درج ذیل آیت میں اپنی اس مشکل کا۔ اگر واقعی یہ مشکل ہے۔ کوئی حل ملایا نہیں، فرمایا:

يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُنَبِّتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ ۝۱۱

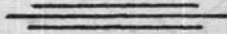
”اللہ جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے

اور اس کے پاس اصل کتاب ہے“

بہر حال جن لوگوں نے ”بداء“ کے موضوع پر کچھ لکھا اور تالیف کیا ہے انہوں نے پہلے سے موجود اوہام و سوسنطائیت میں مزید اضافہ کرنے کے علاوہ کوئی کارنامہ سرانجام نہیں دیا۔ اگر یہ حضرات اپنی اس مشکل کا حل مذکورہ بالا آیت میں تلاش کرتے تو ان کے لئے اس سے نکلنے کا بہترین راستہ تھا جس میں انہوں نے خود کو ڈال رکھا ہے اب اس سے نکلنے کی انہیں صرف ایک ہی صورت سمجھ آئی ہے اور وہ ہے قدرت و سلطان الہی میں طعنہ زنی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ کچھ اور کرنے کا ہوتا ہے مگر بعد میں اسے پتہ چلتا ہے کہ ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔

یہاں سے ہم ایک اہم ترین نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ شیعہ اور تشیع کے مابین محرکہ و تصادم کے پس پر وہ پالیسی سازوں نے اپنی نیتوں اور مقاصد میں ورع و احتیاط سے ہرگز کام نہیں لیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور صفات کے بارے میں بھی زبان درازی سے باز نہیں رہے۔ ان کی غرض تو صرف یہ تھی کہ عقل و منطق اور عقیدہ کی اساس کے منافی اہلاد و مقاصد بروئے کار لاسکیں۔

میں اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھتا ہوں اور اخلاص سے دُعا گو بھی ہوں کہ یہ شب و بچور جلد سحر میں تبدیل ہو باصلاحیت اور شفاف دلوں پر آفتاب حقیقت کی کرنیں پڑیں تاکہ وہ حق قبول کر کے مقاصد تفسیح و اصلاح کے حصول کے لئے جدوجہد کریں، ہر شخص اپنی سمیت و طاقت کے مطابق کام کرے ایسا کرنے سے شیعہ عہد رسالت کی طرف رجوع کریں گے اور نئی اخلاقی قدروں سے بہرہ ور ہوں گے۔





## اصلاح

ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں اب مزید تاکید سے کہتے ہیں کہ شیعہ حضرات کو ”بداء“ نام کی کسی نکرہی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑتا حتیٰ کہ جس جملہ کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے اسے پڑھتے ہوئے آرام سے گزر جاتے ہیں اسے کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے کیونکہ یہ جملہ مبہم اور غیر واضح ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ فکر و خیال کئی مقامات پر ذکر ہوا ہے اور شیعہ حضرات ”سرم رائی“ میں ہر صبح و شام جب دونوں عسکری اماموں کی قبر پر سلام کے لئے حاضری دیتے ہیں تو یہ عبارت بار بار دہراتے ہیں۔ اور یہ بات بھی شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ شیعہ کے دینی مراجع میں سے کسی مرجع نے یا علماء میں سے کسی عالم نے کتب زیارات میں سے اس جملہ کو حذف کرنے کا حکم دیا ہو جن کی تعداد دسیوں جلدوں سے زیادہ ہے۔ ایسے ہی ہمارے بڑوں کا کوئی ایسا گروہ بھی نہیں ہے جس نے اس جملہ پر اجمالاً یا تفصیلاً، خفیہ یا ظاہر نکیر کی ہو۔ اور اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ نظریہ ”بداء“ من گھڑت افکار میں سے ہے اور مذکورہ عبارت موضوع اور ائمہ کے نام غلط منسوب کی گئی ہے اور پھر اس کلام میں داخل کر دی گئی ہے جو دسویں اور گیارہویں امام کی قبروں پر دہرائی جاتی ہے۔ اس خانہ ساز عبارت کی تصنیف کا زمانہ یقیناً جیسا کہ ہم تھوڑا پہلے ثابت کر چکے ہیں شیعہ اور تشیع میں اختلاف کا پہلا عہد ہے۔ یہاں میں ایک بار پھر تاکید سے کہوں گا کہ ہمیں اپنی علمی تراث کی جو ہمیں ماضی سے ورثے میں ملی اور اسے شیعہ عقائد میں داخل کر دیا گیا۔ خصوصاً ان حصوں کی، جن سے ذات الہی کی تنقیض ہوتی ہے۔ رسول اللہ کے ساتھ گستاخی ہے، خلفاء رسول کے ساتھ ناروا سلوک ہے یا ائمہ شیعہ جو تمام مسلمانوں کے بھی امام ہیں، کے حق میں دروغ گوئی ہے، جھان بین کرنی چاہیے۔

KITABOSUNNAT  
.COM

# تحریک اصلاح و اصلاح

کامیابی اور ناکامی کا جائزہ

انکار و آراء کی ہلاکت خیز اور غیر فطری وسیع کاریوں کی اصلاح کو  
قرآن کریم، سنت رسول، عقل اور فطرت سلیمہ سبھی فرض قرار دیتے  
ہیں۔ بلاشبہ جن پر تاثیر نپند و نصائح کے سوتے ان مصطفیٰ چشموں سے پھوٹیں  
گے، یقیناً صاف دلوں اور آمادہ بکار نفوس کو اپنی طرف کھینچ لیں گے اور  
ایسے قلب و مزاج کے لوگ فوج در فوج رشد و ہدایت سے بہرہ ور ہوں گے۔



تحریر اصلاح و تصحیح جس کے لئے ہم نے شیعہ اور شیعیت کی تاریخ میں پہلی مرتبہ آواز بلند کی ہے بلاشبہ اسے شیعہ دنیا کی سطح پر مختلف قسم کے رد عمل کا سامنا کرنا پڑے گا اور یہ رد عمل ہر طبقہ کے اعتبار سے ہوگا جہاں تک تحریک اصلاح کی آواز پہنچے گی اور یہ طبعی امر ہے کہ دینی زعماء اور فرقہ پرستی کے تاجروں کے گروہ دجن کی قیادت مذہبی رہنما کریں گے) اس تحریک اصلاح کے مقابلہ کے لئے پوری قوت و کوشش صرف کر دیں گے۔ ان لوگوں کو اس رد عمل کے اظہار میں جو کہ شدید بھی ہو سکتا ہے ہم معذور سمجھ سکتے ہیں کیوں کہ تحریک اصلاح و تصحیح کے خطر سے ان کے عز و شرف بے پناہ اختیارات نیز اس ڈھانچہ کو چیلنج کر رکھا ہے جس پر انہوں نے کئی صدیوں سے وسیع و عریض امیدوں کے مہلات کی بنیاد رکھی تھی، البتہ اس میں بھی شک نہیں کہ فرزند ان شیعہ میں سے تعلیم یافتہ، ہوشمند لوگوں کی واضح اکثریت اس پیکار پر لبیک کہے گی اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح اس کا دفاع کرے گی کیوں کہ اس میں دنیا کی عزت بھی ہے اور آخرت کی بھلائی بھی۔

اس مقام پر میں بیدار مغز طبقہ۔ جس کے ساتھ تحریک اصلاح کی کامیابی کی امیدیں وابستہ ہیں۔ کو نصیحت کرتے ہوئے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کلمہ حق میں فی نفسہ ایک طاقت ہوتی ہے جو اسے زور دار بناتی ہے لوگوں کو اس کی طرف بلانے کیلئے کسی

تشد اور سنگدلی کے مظاہرہ کی ضرورت نہیں ہوتی اور ہمارے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بہترین نمونہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ انہیں مخاطب کر کے فرماتا ہے:

”وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَأَنْفَضْتُوا مِنْ حَوْلِكَ“ (آل عمران ۱۵۹)

”اگر تم بد خو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے“

ایک اور مقام پر مخاطب کہتے ہوئے فرماتا ہے:

”ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ“ (الاحزاب ۶۴)

”اے پیغمبر! لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت

سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ اور

بہت ہی اچھے طریقے سے ان سے مناظرہ کرو“

اس لئے جن لوگوں کے گندھوں پر دعوت اصلاح و تیسیم کی ذمہ داری ہے

ان کا فرض ہے کہ دوسروں سے مخاطب ہوتے وقت خوش خلقی اور عدم تشدد کی راہ اختیار

کریں خصوصاً بزرگوں اور عمر رسیدہ افراد کے ساتھ اس لئے کہ بڑھاپے میں انتہاء کو

پہنچ جانے والوں کے لئے ایسے کاموں اور باتوں کو یک لخت چھوڑنا آسان نہیں ہوتا

جن کی انہیں بچپن سے باہتمام تربیت دی گئی ہو اور وہ اس کے عادی بن چکے ہوں۔

اس ضمن میں تمام مثالوں کا شمار ممکن نہیں بطور مثال چند چیزوں پر غور کریں۔

۱۔ تم خود سوچو کہ جو شخص بچپن سے غیر اللہ (وہ نبی ہو، امام یا ولی) سے

مدد مانگنے اور اسے ”یا“ کہہ کر پکالنے کا عادی ہے۔ ایک ہی دن میں اس عادت سے

کیسے دستبردار ہو سکتا ہے ؟

شیعہ میں سے بہت سے مدد مانگنے کے لئے غیر اللہ کو پکارتے ہیں مجھے معلوم نہیں کہ ہم شیعہ لوگ ہر چیز پر قادر اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیر اللہ سے مدد کیوں مانگتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ صرف اسی سے مدد مانگیں۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ " (۱)

”مے پروردگار ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔“

اس نے اپنے بندوں کو یہ کہہ کر مخاطب فرمایا :

ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ " (۲)

”مجھ سے دُعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔“

اور اللہ سبحانہ نے دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا

وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ " (۳)

”اور ہم اس کی رگ جان سے بھی اس سے زیادہ

قریب ہیں۔“

(۱) الفاتحہ : ۵

(۲) غافر : ۴۰

(۳) ق : ۱۶



اس کے علاوہ بھی کتنی ہی آیات اسی مضمون کی ہیں۔ بھلا بتاؤ کہ کیا شیعہ کو اس بات پر آمادہ کرنا کہ ”حسینی مٹی“ (خاک کربلا) جو کئی طرح سے بنائی جاتی ہے جیسا کہ ہم اشارہ کر چکے ہیں۔ پر سجدہ کرنا چھوڑ دیں۔ آسان ہے؛ خصوصاً جب کہ وہ دیکھتے ہیں کہ ان کے دینی راہنما اپنی نمازوں میں اسی پر سجدہ کرتے ہیں اور ان کی مسجدیں اس سے بھری پڑی ہیں۔

کیا شیعہ کو غیر اللہ کی عبودیت پر مشتمل نام رکھنے سے باز رہنے پر آمادہ کرنا آسان ہے؟ یہ ایک ایسا رجحان ہے جو ہم کسی بھی دوسرے اسلامی بلکہ غیر اسلامی فرقت کے ہاں بھی نہیں پاتے شیعہ ہی وہ واحد گروہ ہے جو اپنے پتھروں کے ناموں تک میں غیر اللہ کی عبادت پر گامزن ہے۔

جب ہم امام علیؑ سے لے کر آخری امام تک شیعہ کی تاریخ کی ورق گردانی کرتے ہیں تو ہمیں ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں ملتا جس نے اپنی اولاد کا نام اللہ کے سوا کسی اور کے ”عبد“ کے طور پر رکھا ہو۔ میں نہیں جانتا کہ شیعہ نے یہ نام رکھنے کب شروع کئے جو اسلام کی روح کے ساتھ متصادم ہیں چوں کہ عبودیت کا تعلق صرف اللہ کیلئے خاص ہے اس کے سوا کسی کے ساتھ نہیں ہو سکتا انسان کسی دوسرے انسان کا عبد نہیں ہو سکتا خواہ اس انسان کا مرتبہ اللہ کے ہاں کتنا ہی بلند ہو۔

ایک بار پھر میں اصلاح کی دعوت دینے والوں کو تاکید کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ شیعہ کی فکری کج روی میں تبدیلی شب بھر میں ممکن نہیں ہے بلکہ اس کے لئے طویل وقت مسلسل محنت، صبر اور تربیت کی ضرورت ہے تاکہ تحریک اصلاح و تقویٰ دلوں میں جگہ بنا سکے۔

اس لیے یہ بہت اہم اور نازک ذمہ داری ہے اس سے بدتریح عہدہ برآ ہونا چاہیے خصوصاً ایسے حالات میں کہ اس تحریک کو ان لوگوں کی جانب سے

شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو جن کی طرف ہم اس فصل کی ابتداء میں اشارہ کر چکے ہیں اسی طرح ہم پر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ استعماری طاقتوں کے متعلق کبھی غفلت کا شکار نہ ہوں جو ہر وقت مسلمانوں کے لئے گمگمات میں رہتی ہیں اور نہیں چاہتیں کہ مسلمان متحد ہوں بلکہ ان کے درمیان تفرقہ ڈالنے کیلئے کوشاں رہتی ہیں اس کام کے لئے وہ خود بھی پوری محنت و کوشش صرف کر رہے ہیں اور تحریک اصلاح کا مقابلہ کرنے کے لئے انہوں نے کوائف کے ایسے اہل قلم کو بھی ذریعہ بنایا ہے جن کی گزرانہی فرقہ پرستی اور باہمی نفرت کے جذبات کو ہوا دینے پر ہے اور انہوں نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے اور کچھ ایسے سادہ مزاج لوگ بھی ہیں جن کے متعلق امام علیؑ نے یہ کہہ کر اظہار خیال فرمایا،

ہمچ رعاع یمیلون مع کل ریح اُتباع کل

ناعق لم یستضیوا بنور اللہ

”مفتش، غیر منظم، ہوا کے رخ پر چلنے والے اور ہر نعرہ

لگانے والے کے پیچھے چل پڑنے والے، جنہوں نے اللہ

تعالیٰ کے نور ہدایت سے کوئی فیض حاصل نہیں کیا

یہ لوگ اپنے مذہبی رہنماؤں کے قافلے میں چلتے ہیں ان کا ہر حکم منستے ہیں

بہی لوگ ان بدعتوں کو رواج دینے والے ہیں جو گزشتہ صدیوں کے دوران شیعہ مذہب کے سرمنڈہ دی گئیں۔

یہ تمام تو تین تحریک اصلاح و تصحیح پر وارد کرنے کے لئے یک مشت ہو جائیں

لیکن میں پہلے ہی بتا دوں کہ تحریک اصلاح کا مقابلہ کرنا ایک مضبوط اور ٹھوس دیوار سے

ٹکریں لٹکنے کے مترادف ہے جس میں کوئی بھی توت کبھی سرنگ لگانے میں کامیاب نہیں ہو

سکتی اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اس تحریک کی بنیاد کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور حضرت

علیؑ کے قول و عمل پر رکھی ہے جنہیں خود شیعہ مذہب کے فقہاء اپنے لئے حجت مانتے ہیں اس



کے بعد اس تحریک کی بنیاد عقل کے مضبوط ستون پر قائم ہے جسے علماء شیعہ شرعی احکام کے استنباط کے ارکان میں سے چوتھا رکن مانتے ہیں یہ چاروں ستون علماء شیعہ پر حجت ہیں اور وہ کسی حالت میں بھی ان سے صرف نظر نہیں کر سکتے اور نہ انہیں منہدم کر سکے ہیں نہ کر سکیں گے۔

اس مقام پر شروع کے مضمون کو دہراتے ہوئے صراحت کے ساتھ اشارہ کرنا ضروری ہے شیعہ روایات کی کتب خصوصاً وہ کتابیں جو ہمارے فقہاء کے نزدیک ثقہ اور قابل اعتماد تصور کی جاتی ہیں۔ ائمہ کی طرف منسوب ایسی روایات سے خالی نہیں ہیں جو ضروریات دین، اسلام کے بنیادی اصولوں سے واضح طور پر متصادم ہیں اور ان چار اصولوں سے بھی ٹکراؤ رکھتی ہیں۔ جنہیں شیعہ فقہاء فقہی احکام کے استنباط کے لئے بنیاد مانتے ہیں ان کتابوں میں اس قسم کی من گھڑت اور ائمہ شیعہ کی طرف منسوب روایات۔ جنہوں نے مخالف کتاب سنت اپنی طرف منسوب ہر روایت کو رد کر دینے کا حکم دیا۔ کو تحریک اصلاح اور اس کے مقاصد کے راستہ میں رکاوٹ ڈالنے کا ذریعہ بنایا جا سکتا ہے۔

اسی لئے ہم ہوشمند تعلیم یافتہ طبقہ کو جسے ہم اصلاح کا اول و آخر سہارا سمجھتے ہیں۔ تنبیہ کرتے ہیں کہ ایسی روایات میں۔ جن پر ہمارے فقہاء و علماء شیعہ مذہب میں اضافہ کی گئی بدعات کو ثابت کرنے کے لئے اعتماد کرتے ہیں کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عقل سلیم کو فیصل بنائیں اور ہر شخص کو ان غلط، صحیح، رطب و یابس باتوں کے معطلے میں جو انہیں آئمہ سے وارد ہونے والی روایات کے نام سے سنائی جاتی ہیں۔ خود فیصل بننا ہوگا۔ صدیوں سے شیعہ کے قلوب و اذہان پر ڈالی گئی زنجیروں کے بندھنوں سے خلاصی پلنے کا یہی واحد طریقہ ہے۔

ایک برس سے زیادہ مدت ہوئی دنیائے شیعہ مذہب کے ایک مقدر عالم کو پھر ان میں شیعہ عوام کے سامنے براہ راست نشر ہونے والے خطاب میں یہ کہتے ہوئے سنا:



”جبریل حضرت فاطمہ الزہراءؑ کے پاس ان کے والد  
گرامی کی وفات کے بعد آتے تھے اور بہت سے  
معاملات کے متعلق انہیں خبر دیتے تھے۔“

تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ یہ بات ضروریاتِ دین اور اسلام کے بنیادی  
عقائد کے منافی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وحی منقطع ہو چکی ہے لیکن یہ بات،  
مذکورہ فقہ کی زبان پر ان من گھڑت روایات پر اعتماد کے سبب آئی جن سے کتب شیعہ کی  
تفسیر کا مطالبہ ہم طویل عرصہ سے کر رہے ہیں اس سے بھی بڑھ کر تعجب اور افسوس کی بات یہ ہے  
کہ اس قسم کے کلام کو فقہ مذکور کے ہم مرتبہ ساتھیوں اور رفقاء کی جانب سے کسی بھی اعتراض کا  
سامنا نہیں کرنا پڑا بلکہ انہوں نے خاموشی سے اس روایت کی صحت کی تائید کر دی اور خاموشی  
رضامندی کی علامات میں سے ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہم شیعہ مذہب کے سرمقبولی جاننے والی بدعات کی بڑی ذمہ داری  
شیعہ مذہب کے علماء و زعماء پر ڈالتے ہیں جنہوں نے ان بدعات کے حق میں مؤیدانہ یا معالیٰ  
رویہ اختیار کیا ہے۔

یہ دیکھئے امام علیؑ نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین اور غسل  
میں مشغول ہوئے تو آپ کو مخاطب کر کے کہا،

بأبي أنت وأُمِّي لقد انقطع بموتك مال  
ينقطع بموت غيرك من النبوة والأنباء  
وأخبار السماء ۱۱

”میرا باپ اور ماں آپ پر نثار آپ کی وفات

سے نبوت اور آسمان سے خبریں آنے کا سلسلہ  
منقطع ہو گیا جو آپ کے سوا کسی کی موت سے منقطع  
نہیں ہوا تھا۔

اور اس سب کچھ کے بعد اصلاح و تصحیح کو رد کرنے والے گروہوں کا جب  
تمام معاشروں میں بائیکاٹ کر دیا جائے گا اور ہر طرف سے ان پر دلائل کی بوجھاڑ کر دی جائے  
گی تو وہ کیا راستہ اختیار کریں گے اور کہاں جائیں گے؟

بیمار طبائع، جاہلوں اور استعمار کے ایجنٹوں کا عام طود پر ایک ہی راستہ  
ہے اور وہ ہے نظریہ دعوت پیش کرنے والے پر طعن و تشنیع اور الزامات کا راستہ، ان کی  
حالت بالکل ان لوگوں کی سی ہے جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ محکم میں یہ فرما کر کیا ہے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَقَضَتْ غَزْلَ مَا مِنْ  
بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ  
دَخْلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ  
أَرْجَىٰ مِنْ أُمَّةٍ إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ  
وَلِيُبَيِّنَ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنْتُمْ  
فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ (۱)

” اور اس عورت کی طرح نہ ہونا جس نے محنت سے  
توسوت کا تانا پھرا اس کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا کہ  
تم اپنی قسموں کو آپس میں اس بات کا ذریعہ بنانے

لوگوں کو ایک گروہ دوسرے گروہ سے زیادہ غالب رہے  
 بات یہ ہے کہ اللہ تمہیں اس سے آزماتا ہے اور جن  
 باتوں میں تم اختلاف کرتے ہو قیامت کو اس کی  
 حقیقت تم پر ظاہر کر دے گا۔“

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا  
 هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُنِيرٍ تَأْنِي عِطْفِهِ  
 لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَكَ فِي الدُّنْيَا  
 خِزْيٌ وَنَذِيقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ  
 عَذَابَ الْحَرِيقِ (۱۱)

» اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ کی شان میں  
 بغیر علم (و دلائل) کے اور بغیر ہدایت کے، اور بغیر کتاب  
 روشن کے جھگڑتا ہے (اور بکرسے) گردن موڑ لیتا  
 ہے تاکہ لوگوں کو اللہ کے رستے سے گمراہ کرے  
 اس کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور قیامت کے  
 دن ہم اسے عذاب (آتش) سوزاں کا مزا  
 چکھائیں گے۔“



ترجمہ

# الشيعة والتصحيح

الصراع بين الشيعة والتشيع

تأليف

العلامة الدكتور موسى الموسوي

باللغة الأربية

## ۳- سُوْر :

سُوْر کے گوشت کے ناپاک ہونے پر اجماع ہے، جیسا کہ اوپر قرآن کی دونوں آیتوں میں اس کا ذکر آیا ہے۔ (بدایۃ الجہد ج ۱، ص ۵۹)۔ سُوْر، اس کے جسم اور دوسری تمام چیزوں کے ناپاک ہونے پر بھی امام مالکؒ کے سوا سب کا اتفاق ہے۔ ۱۔

## ۴- کتا :

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا منہ ڈال جائے تو اسے چاہئے کہ اپنے برتن کو سات مرتبہ دھوئے (بخاری)۔ مسلم۔ احمد)

اس حدیث کی بنا پر جمہور کے نزدیک کتے کا نہ صرف لعاب بلکہ اس کا بدن اور ہر چیز ناپاک ہے۔ ۲۔ (نیل الاوطار ج ۱، ص ۳۱)

## ۵- قے :

قے کی ناپاکی پر اجماع ہے، نبی ﷺ نے حضرت عمارؓ کو اس سے کپڑا دھونے کا حکم دیا۔ ۳۔ (الفتح علی المذہب الاربعہ ج ۱، ص ۱۳)

۱۔ امام مالکؒ کے نزدیک سُوْر کا صرف گوشت ناپاک ہے، دوسرے چیزیں ناپاک نہیں۔ اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کی آیت ”وَأَوْلَٰئِهِمُ الْخِنْزِيرُ فَإِنَّهُ رِجْسٌ“ کی ضمیر امام مالک کے نزدیک لُحْمٌ (گوشت) کیلئے ہے اور دوسروں کے نزدیک خِنْزِيرٌ (سور) کے لئے۔

۲۔ حنفیہ کے نزدیک کتے کا صرف لعاب ناپاک ہے (کیوں کہ اسی کی وجہ سے برتن کو دھونے کا حکم دیا گیا ہے) اس کا جسم ناپاک نہیں ہے (الفتح علی المذہب الاربعہ ج ۱، ص ۱۱)

امام عکرمہؒ اور ایک روایت میں امام مالک کے نزدیک کتے کا لعاب بھی ناپاک نہیں ہے انکا استدلال قرآن کی آیت ”فَكُلُوا مِمَّا آسَنَّا وَنَسَخْنَا عَلَيْكُمْ“ (تم کھاؤ وہ شکار کئے ہوئے جانور جنہیں یہ شکاری جانور پکڑیں) کیونکہ جب کتے شکار کو پکڑیں گے تو اسے ان کا لعاب بھی لگ جائے گا تو اسکی رخصت ہے۔ اوپر کی حدیث سے اس آیت کا تضاد نہیں ہوتا (نیل الاوطار ایضاً) اوپر کی حدیث کے متعلق امام مالک کا کہنا یہ ہے کہ اس میں صرف کراہت دور کرنے کے لئے برتن دھونے کا حکم دیا گیا ہے (الفتح البانی ج ۱، ص ۳۲۱)

۳۔ حنفیہ کے نزدیک قے اگر منہ بھر سے کم ہو تو وہ نجاستِ خفیفہ ہے (الفتح علی المذہب الاربعہ ج ۱، ص ۱۳)

## ۶۔ انسان کا پیشاب و باخانہ :

ان کے ناپاک ہونے پر اجماع ہے (بدایۃ الجہد ج ۱، ص ۵۹) البتہ اگرچہ (لڑکا) کو دھ پیتا ہو، ابھی غذا کھانے نہ لگا ہو تو اس کے پیشاب کے بارے میں سختی نہیں ہے۔ اس کے پیشاب پر چھینے دے لینا کافی ہیں۔ حضرت ام قیسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے پاس وہ اپنا ایک چم (لڑکا) لے کر آئیں، جو ابھی غذا کھانے نہیں لگا تھا۔ اس نے نبی ﷺ کی گود میں پیشاب کر دیا تو حضورؐ نے پانی منگوایا اور اس سے اپنے کپڑے پر چھینے دے لئے اور اسے دھویا نہیں ”نَضْحَهُ وَ لَمْ يَغْسِلْهُ“ (بخاری، مسلم۔ ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ”لڑکے کے پیشاب پر چھینے دے جائیں گے اور لڑکی کے پیشاب کو دھویا جائے گا۔“ يَنْضَحُ وَلَا يَغْسِلُ (مسند امام احمد)

## ۷۔ مذی اور ودی ۲۔ :

ان کے ناپاک ہونے پر اجماع ہے البتہ ان سے غسل ضروری نہیں، صرف وضو ضروری ہے۔ جیسا کہ پیشاب کے بعد ضروری ہے (فتح الباری، بدایۃ الجہد)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ مجھے بہت مذی آیا کرتی تھی اور میں اس کے متعلق نبی ﷺ سے سوال کرنے سے شرماتا تھا۔ میں نے ایک آدمی سے کہا اس کے متعلق نبی ﷺ سے دریافت کرو۔ آپ نے فرمایا ”وضو کرو اور اپنی شرم گاہ کو دھو لو۔“ (بخاری)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ”مذی میں غسل ضروری ہے اور مذی اور ودی میں پوری

---

۱۔ اکثر علمائے سلف کا مسلک یہی ہے، امام حنفیؒ، امام سفیان ثوریؒ، امام ابو حنیفہؒ آپ کے اصحاب اور کوفہ کے دوسرے فقہاء اور مکیہ کے نزدیک چھوٹے بچے کا پیشاب دھونا بھی اس طرح ضروری ہے جس طرح بڑے آدمی کے پیشاب کا (الفتح الربانی ج ۱ ص ۲۳۵) اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ اوپر کی حدیث میں نَضْحُ کا لفظ آیا ہے جس کے معنی نفلت میں چھینے دینا اور دھونا دونوں ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ (اور دوسرے جن کے نزدیک چم کے پیشاب کا دھونا ضروری ہے) اس کے معنی دھونے کے اور لم یغسلہ کے معنی دھونے میں مبالغہ نہ کیا“ کے لیے ہیں (مناظر امام محمد)

۲۔ مذی سے مراد وہ گاڑھ پانی ہے جو ملاءت وغیرہ کی وجہ سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ ودی سے مراد وہ گاڑھ مادہ ہے جو بعض لوگوں کو پیشاب کے بعد آجاتا ہے۔